سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ (پ ۱۵)

پاک ہے وہ جس نے اپنے بندے کو رات میں سیر کرائی

از کُتُبِ آسمانی

معراج سرورِ دو عالم (۲) صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

جس میں معراج اور دوسرے معجزوں کا قرآن پاک یا عقلی و نقلی دلیلوں سے مختصر بیان ہے۔ تاکہ مومنین انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے معجزات اور کرامات پر ایمان کامل رکھیں اور ملحدین اور منکرین حدیث کے فریبوں سے محفوظ رہیں

مؤلفہ

نبیوں کے معجزوں اور اولیاء کرام کی کرامات کا انکار نہ کریں۔ معراج و شق القمر وغیرہ معجزات پر ایمان لانا فرض ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

مُعجزات

یہ بات تو ہر آدمی جانتا ہے کہ بڑے لوگوں میں کچھ خوبیاں اور اچھائیاں ایسی ہوتی ہیں جو دوسروں میں نہیں ہوتیں۔ انہیں کی وجہ سے ان کو دوسروں کے مقابلے پر بزرگی اور بڑائی حاصل ہوتی ہے۔ اگر سب آدمی برابر ہوں تو پھر چھوٹے بڑے کا فرق جاتا رہے۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں یا مخلوق کی ہدایت اور ترقی کی راہ بتلانے کو مقرر ہوئے ہیں ان کو نبی یا رسول کہا جاتا ہے۔ اور نبی علیہ السلام اور رسول علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے اور نیکیوں کی تعلیم کے لیے تشریف لائے تھے۔ جس کے لیے خدائے تعالیٰ نے اُن میں ایسی صفات خوبیاں پیدا کر دی تھیں جن سے اُن کا اللہ تعالیٰ سے خاص تعلق اور لگاؤ ثابت ہوتا ہے۔ انہی خوبیوں کو معجزات کہتے ہیں۔ اور یہی عام انسانوں سے ان کو جدا کرتی ہیں۔ بلکہ نبیوں کے خدمت گزار۔ فرمانبرداروں سے بھی ایسی باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ جو نبی ؑ کی کامل پیروی کی دلیل ہوتی ہیں۔ ان کو کرامات کہتے ہیں۔ حقیقت میں یہ بھی نبی ؑ کے معجزات کا عکس یا پرتو ہوتا ہے۔ نبی علیہ السلام نے ان باتوں کو جو دوسرے انسانوں میں نہیں [illegible] معراج وشق القمر وغیرہ معجزات پر ایمان لانا فرض ہے۔

پ ۱۳ میں موجود ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا۔ وَ لَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ پ ۱ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام تمہارے پاس ظاہر دلیلوں کے ساتھ آئے۔ ظاہر نشانی اور دلیل معجزہ ہی ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام مُردوں کو زندہ کر دیتے اور بیماروں کو بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے اچھا کر دیتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی بغل سے ہاتھ نکالتے تو نہایت روشن ہوتا اور ان کی لاٹھی اژدہا بن کر سانپوں کو نگل جاتی تھی۔ یہ پتھر میں لاٹھی مارتے تو پانی نکل آتا تھا۔ اسی طرح تمام نبیوں کو اللہ تعالیٰ نے معجزات عطا فرمائے اور جو معجزات جدا جدا تمام نبیوں کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے تھے وہ سب کے سب اور ان کے علاوہ چند خاص معجزے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عطا ہوئے۔ معجزات کا انکار کفر ہے کیونکہ وہی اللہ تعالیٰ کے کلام سے پہلے بلکہ کلام الٰہی کی تعمیل اور قدر کا سبب اور نشان ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ج وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ۔ پ ۱۲ یعنی اے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہم نے آپ پر کھلی نشانیاں اُتاری ہیں اُن سے کافر ہی انکار کرتے ہیں۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ نبیوں کے معجزوں اور اولیاء کرامؒ کی کرامات کا انکار نہ کریں۔ معراج و شق القمر وغیرہ معجزات پر ایمان لانا فرض ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

معراج

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ مہتم بالشان معجزہ ہے۔ جو ساڑھے تیرہ سو سال سے قرآن پاک اور احادیث صحیحہ اور تواریخ معتبرہ سے ثابت ہے۔ اب مسلمان کے واسطے اس مبارک معجزہ کے متعلق کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمادیا ہے۔ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِہٖ یعنی جب تک ساری خواہشوں کو میری شریعت و قرآن شریف حدیث اور اجماع صحابہ) کے تابع نہ کردے مسلمان نہیں ہوتا۔ معراج کے ثبوت کے لیے مسلمانوں کو کسی دلیل اور برہان کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن چونکہ آج کل خام خیال اور اپنے دین سے پوری واقفیت نہ رکھنے والے لوگوں نے غیر مسلمین کی صحبت میں رہ کر ہر جگہ عقل کے گھوڑے دوڑانے شروع کر دیئے ہیں۔ اس لیے چند سطریں دلائل عقلیہ کی نظر کرتا ہوں۔ جبکہ ہم کسی ایک کتاب یا کسی قوم جماعت کے بیان کرنے پر کسی واقعہ کی تصدیق کر لیتے ہیں

تو پھر اس کی عقلاً کوئی وجہ نہیں کہ جس واقعۂ معراج کی قرآن شریف جیسی معتبر کتاب اور احادیث جیسے معتبر اخبار جن کے خبر دینے والوں کی صداقت اور سچائی پر سینکڑوں کتب اسماء الرجال شاہد ہیں اور ساڑھے تیرہ سو سال کے ہونے والے انگنت مسلمان بلکہ وہ غیر مسلم جنہوں نے اس معجزہ کو نہایت شد و مد کے ساتھ بیان کیا ہے اس واقعہ کا انکار کریں۔ اگر کسی معتبر مؤرخ یا معتبر کتاب یا کسی جماعت اور گروہ کا بیان کردہ کسی واقعہ کی تصدیق کی دلیل نہ مانا جائے۔ تو دنیا کے تمام علوم و فنون۔واقعات خبریں۔تواریخ سب کو غلط ماننا پڑے گا۔اور یہ بدیہی اور ظاہر بات ہے۔کہ ہر علم و فن واقع اور خبر کے معلوم کرنے کا ذریعہ صرف کتب یا کسی جماعت کا بیان ہی سمجھتے ہیں۔جس پر آج سارا عالم کاربند ہے۔ورنہ تاریخ۔جغرافیہ۔طب۔ریاضی۔منطق۔فلسفہ۔اقلیدس۔جوتش۔جفر۔رمل وغیرہ تمام علوم اور فنون جن کو ہر قوم۔ہر مذہب بلکہ ہر عقلمند انسان حاصل کرنا فخر سمجھتا ہے بالکل غلط بے بنیاد ماننے پڑیں گے کیونکہ ان سارے علموں کے ہم تک پہنچنے کا ذریعہ کتابیں یا ان فنون کے جاننے والے لوگ ہی ہیں اور ان مذکورہ علوم کو غلط مانتے ہوئے ان کے حاصل کرنے میں اپنی عمر اور مال خرچ کرنا نہایت بے عقلی ثابت ہوگا۔پس جس طرح ہم اور باتوں کو کتابوں یا جاننے والوں سے معلوم کر کے سچا سمجھ لیتے ہیں اسی طرح لازم ہے کہ واقعۂ معراج یا شق القمر وغیرہ معجزات کو بھی سچا جانیں چونکہ متعدد کتب اور انگنت لوگوں نے

ان کو بیان کیا ہے۔ ہم تو یہاں تک دیکھتے ہیں کہ اگر کسی سے باپ کا نام پوچھو تو وہ اس آدمی کا نام لیتا ہے جو اس کی پیدائش کے زمانہ میں اس کی ماں کا شوہر تھا حالانکہ اس کے باپ ہونے کی خبر صرف ایک ناقص العقل عورت ماں نے دی ہے۔ اب ناظرین انصاف فرمائیں کہ جب کہ ہر آدمی صرف ماں کے کہنے پر نہایت وثوق کے ساتھ ماں کے شوہر کو اپنا باپ مان لیتا ہے تو کیا اسے یہ زیبا ہے کہ جس واقعہ کی خبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے نبی اور ہادیٔ دنیا کے ہادی امین اور صادق لقب پانے والے اور قرآن کریم جیسی کتاب اور انگنت مسلمانوں نے دی ہو اس سے انکار ہو۔ یا کسی کے شک وشبہ کو راہ ملے۔ اب رہی یہ بات کہ انسان کا آسمان پر جانا اور اتنی جلدی واپس آنا۔ ہماری عقل میں نہیں آتا۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ہر واقعہ کی تصدیق اور تکذیب انسان کی عقل پر موقوف ہے۔ اگر ہے تو پھر کوئی واقعہ اور کوئی بات کوئی علم وفن قابل تسلیم نہیں۔ چونکہ ایسی کوئی بات نہیں جس کو ہر عقل تسلیم کرتی ہو۔ مثلاً مذہبی باتیں جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مُردوں کو زندہ کرنا۔ بیماروں کو صرف پھونک سے اچھا کر دینا۔ اور لوگوں کے گھروں کی چیزوں کا پتہ بتانا وغیرہ معجزات ہر انسان کی عقل میں نہیں آتے۔ تو کیا ان سے انکار کیا جائے۔ یا علم نجوم جو ستاروں کی گردش وسکون اور عالم اجسام پر ان کے اثرات بیان کرتا ہے۔ خود بخود ہر آدمی نہیں سمجھ سکتا۔ بلکہ

بہت سے لوگوں نے ان کی عقل میں نہ آنے کی وجہ سے ان سے انکار بھی کر دیا۔ علیٰ ہذا القیاس آپ کوئی مسئلہ لیجئے۔ ہر عقل بدیہی طور پر بغیر اس کے سمجھنے کی قابلیّت کے سمجھ نہیں سکتی تو ناسمجھ کے سمجھ نہ سکنے یا انکار پر ان مسائل کے وجود میں کسی قسم کا خلل واقع ہو سکتا ہے؟ خصوصاً اقلیدس۔ منطق۔ فلسفہ۔ جو تش یا نجوم۔ علم معدنیات جس کے جاننے والے بہت بڑا فائدہ حاصل کر رہے ہیں نہ جاننے والوں کی عقل میں نہیں آتے۔ تو جب یہ ثابت ہُوا کہ انسان کی عقل کسی موجود کے وجود کو بھی صحیح دریافت نہیں کر سکتی پھر عقل پر موجودات یا معلومات کی واقعیت کا دارومدار کس طرح ہو سکتا ہے؟ اور جب امر بدیہی ہے کہ ہر عقل ہر چیز کی سمجھ نہیں رکھتی۔ ایک آدمی ایک چیز کو ثابت کرتا یا مانتا ہے اور دوسرا آدمی انکار کر دیتا ہے اگر یہ کہیں کہ دونوں کی جانچ غلط ہے تو ماننا پڑے گا کہ نہ وہ چیز موجود اور نہ غیر موجود اور یہ ممکن نہیں کہ موجود اور غیر موجود کچھ نہ ہو لا محالہ ایک کی عقل کو غلط یا بے علم ماننا پڑے گا یا متنازعہ فیہ کو موجود یا غیر موجود ضرور مانیں گے۔ تو جس طرح دو آدمیوں میں ایک کی عقل سے غلطی یا نارسائی نہ ہونا ممکن ہے اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی بات کسی انسان کے نزدیک موجود یا ممکن ہو اور اکثر لوگوں کے نزدیک غیر موجود اور ناممکن ہو۔ جیسے پاکستان کی تشکیل علاّمہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مقررہ کردہ اصولوں پر یقینی تھی جس کے لیے انہوں نے نہایت پر زور اور مدلل بیانات دیئے۔ مگر سارا

ہندوستان غیر ممکن سمجھتا رہا لیکن جب ان کے طریقوں کا اثر ظاہر ہونے لگا تو کچھ آدمیوں کو باور کرنا پڑا ہاں اس طرح یقین نہیں ہوا جیسا کہ علامہ کو تھا اور نہ ہر آدمی ان کی طرح کوشش کرتا تھا۔ غرض یہ ہے کبھی کسی زمانہ میں تمام انسانوں کی عقلیں کسی ایک معیار پر جمع نہیں ہوئیں جس سے ثابت ہوا کہ کسی واقعہ کی اصلیت سے کماحقہٗ تمام عقلوں کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ جب چند آدمیوں کی عقل میں کسی واقعہ کا نہ آنا ممکن ہے تو کیا ممکن نہیں کہ بعض واقعات ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو کسی انسان کی عقل میں بھی نہ آئیں۔ جس چیز کا انفکاک یعنی جُدا ہونا جزو سے ممکن ہے اس کا کل سے بھی ممکن ہے۔ مثلاً یہ ممکن ہے کہ بدن کے کسی ایک جزو ہاتھ پاؤں وغیرہ سے حرکت سلب ہو جائے تو یہ بھی ممکن ہے کہ کل یعنی سارے بدن سے بھی حرکت سلب ہو جائیگی۔ جب کسی پیڑ کے ایک پھل کا پک کر گرنا ممکن ہے تو سارے پھلوں کا بھی ممکن ہے۔ جب انگیٹھی کے ایک کوئلے کا بجھنا ممکن ہے تو سارے کوئلوں کا بجھنا بھی ممکن ہے بلکہ منطق کا مسئلہ ہے کہ جو چیز جزو میں ہوتی ہے وہ کل میں ضرور ہوتی ہے ایک انسان میں بولنے کی صفت یا کھانے پینے سونے لیٹنے بیٹھنے وغیرہ صفتیں پائی جاتی ہیں تو سارے انسانوں میں بھی ہیں۔ یا ایک شکل مثلث جو تین خطوط یا لکیروں کا مجموعہ ہے آپ کے سامنے پیش کی جائے کہ ایک خط یعنی جزو چند حصوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے تو آپ کو یقین ہو جائے گا کہ ہر خط تقسیم کے قابل ہے۔ ان مثالوں سے یہ نتیجہ

نکلا کہ جب ایک عقل سے غلطی ہو سکتی ہے تو ساری عقلوں سے بھی غلطی کا امکان ہے۔ پھر بتائیے جن عقلوں سے خلاف واقعہ پر عمل کرنے کا امکان ہو۔ ان پر واقعات کی تصدیق کا دارومدار رکھنا گویا دُنیا کے تمام واقعات میں غلطی کا امکان پیدا کرنا ہے۔ اسی واسطے انبیاء نے بجز حکما۔ ڈاکٹر نے کسی واقعہ کے ہونے یا نہ ہونے کا دارومدار عقل پر نہیں رکھا بلکہ مشاہدات پر عمل کیا اور عقل بیچاری مشاہدات میں بھی غلطی کرتی ہے تو وہ معاملات جو عقل کے وہم و گمان میں بھی نہ آئے ہوں کیا جان سکتی ہے۔ کبھی اور کسی زمانہ میں خصوصاً مذہبی معاملات کا انحصار انسان کی مختلف الالوان متلون مزاج عقل پر نہیں رکھا گیا۔ حکیم کی تشخیص کا دارومدار مریض کی مرضی پر نہیں۔ نہ حاکم کے صدورِ حکم کا انحصار محکوم کی پسندیدگی پر ہے۔ مریض کا کام حکیم کے نسخہ پر عمل کرنا ہے نہ علل و اسباب کی بحث کرنا۔ سپاہی کا کام سرکار کے حکم کی تعمیل ہے نہ بحث و مباحثہ۔ رعایا کا فرض بادشاہ کی فرمانبرداری ہے نہ وجہ بات دریافت کرنا۔ کیونکہ مریض علم طب نہیں جانتا نہ ہر سپاہی مواقع سے آگاہ ہوتا ہے نہ ہر رعایا نے قانوندانی کی سند پائی ہے۔ اور آدمی غور و فکر بھی ان واقعات میں کر سکتا ہے جو اس کے مشاہدے میں آئے ہوں۔ جو ترقیات۔ تار برقی۔ بجلی۔ معلومات جدیدہ ہوائی جہاز اور چند دیگر آلات جو اس وقت موجود ہیں وہ ایک سو برس پہلے کے لوگوں کے خیال میں بھی نہ تھے اگر ہوتے تو وہ زمانہ بھی ایسا ہی ہوتا۔ آیندہ جو باتیں ہونے والی ہیں آج بالکل دماغوں میں نہیں ہیں۔

مشاہدات اور معلومات میں غور کرتے کرتے آدمی نے یہ کھیل کھیلے ہیں
مجہولات کا پتہ معلومات سے چلایا۔ کاش یہ انسان پورے طور سے اللہ پاک
کے وجود اس کی قدرت۔ قوت۔ طاقت۔ صفات کا یقین کامل کر لے اور
کماحقہ جان لے تو پھر اس کے کسی کام کو اپنی عقل کے سمجھنے کا محتاج نہ مانے
بلکہ ان کاموں کی حقیقت اور اصلیت اس پر بھی اچھی طرح واضح ہو جائے
جن کو آج یہ اپنی ذات پر قیاس کر کے غیر ممکن کہتا ہے۔ اگر آدمی نبیوں کے
مرتبہ اور ان کی ذات سے کماحقہ واقف ہو جائے تو پھر وہ معجزے جو اس
کی محدود عقل میں نہیں آتے خوب سمجھ لے جس طرح کہ خدا اور نبیوں کو
پہچاننے والوں نے سمجھا۔ اے انسان تیرے نزدیک یہ ممکن بلکہ ظاہر
ہے کہ تیری ذرا سی آنکھ کا نور پاؤ سیکنڈ میں لاکھوں کوس کی مسافت
طے کر کے آسمان تک پہنچ جاتا ہے اور تجھے یہ باور نہیں کہ اللہ تعالیٰ
کے نور سارے نبیوں کے نورِ نظر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانچ
منٹ میں سارے آسمانوں کی سیر کر آئے ہوں۔ اے انسان تیرا بنایا
ہوا اُڑن کھٹولا ہوائی جہاز ہوا کے اُوپر اڑتا پھرے یا تیرا بنایا ہوا گولہ
ذرا سی دیر میں سو میل جا پہنچے مگر کیا خدا کو تو اپنے برابر بھی نہیں سمجھتا کہ
اس کے بنائے ہوئے براق پر اس کے بلائے ہوئے مہمان اس کے
تیز رفتار فرشتہ جبرئیلؑ کے ساتھ سوار ہو کر آسمان پر پہنچنے سے انکار کرتا
ہے کیا تو نہیں دیکھتا کہ پانی کی ننھی ننھی بوندیں سورج کی کشش سے "آناً
فاناً" میں سینکڑوں کوس کا سفر طے کر کے زمین سے ہزاروں میل دُور جو بیٹے

ہوا پر بادل بن کر تمام دُنیا کو سیراب کرتی ہیں تو کیا اللہ پاک قادرِ مطلق کے بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا آسمانوں پر جا کر مخلوقِ خدا کے لیے بارانِ رحمت بن کر آنا تیرے نزدیک محال ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ چھوٹے چھوٹے ذرّے ہوا کے ساتھ آسمان پر جا کر تمام دُنیا کو تاریکی کی چادر میں چھپا لیتے ہیں۔ پھر تجھے اس میں کیا شبہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جیسے اشرف البشر خاتم الرسل نے جنّت کے براق پر اللہ کے مقرب فرشتہ کے ساتھ آسمان پر جا کر دُنیا پر نورانی چادر کے شامیانے تانے ہوں۔ جبکہ آدمی اپنے بنائے ہوئے جہاز پر سوار ہو کر قلیل مدت میں ساری دُنیا کی سیر کر آتا ہے تو اس میں کیا شبہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے بنائے براق تیز رفتار پر تھوڑے عرصہ میں تمام آسمانوں کی سیر کی ہو۔ اے انسان تیرے خیال کے گھوڑے تو آسمان کے بُرجوں ستاروں اور سیّاروں کی سیر کریں کہ تو علم نجوم کا عالم ہو اور اللہ کا بنایا ہوا آسمان پر رہنے والا براق اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام آسمانوں تک لے جائے تو انکار کرے تیری عقل تو آسمان پر جا پہنچے اور آسمانی براق آسمان پر نہ پہنچ سکے۔ تیری عقل پر افسوس صد افسوس۔ اے انسان تو خدا کی دی ہوئی قوت میں تو اتنی ترقی کر سکتا ہے کہ تو نے بجلی کی روشنی اور آدمی وغیرہ کی آواز اور اپنی خبروں کو فوراً تھوڑی دیر میں کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ کیا تیرے نزدیک خدا کی اتنی طاقت اور قدرت بھی نہیں

کہ وہ اپنے برگزیدہ نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کو ایک آن میں فلک الافلاک یا عرش معلّٰی تک پہنچائے۔ اے خاک کے پتلے بلے بس ماں کے ناپاک خونِ حیض سے بنے ہوئے فانی انسان تو اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہزاروں برس کی بدن سے نکلی روحوں کو اپنے پاس بُلا سکتا ہے اور تیرا اور تمام دُنیا کا خالق اور مالک خُدا محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم یا ان کے استقبال کے واسطے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسٰی علیہ السلام تک سارے نبیوں کو اپنے حکم سے اپنے پاس نہیں بُلا سکتا؟ حیف صد حیف کہ انسان کا بنایا ہُوا معمولی (طاقت والا) آئینہ ہر سامنے والی شے کو اپنے اندر لے آئے مگر خدائے تعالیٰ اگر اپنی لطافتِ ذاتی سے اپنے حبیبؐ اور دوسرے نبیوں کو اپنے بالکل قریب بُلالے تجھے تعجب یا شک ہو۔ اے بے خبر محدود انسان سوچ غور کر کہ تو آج اپنی بنائی ہوئی تصویروں کو ناچ نچاتا ہے تو پھر اگر اللہ تعالیٰ پاک اپنے برگزیدہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو آسمان پر بُلا کر معراج کی رات اپنی قدرت کاملہ کا تماشہ دکھائے تو تجھے تعجب کیوں ہوتا ہے۔ تو اپنے بنائے ہوئے آتشی آئینہ سے تمام دُنیا کو آن واحد میں دیکھ سکتا ہے تو کیا محال ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے خداداد قوت کے آئینہ میں آن واحد میں دوزخ جنت ملکوت جبروت لاہوت اور تمام چیزوں کا معائنہ کیا ہو تو اپنے بنائے ہوئے

مصالحوں سے مردہ جسموں کو برسوں رکھ سکتا ہے تو کیا یہ ممکن نہیں کہ تیرا پیدا کرنے والا خدا اپنی قدرت کے مصالحے سے اجساد انبیاء علیہ السلام کو زندہ رکھے تاکہ سب کے سب اس کے پیارے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آسمانوں پر حاضر ہو کر پُرتپاک خیر مقدم کریں۔ اے آدم زاد تو اپنی آواز ٹیلیفون کے ذریعہ لاکھوں کوس پہنچا سکے تو کیا یہ ممکن نہیں کہ تیرا بنانے والا خدا تعالیٰ اپنا کلام یا فرشتہ یا براق ایک پل میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا سکے۔ جب تو اپنی کوشش سے اپنی مرادوں کو حاصل کرنے کی قوت اپنے اندر محسوس کرنے لگا تو کیا یہ تعجب کی بات ہے کہ قادر مطلق نے اپنی خواہش اور ارادے سے نبیوں کے معجزوں اور ولیوں کی کرامات ظاہر کرنے میں کامیابی حاصل کی ہو۔ خبردار تو خدائے پاک کو اپنے سے زیادہ مجبور نہ سمجھ کیونکہ تیرا اندرونی قوت اُسی کا دیا ہوا ہے ماں کے پیٹ سے تو بالکل محتاج اور بے سمجھ پیدا ہوا تھا۔ اگر خدا بھی اپنے کاموں میں آدمی کی طرح اوزار وسیلوں کا محتاج ہو (نعوذ باللہ) تو پھر بندے اور خدا تعالیٰ میں کیا فرق ہو گا؟ یاد رکھ اور خوب یاد رکھ کہ خدا تعالےٰ کسی سبب کا محتاج نہیں ہے۔ بے باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اُسی نے پیدا کیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے دریائے نیل میں پختہ اور شفاف راستہ اسی نے تیار کیا تھا۔ آج کل بھی کہیں عورت کو مرد بناتا ہے۔ کہیں مرد کو عورت نیم کے درخت میں پیپل

پیدا کرتا ہے۔ کہیں آدمی کے بطن سے بندر بلی گراتا ہے کہیں پیٹ سے حاملہ بچیاں پیدا کرتا ہے۔ کہیں خون کا مینہ برساتا ہے۔ کہیں چھ ماہ دن کرتا ہے کہیں بوڑھوں کو جوان کرتا ہے۔ فقیر کو شاہ بناتا ہے۔ کہیں شاہ کو گدا بناتا ہے۔ کبھی دُمدار ستارہ نکالتا ہے۔ کہیں سانپوں سے بچوں کا دل بہلاتا ہے۔ کہیں شیر پر بکری کو سوار کرتا ہے۔ کہیں آدمی کو مگرمچھ بناتا ہے۔ کسی کو دن میں تارا دکھاتا ہے۔ کہیں کبوتر کے انڈے سے مرغی پیدا کرتا ہے۔ کہیں کیکر میں چنبیلی اُگاتا ہے۔ غرض یہ کہ مشاہدات کے خلاف عجیب وغریب بہت سی باتیں اس لیے ہوتی ہیں تاکہ تم اس کی قدرت کا تماشہ دیکھو۔ اور اس کے وجود کو اپنے وجود پر قیاس نہ کرو بلکہ دُنیا کے تبدل و تغیر۔ گردشِ لیل ونہار وغیرہ دیکھ کر اس کے نبیوں کے عجیب کاموں پر تعجب نہ کرو۔ نبیوں سے جتنے حالات ہیں وہ قدرت کی جانب سے ہیں۔ ان کے لیے صرف خدائے تعالےٰ ہی سبب ہے۔ مُسَبِّبْ کے ہو رہو۔ سببّوں کو چھوڑ دو۔ اپنی ناکارہ ضعیف عقلوں پر گھمنڈ نہ کرو۔ جو کچھ احکام نبیوں کے ذریعہ بتائے ظاہر کئے گئے۔ بے چون وچرا تسلیم کر کے اپنی سعادت مندی کا ثبوت دو۔ تم مجبُور ہو۔ خدائے تعالیٰ قادر ہے جو چاہے کرے۔ جو کام تم نے نہیں دیکھے ان سے انکار نہ کرو بلکہ واقفیت حاصل کرو کیونکہ تمہارا انکار تمہاری عدم قابلیّت کی دلیل ہے۔ ظرف مظروف کی برابر ہوتا ہے۔ تم محدود ہو۔ اللہ پاک غیر محدود ہے۔ تم مجبور ہو۔ اور وہ توانا

ہے۔ جبدے ہو تم اس کی بندگی کرو۔ اس کا ذکر کر کے گناہ کی گندگی دور کرو۔ ممکن ہو کر واجب نہ بنو۔ آدمیوں کی خبریں خرید خرید کر پڑھتے اور یقین کرتے ہو۔ اور خدائے تعالےٰ کی دی ہوئی خبروں کو مفت بھی نہیں پڑھتے اور نہ ان کو سچا سمجھتے ہو۔ سمجھ لو کہ یہ تمہاری عقلمندی ہے یا بے عقلی؟ جس زمانہ میں انسان کے بنائے راکٹوں کا سورج اور چاند تک جانا بھی ممکن مانا جاتا ہو تو کیا اس دور میں خالق و مالک کل کا اپنے برگزیدہ کو آسمانوں پر لے جانا اور سیر کرانا شک و شبہ کی اجازت دیتا ہے؟

معراج کا ثبوت، قرآن و حدیث سے

سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ بنی اسرائیل پ ۱۵ ا

یعنی تمام کمزوریوں اور شک و شبہ کی باتوں سے پاک ہے اللہ تعالےٰ جس نے اپنے بندے کو رات کے نہائیت قلیل حصہ میں سیر کرائی مکہ سے بیت المقدس تک وہ بیت المقدس کہ جس کو ہم نے بہت سی برکتیں بخشی ہیں تاکہ ہم اپنے بندے محمدؐ کو اپنی نشانیاں۔ عجائبات وغرائبات دکھائیں بیشک اللہ پاک سننے اور دیکھنے والا ہے۔ اللہ تعالےٰ کو علم تھا کہ جب نبی کریمؐ اس معجزہ معراج کو ظاہر کریں گے تو ابوجہل وغیرہ شریر لوگ اعتراض کریں گے کہ آدمی ذرا

سی مدت میں ایک ماہ کا راستہ کس طرح طے کر سکتا ہے۔ اس واسطے اللہ پاک نے فرمایا سُبْحَانَ الَّذِیْ پاک ہے ان کمزوریوں سے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو سیر کرائی۔ اگر یہ ہوتا کہ حضور نے خود بخود اتنی مسافت طے کی تو کفار اور منکرین کے لئے اعتراض کی گنجائش بھی ہو سکتی تھی مگر خود اس قدرت نے سیر کرائی ہے جو ایک آن میں جو چاہے کر دے چونکہ ابوجہل بھی خدائے تعالیٰ کو ہر شے پر قادر مطلق سمجھتا رہا اس واسطے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا ابوجہل کے اعتراض کا کافی جواب ہوا۔ اگر ابوجہل وغیرہ انصاف کی نظر سے دیکھتے تو اعتراض کی گنجائش نہ تھی مگر تعصب اور عناد کی عینک لگی ہوئی تھی۔ پھر صیغہ غائب کو ترک کر کے اس واقعہ کی نسبت متکلم کے صیغہ کو لا کر ظاہر کر دیا۔ فرمایا بَارَکْنَا حَوْلَہٗ یعنی ہم نے اطراف بیت المقدس کو تمام برکتیں عنایت فرمائیں۔ انبیاء علیہ السلام کا مرکز بنا دیا ہے تو ظاہر ہے کہ ہر چیز اپنے مرکز کی طرف رجوع کرتی ہے اور نبی کریمؐ کا اس مرکز انبیاء پر جانا بعید از عقل نہیں ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ ہم نے ملک شام جس میں بیت المقدس یعنی مسجد اقصیٰ واقع ہے اس کو اپنے نبی کریمؐ کے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا کہ باعث برکات ہو۔ لِنُرِیَہٗ اور ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں اس غرض سے لے گئے تاکہ ہم ان کو دکھائیں اپنی نشانیاں۔ یعنی تمام انبیاء علیہ السلام جو مر چکے تھے تاکہ نبی کریمؐ کو یقین کامل ہو جائے کہ ہم قیامت میں بھی مُردہ مخلوق کو اس طرح زندہ کر دیں گے۔ اور آپؐ کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ آپؐ تمام

مخلوق کے پیشوا ہیں چونکہ تمام نبیوں کا حضورؐ کو امام بنایا گیا اور یہ بھی ظاہر کرنا مدنظر تھا کہ آپ اپنا مرتبہ ملحوظ خاطر رکھیں اور اشاعت و تبلیغ کے کام میں سب نبیوں سے زیادہ کوشش کریں۔ عقلمند حاکموں کا قاعدہ ہے کہ جب کسی ملازم سے کوئی کام لینا چاہتے ہیں تو اس سے انعام کا اقرار کرتے ہیں۔ اور اس کے منصب کی اہمیت اس کو بتا دیتے ہیں۔ اسی طرح اللہ پاک نے سب نبیوں کا امام بنا کر اپنے پیارے نبیؐ کو ان کے مرتبہ سے آگاہ فرمایا تاکہ کفار و منکرین اور دیگر مخالفین سے تنگ آکر فرض منصبی اشاعت و تبلیغ میں کوتاہی نہ کریں بلکہ یقین رکھیں کہ وہ تمام نبیوں سے زیادہ اسلام کی اشاعت میں کامیاب ہوں گے اب لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا کے معنی بالکل صاف ہو گئے کہ تاکہ محمدؐ کو نشانیاں اور علامات دکھائیں جو ان کی بزرگی اور کامیابی کی دلیل ہوں۔ وہ تمام نبیوں کی سرداری پیشوائی ہے جو حضورؐ کو امام بنا کر عنایت ہوئی۔ پھر اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا کہہ کر یہ بھی بتاتا ہے کہ محمدؐ خود بیت المقدس اور آسمانوں پر نہیں گئے بلکہ ہم نے (کہ ہم ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں) چاہا کہ محمدؐ کو بیت المقدس اور آسمانوں پر لیجا کر اپنی نشانیاں دکھائیں اور ہر شخص جانتا ہے کہ اللہ پاک اپنے تمام ارادوں کو پورا کرنے پر قدرت تام رکھتا ہے۔ پھر تعجب کس طرح ہو سکتا ہے۔ بلکہ یہ ماننا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ نے خود حضورؐ کو اپنی خواہش اور ارادہ سے بلایا ہے پھر تو وہ

قادر ہے کہ جس طرح چاہے بلائے لیجائے اور اسرا کے معنی ہیں اپنے ساتھ سیر کرنے یا رات کو سیر کے لئے لیجانے کے تو یہاں یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ جیسے قادر مطلق اور مالک کل نے اپنے پیارے بندے کو سیر کرائی۔ تاکہ تمام آسمانوں، دوزخ اور جنّت کے حالات کی واقفیت میں لوگوں کو شک نہ رہے۔ اور یہ معلوم ہو جائے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کا بڑا مرتبہ ہے کہ خود خدا تعالےٰ نے اپنے ساتھ ساتھ اپنے آسمانوں جنت دوزخ اور تمام عجائبات کی سیر کرائی۔ جب کسی کا پیارا محبوب یا معزّز مہمان آتا ہے تو وہ اپنے مہمان کو اپنے ہمراہ باغ، باغیچول اور تفریح گاہوں، قابل دید مقامات کی سیر کرانا ضروری سمجھتا ہے تو بھلا خدائے پاک اپنے معزز مہمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کو اگر اپنے ملائکہ کی فوج کی معیّت میں سیر کرائے تو تعجب کی کون سی بات ہے۔ اور لِنُرِیَہٗ میں دونوں جمع متکلم کے صیغے اسی واسطے استعمال کئے گئے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ پاک نے اپنے تمام مقرب فرشتوں اور نبیوں کی معیّت میں اپنے مہمان کی خاطر تواضع کے طور پر سیر و تفریح کرائی۔ اگرچہ اسرا میں رات کے معنی موجود ہیں مگر اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً یعنی وہ نہ تاکیدی لفظ فرمایا تاکہ ثابت ہو کہ رات کے کسی تھوڑے سے ہی عرصہ میں معزز مہمان کے لئے تزک احتشام کے تمام طریقے استعمال کئے گئے اور وہ رات اور راتوں سے بہت

بزرگ ہے۔ اس حالت میں تنوین تعظیم ہو جائے گی تو گیلاگ کے لفظ سے بہت سی باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ پھر رات میں اس واسطے سیر کرائی کہ تمام فرشتے اپنے کاروبار ڈیوٹیوں سے فارغ ہو کر اس بزرگ مہمان کا شرف حاصل کر سکیں اور سورج کی تپش اور گرد و غبار سے آسمان پاک و صاف ہو جائے۔ جشن ستارگان سے مجلس استقبالیہ میں ایک دو بالا رونق ہو جائے۔ ضرورت تھی کہ اس نور ملیح کے لئے ملیح گرمی اور تیزی سے پاک روشنی ہو جانی چاہیئے اور اصل تو یہ ہے دنیا میں تمام نظر فریب۔ دل خوش کرنے والے کھیل تماشے زیادہ تر رات کو لطف دیتے ہیں تو پھر وہ تماشہ، وہ کرشمہ، وہ قدرت کے عجیب ناز و انداز جو نبی کریمؐ کے تفکرات کو دور کرنے کے لئے گئے تھے۔ رات کو کیوں نہ کئے جاتے۔ رات کی ٹھنڈی روشنی ہر چیز کے فروغ کا باعث ہوتی ہے۔ پھر خاص مراتب حاصل کرنے والوں کے لئے ایک نہایت مبارک خوشخبری ہے کہ دن کو اپنے کاموں میں معروف رہیں اور رات کو دل سے اپنے خدائے برتر کی عبادت میں مشغول ہوں اور یہ یقین رکھیں کہ جیسے اللہ پاک نے اپنے پیارے حبیبؐ کو اپنے کرم خاص سے اسی رات میں نوازا ہے۔ ہم کو بھی بارانِ رحمت سے سرفراز فرمائے گا۔ گوشہ نشینانِ یکتائی و بادہ پیمانِ سُبل وصل خدائی کو وصل و تقرب کا مژدہ رات ہے کہ رات ہی میں حضورؐ کو شرف تقرب حاصل ہوا۔ تمام

انکشافات کئے گئے۔ دن کو تھکے ماندے رات کو خلوت میں جلوت کا لطف اٹھائیں۔ اسی واسطے تہجد کی نماز اور پچھلی رات کی دعا کو مقبول فرمایا گیا۔ اگر یہ مقبولیت دن کو رکھی جاتی تو وہ لوگ جو دن کو کام کاج اور تلاشِ معاش میں مصروف رہتے ہیں۔ مراتب خاص سے محروم رہتے۔ رات کا پچھلا پہر جس میں آدمی اپنی تھکن دور کر کے تازہ دم ہو جاتا ہے۔ طبیعت میں اُمنگ دل میں خوشی ہوتی ہے۔ نہایت آسانی سے مراتب قُرب حاصل کر سکتا ہے۔ رات یکسوئی کا عالم ہے۔ اطمینان کا وقت ہے۔ دوست احباب کی مجالس کی رونق ہے۔ حُسن کا نکھار محبوب کے پیار۔ آرائش محفل اسرار کے لطف رات ہی کو ہوتے ہیں۔ اس واسطے رات اختیار کی گئی۔ پھر فرمایا۔ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ یعنی جو کچھ معراج کے متعلق حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم فرمائیں وہ سب درست ہے۔ کیونکہ اگر سچ نہ ہوتا تو خدا سننے والا اور دیکھنے والا ہے وہ اس کی تردید فرماتا یا یہ معنی کہ ابو جہل وغیرہ جو اس معجزہ کے بعد فریب کی باتیں کرتے ہیں اُن کو خدا سنتا ہے اور ان کی وہ بے عنوانیاں جو حضور اکرمؐ کے ساتھ کرتے ہیں۔ اللہ پاک جانتا ہے۔ جب معمولی حاکم کے سنتے ہوئے یا جانتے ہوئے آدمی گناہ اور جُرم نہیں کرتا تو یہ اشرار خدا کے سنتے اور جانتے ہوئے ایسا کس طرح کرتے ہیں۔ یا یہ مراد ہے کہ اے محمدؐ آپ ان مخالفوں کی باتوں اور ان کی دشمنی کا خوف نہ فرمائیں

ہم سنتے اور جانتے ہیں خود ان کا علاج کر دیں گے۔ اور آپ سے
جو سوالات کریں گے ہم سُن لیں گے اور آپ کے حالات کو
دیکھ کر ہم آپ کو جواب بتائیں گے۔ آپ مطمئن رہیں اور اسرا
بعبدہٖ میں عبد کا لفظ اس واسطے فرمایا گیا کہ لوگ حضرت عیسٰی علیہ
السلام کی طرح نبی کریمؐ کو خدا کا بیٹا نہ کہہ سکیں اور یہ یقین کر لیں کہ
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اگرچہ بڑے بڑے مراتب اللہ پاک
نے عطا فرمائے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے کامل ترین بندے اور
تمام دُنیا سے زیادہ ماننے اور خدمت کرنے والے محبوب ہیں
اور یہ بھی بتاتا ہے کہ ہر مالک اپنے حبیب کا کفیل اور تمام ضروریات
کا ذمہ دار ہوتا ہے تو ہم اپنے افضل ترین بندگان حضرت محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کے کفیل اور تمام ضروریات مہیا کرنے والے آقا ہیں تاکہ
کسی معجزے کے واقع کے انکار کا موقع کسی کو نہ ملے۔ گویا لفظ عبد
کہہ کر خدا تعالیٰ نے ثابت کر دیا کہ میرے پیارے نبیؐ سے جو
واقعات اور اعمال ہوں گے وہ میری رضامندی کا سبب ہونگے۔
اور میں ان کی تمام باتوں کا ذمہ دار ہوں۔ عبد کا لفظ بتاتا ہے معراج
مع جسم ہوئی چونکہ عبد روح اور جسم دونوں کو کہتے ہیں۔ اس آیت
سبحان الذی میں صرف مکہ سے مسجد اقصٰی تک جانے کا ذکر ہے۔
اور وہاں جاکر بُراق باندھنا اور تمام نبیوں کی امامت فرمانا بخاری
مسلم کی صحیح حدیثوں میں ہے اور یہاں بیت المقدس تک کا بیان اس واسطے

ہے تاکہ ابوجہل اور منکران معراج کو اطمینان کرانے کا موقع ملے اور صحت تام ہو جائے۔ جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے کہ جس وقت حضورؐ نے مکہ سے بیت المقدس جانے کی اور آسمانوں کی سیر کی خبر دی تو ابوجہل وغیرہ نے بیت المقدس کے نشانات اور پتے پوچھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے طور سے تمام نشانات اور ان قافلوں کے حالات بیان فرمائے جو بیت المقدس کی طرف گئے تھے۔ اس پر بہت سے لوگ مسلمان ہوئے اور ابوجہل جیسے شقی نہایت شرمندہ ہوئے۔ اگر صرف آسمانوں ہی پر جانے کا حال بیان ہوتا تو کسی کو آزمائش کا موقع نہ ملتا۔ چونکہ آسمانوں پر کوئی گیا ہی نہ تھا مگر بیت المقدس کو نبی کریمؐ کے سوا مکہ کے بہت سے لوگ بارہا جا چکے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ محمدؐ بیت المقدس کو کبھی نہیں گئے ہیں۔ اب آسمانوں کی سیر اور معراج کو سنئے۔ مکہ سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر اسریٰ کہتے ہیں۔ سورہ نجم پارہ ۲۷، رکوع ۴ میں ہے وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى یعنی چمکتے ستاروں کی قسم جبکہ وہ غروب ہوں یا بلند ہوں مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى یعنی تمہارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدھے راستہ سے نہیں ہٹے۔ نہ ٹیڑھے راستہ کی طرف مائل ہوئے بلکہ بالکل راہ راست اور سچائی پر ہیں۔ یعنی جو کچھ احکامات یا معراج کے متعلق کہتے ہیں وہ سب سچ ہے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى کیونکہ جو کچھ وہ کہتے ہیں اپنی طرف سے نہیں کہتے بلکہ ہم کہلواتے ہیں۔

إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى یعنی جو کچھ انہوں نے بیان کیا ہے وہ ان پر وحی کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ اس میں شک کی گنجائش نہیں ہے اور یہ قرآن پاک اور معراج کی تصدیق اللہ تعالیٰ یا اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبرائیل نے کی ہے۔ ذُوْ مِرَّةٍ یعنی جس کی رائے میں غلطی کا امکان بھی نہیں ہے فَاسْتَوٰى یعنی پس نبی کریمؐ ان تمام حکموں اور باتوں پر قائم رہے یا پورے طور سے وہ باتیں یاد رکھی ہیں وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى جس وقت کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کے اوپر کے کنارہ یا حصہ پر تھے۔ اس وقت یہ تمام باتیں اور واقعات ان کو اللہ پاک نے دکھائے۔ ثُمَّ دَنَا پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے قریب ہو گئے فَتَدَلّٰى پھر آپ اللہ پاک سے ملے۔ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى - پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور خدا تعالیٰ میں اتنا فاصلہ تھا جتنا کہ ایک کمان کے چلے کو دوسری کمان کے چلے سے ہو۔ جبکہ دونوں کمانوں کے چلے ملائے جائیں۔ فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى پس اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا جو فرمانا چاہا کہیں اس وقت کوئی سننے والا نہ تھا۔ خدا تعالیٰ اور محبوب خدا تھے مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دل اور آنکھیں اس کو بھول نہیں سکتیں۔ جو کچھ آپ کو دکھایا اور آپ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى کیا تم ہمارے نبیؐ سے اس بات پر لڑتے ہو جو انہوں نے دیکھکر

بیان کی یعنی خبرِ معراج وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی اور حالانکہ یہ تمام واقعات اور باتیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت دیکھی اور سُنی ہیں جبکہ دوسری دفعہ آپ اللہ تعالیٰ سے بالکل مل گئے تھے۔ یعنی اتنی قریب ہوئی باتوں میں شک کی گنجائش نہیں رہتی عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَہٰی یہ تمام باتیں سدرۃ المنتہیٰ کے قریب ہوئی ہیں جو ساتواں طبق آسمان پر ہے۔ جہاں تمام مخلوق کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور جہاں سے تقسیم رزق کا حکم نازل ہوتا ہے۔ عِنْدَہَا جَنَّۃُ الْمَاْوٰی اور اسی کے پاس وہ جنت ہے جس میں شہید اور متقیں رہتے ہیں۔ یعنی یہ تمام بزرگان بھی حضور انور کی تشریف آوری سے آگاہ ہیں اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی اور اس وقت سدرۃ المنتہیٰ اللہ تعالیٰ کے نور یا فرشتوں کے گروہوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی یعنی رسول اللہ کی نظر دل نے نہ اس میں کمی کی نہ زیادتی کی وہ بالکل صحیح صحیح واقعات ویسے ہی یاد رکھے لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی بے شبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ پاک کی بڑی بڑی نشانیوں کو دیکھا جس میں نبیوں کی ملاقات جنت و دوزخ اور تمام آسمانوں کی سیر شامل ہے اور یہ معجزہ صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیا گیا۔ چونکہ آپ خاتم الرسل اور تمام دنیا کے ہادی ہیں۔ آپ ہی کے معجزہ معراج کی برکت سے آسمانوں پر جانے کا راستہ کھل گیا۔ کہ امریکہ روس وغیرہ اپنے راکٹوں کے پہنچانے میں کوشاں ہیں۔ اور حضرت انس حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود سے

جو روایتیں بخاری مسلم دونوں میں آئی ہیں اس میں سینۂ اقدس کا پاک ہونا اور قلب مبارک کا دھلنا موجود ہے جو معراج جسمانی کی صریح دلیل ہے۔ اگر جسم کو آسمانوں پر لے جانا مقصود نہ تھا تو پھر دل کو صاف کرنے کی ضرورت کیا تھی۔ روح تو خود لطیف شے ہے وہ باسانی بغیر براق ہی کے آسمانوں پر جا سکتی تھی۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ خواب میں آپ کو یہ تمام باتیں دکھائی گئی ہیں تو قرآن کے خلاف ہوگا چونکہ اس میں صاف موجود ہے اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ اپنے بندے کو سیر کرائی۔ اور خواب میں سیر ہوتی تو عقل کے خلاف بالکل نہ تھا۔ کیونکہ خواب میں جو کچھ بھی ہو ممکن ہے۔ ابو جہل وغیرہ کا انکار کرنا اور دلائل طلب کرنا یہ بتاتا ہے کہ ان سے معراج جسمانی کے متعلق کہا گیا تھا جو ان کے تعجب کا سبب ہوا اور حضورؐ نے خود فرمایا ہے کہ جبرائیل مجھ کو براق پر سوار کر کے بیت المقدس آسمان دنیا اور دوسرے آسمانوں پر لے گئے۔ جب ساتویں آسمان پر پہنچے تو مقام خاص پر وہ نہ جا سکے اور یہ کہہ کر رُک گئے۔

؎ اگر ایک سر موئے برتر پرم ؛ فروغِ تجلّی بسوزد پرم

یعنی اگر بال بھر اور آگے اڑوں تو تجلّی میرے پروں کو جلا دے گی یہ تمام دلائل ہیں معراج جسمانی کے۔ اور اگر روحانی یا خواب میں معراج ہوتی تو حضور خود فرما دیتے۔ اب رہا یہ سوال کہ معراج کب اور کہاں سے ہوئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبوّت کے بارہویں سال ہوئی جب

آپ کی عمر شریف ۵۲ سال کی تھی، جب یہ معجزہ مبارک ظاہر ہوا اور رجب کا مہینہ ۲۷، تاریخ تھی۔ اسی بات کو زیادہ صحیح کہا ہے۔ معارج النبوت ص۱۱۳ پر اور تفسیر عزیزی کے ص۱۵۹ پر سورۂ نجم کی تفسیر میں شاہ عبد العزیز صاحب علیہ الرحمت نے بھی ۲۷، رجب ہی کو شب معراج ثابت کی ہے اور اس وقت رسول اللہؐ ام ہانی کے مکان واقعہ مکہ معظمہ میں تشریف رکھتے تھے جو حرم کے اندر تھا۔ تہجد کی نماز کا وقت تھا۔ حضرت جبرائیل حضرت میکائیل علیہما السلام دونوں مکان میں آئے اور حضورؐ کو براق پر سوار کر کے لے گئے۔ مکان کی چھت سے آنا، یا آسمانوں کا پھٹنا جڑنا انسانوں کے واسطے محال معلوم ہوتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی محال نہیں ہے۔ چونکہ وہ انسانوں سے بالاتر قوتیں رکھتا ہے۔ اور معراج میں جو جو واقعات ہوئے وہ اس چھوٹی سی کتاب میں نہیں آسکتے۔ اس کے واسطے مدارج النبوت، معارج النبوت یا میری کتاب تفصیل معراج دیکھئے۔ ان کتابوں میں آپ کو حکمتیں اور معراج کے نکات بخوبی معلوم ہوں گے۔ غرض یہ ہے کہ معراج کا معجزہ سچا ہے۔ عقلی اور نقلی دلائل موجود ہیں۔ سبحان اللہ۔ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم کو ایسے نبیؐ کی امت میں پیدا کیا۔ جنہوں نے خود فرمایا ہے رَاَیْتُ رَبِّیْ میں نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ ۲۷، رجب کی شب میں عبادت کرنا نہایت بہتر ہے۔ حضورؐ کے فضائل صحیح احادیث سے بیان ہوں تو باعث ثواب ہے مگر فرض واجب سنت سمجھ کر اس شب میں مجلس

کرنا غلط ہے۔ اور رسول اللہؐ کے فضائل جب بھی بیان ہوں ثواب ہے۔ فرض و واجب اللہ تعالیٰ یا حضور اکرمؐ کے ارشاد ہی سے ہوتا ہے۔

تحفۂ معراج:- ہر بادشاہ، صدرِ مملکت اپنے معزز مہمان کو اپنے ملک کے عجائبات دکھا کر مہمان کی رخصتی کے وقت اپنے یہاں کے سوغات تحفے بھی پیش کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ قادرِ مطلق اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے خاص الخاص محبوب ترین کو نہایت پسندیدہ تحفہ عنایت فرمایا۔ چونکہ اس علّام الغیوب نے اپنے حبیبؐ کی دلی تمنّا کہ میری امّت بھی شرفِ معراج سے محروم نہ رہے۔ جان لی تھی۔ نمازِ پنجاہ کا تحفہ پیش کیا۔ حضورؐ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے اپنی امّت میں پچاس وقت کا روزانہ کا تحمّل نہ پاکر تخفیف کا مطالبہ کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا بہت خوب اگر آپ کی امّت پچاس وقت شرفِ معراج کے حصول سے قاصر ہے تو ہم تو قادرِ مطلق ہیں۔ پانچ وقت کی نماز ادا کر لے پر بھی پچاس بلکہ اس سے بھی زیادہ کا ثواب دیتے رہیں گے۔ سُبحان اللہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے فرمایا اَلصَّلٰوۃُ قُرَّۃُ عَیْنِی یعنی نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور فرمایا الصلوٰۃ معراج المومنین نماز مومنوں کی پنجوقتہ معراج ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بار بار نماز کا حکم فرمایا ہے اور نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا بھی تاکہ اس نماز کے شکریہ میں مومنین اللہ تعالیٰ کے حاجتمند بندوں کو زکوٰۃ کے ذریعے نفع پہنچاتے رہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی

میں کامل العیار ہو کر حضور اکرمؐ رحمتہ اللعالمینؐ کے دامن رحمت سے وابستہ رہیں۔ مساوات کی تعلیم دینے والوں کا اوّلین فرض ہے کہ وہ پانچ وقت مساجد میں جاکر اپنے بھائیوں کے ساتھ شرف معراج حاصل کریں۔ اور اپنی اخوت۔ مروت اور مساوات اسلامی کا ثبوت دیں۔ نماز ہی مساوات و یکجہتی کا بیّن ثبوت ہے ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

معراج کیوں ہوئی؟

بعض لوگ معراج شریف کو بھی ایک معجزہ یا صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل سمجھتے ہیں۔ اگرچہ یہ بھی ایک وجہ ہو سکتی ہے لیکن حقیقت میں معراج شریف حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پیدائشی تقاضے اور خداداد اس منصب اور مرتبہ عالیہ کے لوازمات میں سے ہے جو آپ کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے نور گرامی کی تخلیق کے وقت ہی عطا فرما دیا تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک سارے کے سارے نبی امی کی خوشخبری۔ بشارت اور مبارکبادی کے لیے تشریف لاتے رہے آپ اس مضمون کو غور اور فکر اور تعصب اور عناد کے جراثیم خبیثہ سے ذہن کو پاک و صاف کر کے پڑھیے۔ حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام نے اپنے تمام ساتھیوں سے کہا کہ اب میں نے اس کے ہونے سے پہلے کہہ دیا ہے تاکہ جب

ہو جائے تو تم یقین کرو (ایمان لے آؤ) اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے۔ اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں (انجیل۔ یوحنا باب ۱۴ آیت ۲۹۔۳۰۔ مطبوعہ انارکلی بائبل سوسائٹی لاہور) انجیل یوحنا کی اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت مسیح ؑ نے اپنے بعد آنے والے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا کا سردار مان کر ان پر ایمان لانے کی تاکید فرمائی۔ اور چونکہ عیسائیوں اور اس مجمع کے حاضرین میں سے حضرت عیسیٰ ؑ کے دوبارہ آنے کے بھی معتقد تھے اس لیے آپ نے وضاحت فرمادی کہ وہ دنیا کا سردار جو آنے والا ہے وہ میں نہیں ہوں بلکہ مجھ میں اُس کا کچھ نہیں۔ یعنی نہ تو جسمانی عنصر ہے اور نہ روحانی۔ وہ مجھ سے بالکل جدا ہیں۔ پھر یہ بھی اشارہ ہے کہ وہ نبی اسرائیل بھی نہیں ہوں گے کیونکہ اسرائیلی اگر ہوتے تو کلی مغائرت نہ ہوتی۔ آپ کو معلوم ہے کہ دنیا صرف زمین کو ہی نہیں کہتے بلکہ دُنیا میں آسمان و زمین دونوں اور ان کے اندر جتنی چیزیں ہیں سب کو دنیا یا عالم کہا جاتا ہے۔ اصلی حقیقتِ عالم تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں آپ ہی کے نورِ اقدس سے تمام کائنات زمین۔ آسمان فرشتے انبیاء عرش کرسی یعنی تمام کی تمام مخلوق عالم وجود میں آئی۔ اور نبیوں نے جو معجزات ظاہر فرمائے وہ صرف اس لیے تھے کہ ان کی وہ ہدایتیں جن میں حضور اکرم ؐ کی تشریف آوری اور آپ پر ایمان لانے کی تاکید یں ہیں مان لی جائیں۔ حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے

اس کا بیان ایک شعر میں کر دیا ہے۔ ؎

تو اصل وجود آمدی از نخست
دگر ہر چہ موجود شد فرع تست

انجیل میں آسمانی بادشاہت کی بھی بشارتیں موجود ہیں وہ بھی حضور اکرمؐ کی معراج ہی کے متعلق ہیں کیونکہ صرف آپ ہی آسمانوں پر تشریف لے گئے اور آپ نے تمام آسمانی چیزوں کا مشاہدہ فرمایا۔ اور پھر چاند کے دو ٹکڑے کر کے بھی دکھا دیا کہ دیکھو میری انگلی کے اشارہ پر آسمان کی چیزیں بھی فرماں برداری کا ثبوت دیتی ہیں۔ سورج اور دوسرے ستارے اور سیارے بھی حضور اکرمؐ کے محکوم ہو کر آپ کی آسمانی حکومت و بادشاہت کا بین ثبوت دیتے رہے۔ اب حضور اکرمؐ کی آسمانی بادشاہت۔ اور خدائی بادشاہت کی خوشخبریاں بھی انجیل سے پیش کی جاتی ہیں۔ لیکن چونکہ بہت سے نادان لوگ ان بادشاہتوں سے حضرت مسیحؑ کی بادشاہت سمجھتے ہیں۔ اس لیے ہم حضرت مسیح علیہ السلام کے وہ جملے بھی پیش کرتے ہیں جن میں آپ نے صاف فرمادیا ہے کہ میرے پاس حکومت اور بادشاہت نہیں ہے۔ دیکھئے یوحنا کی انجیل باب ۱۸ آیت ۳۶ یسوع نے کہا کہ میری بادشاہی اس دنیا کی نہیں۔ اگر میری بادشاہی دنیا کی ہوتی تو میرے خادم لڑتے تاکہ میں یہودیوں کے حوالہ نہ کیا جاؤں۔

خاتم النبیین حضرت محمدؐ کی خاندانی بادشاہت ؛- یہ تو بائبل

کے جاننے والوں کو معلوم ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیارے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ مصر کے جلیل القدر بادشاہ کی نورِ نظر تھیں جن کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نکاح میں دے دیا تھا۔ تو گویا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ننھیال والے شہنشاہ تھے اور حضرت ہاجرہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سب سے پہلی بی بی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مکالمہ کا شرف عطا فرمایا اور ان کے منے سے بچے حضرت اسماعیلؑ کی طرف نظرِ رحمت سے متوجہ ہوا۔ کتاب پیدائش کے باب ۱۶ کی آیت ۱۱ میں ہے کہ اور خداوند کے فرشتے نے اُس (ہاجرہ) سے کہا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تیری اولاد کو بہت بڑھاؤنگا۔ یہاں تک کہ کثرت کے سبب اس کا شمار نہ ہوگا۔ اور خداوند کے فرشتہ نے اُس سے کہا کہ تو حاملہ ہے اور تیرے بیٹا ہوگا۔ اس کا نام اسماعیل رکھنا۔ اس لیے کہ خداوند نے تیرا دُکھ سُن لیا (ساری نے حضرت ہاجرہ کو جلن۔ سوتن ڈاہ کی وجہ سے نکال دیا تھا) وہ اسماعیلؑ گورخر کی طرح آزاد مرد ہوگا۔ اس کا ہاتھ سب کے خلاف اور سب کے ہاتھ اس کے خلاف ہوں گے اور وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسا رہے گا (یعنی کسی کی مخالفت اس کو نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔ آباد شاد و خرم رہے گا) ہاجرہ نے خداوند کا جس نے اس سے باتیں کیں اتائیل روئی نام رکھا۔ یعنی اے خدا تو بصیر ہے کیونکہ

اس نے کہا کیونکہ اُس (ہاجرہ) نے کہا کیا میں نے یہاں بھی اپنے دیکھنے والے کو جاتے ہوئے دیکھا (اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے خدائے قدوس کی تجلّی سے شرف حاصل کیا۔ یہ وہی تجلی تھی جس کے طلب کرنے پر بھی حضرت موسیٰؑ تاب دیدار نہ لا سکے اور غش کھا کر گر پڑے مگر یہ صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دادی ہی کی قابلیتِ دیدار اور تاب مشاہدہ تھی کہ تجلّیِ الٰہی کا دل بھر کر مشاہدہ کیا۔ حضرت موسیٰؑ حضرت سارئی کے بیٹے حضرت اسحاقؑ و یعقوبؑ کی اولاد میں تھے جن کو اسرائیل کا خطاب ملا تھا۔ پیدائش باب ۱۶ از آیت ۱ تا آیت ۱۴ پھر اسی باب ۱۶ کی آیت ۱۵ کے یہ الفاظ بھی پڑھئے۔ اور ابراہیمؑ کے ہاجرہ سے ایک بیٹا ہوا۔ اور ابراہیمؑ نے اپنے اس بیٹے کا نام جو ہاجرہ سے پیدا ہوا اسماعیل رکھا اور جب ابرام سے ہاجرہ کے اسماعیل پیدا ہوا تب ابرام (ابراہیم) چھیاسی برس کا تھا۔ یہ بات بھی علم کے اضافہ کی ہے کہ حضرت سارئی۔ حضرت اسحاق کی والدہ حضرت ابراہیمؑ کی سوتیلی بہن یعنی تارح بُت گر کی بیٹی تھیں۔ دیکھئے کتاب پیدائش باب ۲۰ آیت ۱۲ حضرت ابراہیمؑ نے کہا فی الحقیقت وہ (سارئی) میری بہن بھی ہے کیونکہ وہ میرے باپ کی بیٹی ہے (اس شریعت میں سوتیلی بہن سے شادی جائز تھی)

حضرت اسماعیلؑ کی فضیلت:۔ موجودہ بائیبل کی کتاب پیدائش کے باب ۲۱ کی آیت ۱۴ سے یوں

شروع ہوتا ہے کہ ابرہام (ابراہیم) صبح سویرے اٹھ کر روٹی اور پانی کی ایک مشک لی اور اسے ہاجرہ کو دیا بلکہ اسے اس (ہاجرہ) کے کندھے پر دھر دیا اور لڑکے کو بھی اس کے حوالے کر کے اسے رخصت کر دیا۔ سو وہ چلی گئی۔ اور بیرسبع کے میدان میں آوارہ پھرنے لگی اور جب مشک کا پانی ختم ہو گیا تو اس نے اس لڑکے (اسمٰعیل) کو ایک جھاڑی کے نیچے ڈال دیا اور آپ اس کے مقابل ایک تیر کے ٹپے پر دور جا بیٹھی اور کہنے لگی کہ میں اس لڑکے کا مرنا تو نہ دیکھوں۔ سو وہ اس کے مقابل بیٹھ گئی۔ اور چلا چلا کر رونے لگی اور خدا نے اس لڑکے (اسمٰعیل علیہ السلام) کی آواز سُنی۔ اور خدا کے فرشتے نے ہاجرہ کو آسمان سے پکارا اور اس سے کہا اے ہاجرہ! تجھ کو کیا ہوا؟ مت ڈر کیونکہ خدا نے اس جگہ سے جہاں لڑکا پڑا ہے اس کی آواز سُن لی ہے۔ اٹھ اور لڑکے کو اٹھا اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کیونکہ میں اس کو بڑی قوم بناؤں گا (گویا یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے خطاب فرمایا) پھر خدا نے اس کی آنکھیں کھولیں اور اس نے پانی کا ایک کنواں دیکھا اور جا کر مشک کو پانی سے بھر لیا اور لڑکے کو پلایا اور خدا اس لڑکے (اسمٰعیل) کے ساتھ تھا۔ اور وہ بڑا ہوا اور بیابان میں رہنے لگا اور تیر انداز بنا۔ اور وہ فاران کے بیابان میں رہتا تھا۔ (یعنی انہیں کے طفیل شہر مکہ مکرمہ اسی جگہ آباد ہوا جو تمام دنیا میں مقدس ترین ہے۔) اور اس کی ماں نے مصر سے اس کے لیے بیوی لی آیت ۲۱ تک کی عبارت ختم ہوئی۔

غورطلب نکتہ یہ ہے کہ اسلامی مبارک مقامات کے علاوہ موجودہ بائیبل کے عقیدہ اور نظریہ اور بیانات میں

حضرت سائرہ یعنی حضرت اسحاقؑ کی والدہ کے متعلق اس قدر ظالمانہ کردار کا بیان ہے کہ جس کی بنا پر ہیں نے کئی پادریوں کی زبان سے اقرار کرایا ہے کہ بائبل سے حضرت آدمؑ کی بیٹیوں یعنی انسانی عورتوں میں سائرہ سے زیادہ ظالم سفاک اور نافرمانِ خداوندی کی خلاف ورزی کرنے والی آج تک کوئی عورت بھی نہیں گذری۔ مگر ہمارے خاتم الانبیاء کی دادی جان حضرت ہاجرہ علیہا السّلام کے فضائل سے تو موجودہ بائبل بھی بھری پڑی ہے۔ یہ بھی ہم مسلمانانِ عالم کے لیے بہت ہی فخر کی چیز اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور برتری کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ننھیال بھی شاہی اور پھر شاہی خاندان ہی کی زوجہ مکرمہ شاہ زادی تھیں۔ موجودہ بائبل میں متعدد مقامات پر ہے کہ حضرت یعقوبؑ اور ان کی اولاد اسرائیلیوں پر جب کبھی مصیبتیں آئیں تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے سسرال والوں نے اُن اسرائیلیوں کی مدد کی اور ان کی تکلیفیں دور کیں۔ یہاں تک کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے فرزند ارجمند حضرت یوسف علیہ السلام کو بادشاہت تک دے دی یہ تھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خاندانی بادشاہت اور ابھی آگے بھی تو دیکھئے کہ موجودہ بائبل میں سردارِ دو جہاںؐ کے خاندان کی مسلسل حکومت کا ذکر مبارک اس طرح پر ہے۔

بائبل میں حضرت اسمٰعیلؑ کا نسب نامہ

کتاب پیدائش کے ۲۵ کی آیت ۱۲ سے یوں شروع ہے کہ اسمٰعیلؑ

کے بیٹوں کے نام یہ ہیں ۔ یہ نام ترتیب وار ان کی پیدائش کے مطابق ہیں ۔
اسماعیل علیہ السلام کا پہلوٹھا بیٹا نبایوت تھا پھر قیدار اور ادبئیل اور مبسام اور مشماع
دومہ ، مسّا ۔ حدد اور تیما اور یطور اور نفیس اور قدمہ یہ اسماعیل کے
بیٹے ہیں ۔ اور ان ہی کے ناموں سے ان کی بستیاں اور چھاؤنیاں نامزد
ہوئیں اور یہی بارہ اپنے اپنے قبیلہ کے سردار ہوئے اور اسمٰعیل علیہ السلام کی
عمر ۱۳۷ برس کی ہوئی تب اس نے دم چھوڑ دیا وفات پائی ۔ اپنے لوگوں
سے جا ملا اور اس کی اولاد حویلہ اور شور تک جو مصر کے سامنے اس راستہ پہ
ہے جس سے اسیر کو جاتے ہیں آباد تھی یہ لوگ اپنے سب بھائیوں کے سامنے
بسے ہوئے تھے ۔ (پیدائش باب ۲۵ از آیت ۱۲ تا آیت ۱۸) یہ تو عیسائیوں
کی کتاب سے حضرت ہاجرہ شہزادیٔ مصر اور ان کے اکلوتے اور حضرت ابراہیم
علیہ السلام کے پہلوٹھے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام یعنی خاتم الانبیاء صلی اللہ
علیہ وسلم کے خاندان کی سرداری اور فوقیت اور باہمی اتفاق و اتحاد کا آسمانی
یعنی خدائی بیان تھا اب ذرا حضرت سائرہ (سارہؑ) جنہوں نے حضرت ہاجرہ
علیہا السلام اور ان کے ننھے سے نورِ نظر پر ظلم و ستم ڈھایا تھا ۔ اب ذرا ان کی نسل کا
بھی حال پڑھ لیجئے ۔ اسی کتاب پیدائش کے باب ۲۵ ہی کی آیت ۱۹ سے حضرت
اسحاق (اسحاق علیہ السلام) کا نسب نامہ ہے ۔ اور یوں ہے کہ اضحاق نے
اپنی بیوی کے لیے دعا کی کیونکہ وہ بانجھ تھی ۔ اور خداوند نے اس کی (اضحاق
کی) دعا قبول کی اور اس کی بیوی رفقہ حاملہ ہوئی ۔ یہ وہی رفقہ ہیں کہ جنہوں نے
حضرت اضحاق خدائے تعالیٰ کے نبی کی بیوی ہوتے ہوئے بھی اپنی تفضیلیوں

ہیں بت رکھے تھے اور چھپ کر ان کی پوجا کرتی تھیں۔ جب حضرت اسحاق علیہ السلام کا قافلہ خانہ کعبہ کے قریب پہنچا اور بڑی سخت تکلیف کا سامنا ہوا یعنی کھانے پانی کی قلت ہو گئی اور راستہ بہت ہی دشوار گزار آیا تو حضرت اسحاق علیہ السلام نے اپنے قافلے والوں کی تلاشی لی تم میں کوئی بُت پرست ہے جس کی وجہ سے یعنی جس کی نحوست سے ہم مصیبت میں گرفتار ہیں۔ تو ربقہ کے سامان میں تھیلیوں میں سے بت نکلے خانہ کعبہ یعنی خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کے شہر مکہ کے قریب ان بتوں کو پھینکا گیا پھر انہیں مکہ معظمہ میں ان کو داخل ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ سب باتیں میں نے اپنی بڑی کتاب میں مفصل لکھی ہیں جس کا نام ہے انجیل محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے فضائل سے بھری ہے یہ کتاب زیر طبع ہے رخیر ربقہ حاملہ ہوئیں اور ان کے پیٹ میں دو لڑکے آپس میں مزاحمت کرنے لگے۔ یعنی پیٹ ہی میں لڑنے لگے (جس سے ربقہ کو درد سے بڑی تکلیف ہوتی) تب اس (ربقہ) نے کہا کہ اگر ایسا ہی ہے (کہ میرے پیٹ میں ہی دونوں بچے آپس میں لڑتے بھڑتے اور بغاوت کے جذبات سے پُر ہیں) تو میں جیتی کیوں رہی؟ وہ خداوند سے پوچھنے گئی خداوند نے کہا (یہاں خداوند سے مراد حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں (کیونکہ خدائے تعالی بت پرستوں سے کلام نہیں فرماتا) دو قومیں تیرے پیٹ میں ہیں دو قبیلے تیرے پیٹ سے نکلتے ہی الگ الگ ہو جائیں گے اور ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ سے زور آور ہوگا تا آیت بائبل (کتاب پیدائش باب ۲۵ آیت ۲۲ سے ۲۳ تک)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ خاندانی بادشاہ اور دنیا میں

اتفاق و اتحاد کے داعی اور خدائے تعالیٰ کے دشمنوں سے جہاد کرنے والوں کے سردار تھے کہ ان کے خادموں کے فتح و ظفر کے مبارک کارناموں کی بجا طور پر فخر سے تاریخیں نشر و اشاعت کرتی ہیں اور قیامت تک کرتی رہیں گی۔

مسلمانوں کے لیے خدائی مژدہ

برادرانِ اسلام آپ نے پڑھ لیا ہے کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور ان کے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو خدائے تعالیٰ نے یہ خوشخبری اور مژدہ جان فزا عطا فرمایا کہ میں تمہاری اولاد کو اتنا بڑھاؤں گا کہ کثرت کے سبب ان کا شمار نہ ہو گا۔ اس عبارت سے بالکل صاف طور سے ظاہر ہو رہا ہے کہ کثرتِ اولاد اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت پسند بلکہ نعمت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد کو بڑھایا اور اکثر کو سرداریاں بھی دیں چنانچہ سردارِ دو جہان خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسمٰعیل قریش کے قبیلہ میں پیدا ہوئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ والے اجداد امجاد بھی سرداران مکہ معظمہ ہی تھے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی چند بار فرمایا کہ اے مسلمانوں میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔ اسی کی خاطر قرآن کریم میں ان سچے اور انصاف پسند عدل گستر مسلمانوں کو چار بیویاں ایک ساتھ رکھنے کی اجازت دی گئی جو سب کے حقوقِ زوجیت مساوی طریق سے ادا کر سکتے ہیں۔ پاکستان بنا مگر چونکہ ہندوستان میں مسلمانوں کی اقلیت تھی اسلئے مسلمانوں کو انڈیا کے بہت تھوڑے سے صوبے یا علاقے ملے اگر ہندوستان میں مسلمان زیادہ ہوتے تو یقیناً ان کو زیادہ صوبے نصیب ہوتے۔ آپ تمام

پاکستانیوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ۱۹۶۵ء میں ہندوؤں کی ماتا بھارت نے پاکستان پہ اپنے نہایت ہی بل۔ جرتھا بسور ماؤں کے ذریعے اچانک حملے کیے مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے پاکستانی مسلمان اقلیت میں ہوتے ہوئے بھی صرف قوتِ ایمانی یا اتحادِ اسلامی کی برکت سے غالب رہے اور بھارت بچاری اور اس کے تمام یار دوست امریکہ وغیرہ کو معافی مانگنے اور لڑائی بند کرنے کی درخواست کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ یہ تو ہر عقل مند مسلمان کا ایمان ہے کہ کافر و مشرک خصوصاً "بھارت اور اس کے چاہنے والے مرتد دوست چاہتے ہیں کہ بھارت پھر سے مسلمانوں کی لونڈی نہ بنے۔ ان کے نزدیک ان کی صرف یہی صورت ہو سکتی ہے کہ مسلمانوں کی پیدائش کے دروازوں پہ تالے ڈال دئیے جائیں اس لیئے امریکہ نے خاص توجہ اور تندھی سے پاکستان میں خاندانی منصوبہ بندی کا جال پھیلایا ہے اور اس کے لیے وہ دوائیں اور بندش پیدائش اور السند اونسل پاکستان کے لیئے بہت روپیہ خرچ کر رہا ہے۔

۱۹۶۵ء میں جب ہمارے صدر یحیٰی تندر نے اپنے جوانانِ پاکستان کی بہادری اور شجاعت پر متعدد تقاریر کیں اور یہاں تک کہا کہ ہمارا پاکستانی نوجوان اپنے سے چوگنا دشمن پہ فتح یاب ہو گیا تو اسی دن میں نے صدر کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا اور اس میں ان سے استفسار کیا کہ جس پاکستان کے نوجوان میں اپنے سے چوگنا دشمن پہ فتح یاب ہونے کے جذبات اور قوتیں ودیعت ہیں کیا اس کی پیدائش پہ تالے ڈالنا قرین عقل ہے؟ ہم نے سنا ہے کہ مجھ جیسے غریبوں اور گمناموں کے خطوط صدر کی خدمت میں نہیں پہنچنے دیے جاتے

پی۔ اے یا سیکرٹری حضرات ردی کی ٹوکری میں ڈال دیتے ہیں۔ اگر واقعی یہی خیانت جاری اور ساری ہے تو پھر صدر کے عدل و انصاف سے ملک کو فیض یاب ہوتے رہنا بھی ناممکن ہے۔ اب میں پھر یہ عرض کرتا ہوں کہ خاندانی منصوبہ بندی یعنی بچہ کے مرنے کے خوف سے امتِ محمدیؐ کی افزائش کو روکنا اللہ تعالےٰ کی صفتِ رزاقیت پہ بہت بڑا حملہ ہے کہ وہ خدائے تعالےٰ پیدا کرنے میں تو بڑی سخاوت کا مظاہرہ فرماتا ہے کہ روزانہ کروڑہا نفوس کو عدم سے وجود میں لے آتا ہے مگر رزاقیت میں اس قدر کمزور ہے کہ رزق نہیں دیتا (نعوذ باللہ من ذالک) بجائیکہ خدائے تعالےٰ کی ذات کی طرح اس کی صفات بھی کاملہ ہیں۔ چین تو پاکستان کا قریبی دوست ہے۔ وہاں تو پیدائش کے ساتھ رزق کا بھی پورا انتظام فرماتا ہے مگر پاکستان جو خدائے تعالےٰ کے وجود کا مقر اور اس کے تمام ارشادات پر ایمان لانے والا ہے اس میں رزق تقسیم کرنے میں فراخ دلی کا برتاؤ نہیں کرتا حالانکہ اس نے قرآن کریم میں خود فرمایا کہ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ۔

یعنی اپنی اولاد کو بھوک کے ڈر سے نہ مارو

نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ۔ یعنی میں تمہارا رازق بھی ہوں اور ان کا بھی

بعض لوگ کہتے ہیں مارنا قتل کرنا حرام ہے تو ان پیدا ہونے والوں کے لئے علق کو مارنا جو بڑھ کر مضغہ بننے والے بچے ختم کر دینا بھی پیدائش یا وجود کو ختم کرنا ہے۔ وہاں اگر حمل سے حاملہ کی ہلاکت کا خطرہ یا کافرہ سے پیدا ہو کر کفر کا ڈر ہو تو عزل کرنا جائز ہے اور اگر موجودہ خاندانی منصوبے

کے بخت خوراک اور روزی کی نایابی کے خوف سے روکا جاتا ہے تو قرآن کریم کے بالکل خلاف ہے اور اللہ تعالیٰ کی اس منشاء اور خوش خبری کو غلط ثابت کرنے کی بدترین کوشش ہے جو اپنے خلیل حضرت ابراہیم اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہما السلام اور خود خاندان اسماعیل کے شمس الضحیٰ بدر الدجیٰ تمام زمین و آسمان کے سردار خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کی بدترین توہین ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ میں مسلمانوں کی کثرت پر فخر کروں گا۔ گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی تمنا اور روحانی آرزو کو پامال کرنا ہے۔ میں ان خاندانی منصوبہ بندی کے مدعیوں کی عقل و سمجھ پر حیران ہوں کہ یہ لوگ سیاست دانی کے بڑے دعوؤں کے باوجود مسلمانوں کی آنلیبلن کے درپے ہیں جب کہ اس دنیا میں اکثریت ہی پر حکومتوں کا دارو مدار ہے وہ قومیں جن کو ذلت و حقارت کے گڑھے میں پڑے ہوئے مدتیں گزریں تھیں۔ وہ آج اپنی اکثریت کی کوشش کرتی ہیں۔ غالباً ستمبر ۱۹۶۸ء ہی کے کسی اخبار میں میں نے پڑھا تھا کہ یہودی کثرت اولاد کی کوشش کرتے ہیں اور اسلام کی صداقت یا مسلمانوں کی مردانگی کے صدقے میں جو یہودی لڑکیاں مسلمانوں سے شادیاں کرتی چلی جاتی ہیں ان کو ان سے روکنے کی بڑی جدوجہد صرف اس لیے جاری ہے کہ مسلمان زیادہ ہوجائیں گے تو ہماری خیر نہیں۔ یہ تو میں مانتا ہوں کہ آج کل کے اکثر و بیشتر مسلمان یعنی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار کہلانے والے انگریزوں کی تقلید کی نحوست سے اس جوہر ایمانی اور شان مسلمانی سے محروم ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے ان کے اسلاف کو عطا فرمائی تھی۔

مگر اس کے باوجود بھی ان کے خودداری کے لہو میں حرارت پیدا نہیں ہوتی کہ عیسائیوں اور راشٹر بزدلوں کی تقلید پر لعنت بھیج کر سچے مسلمان بنیں اپنے اسلاف کے مبارک طریقوں کو اختیار کریں۔

زرمبادلہ کی بات بھی سنو

ہماری حکومت کے وہ کرتا دھرتا جن میں اسلام کی فوقیت کے جذبات بالکل مردہ ہو چکے ہیں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس خوراک اس لیے نہیں کہ ہم اپنا قومی ترین پاکستانی غلہ باہر کے ملکوں کو دیتے ہیں۔ تاکہ باہر کے ملکوں سے جو چیزیں پاکستان آتی ہیں ان کی قیمتیں ادا کی جا سکیں اس لیے غلہ اور اجناس اتنی نہیں ہیں کہ پاکستانی کثیر تعداد کو خوراک نصیب ہو یہ گویا یہ انہوں نے خاندانی منصوبہ بندی کی دلیل ٹھہرائی ہے۔ اول تو ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ برطانیہ کے جس زمانہ میں پنجاب کا گندم اٹھارہ بیس سیر فی روپیہ دہلی اور دوسرے مقامات میں عام طور سے کھلے بندوں بکتا تھا اس زمانہ کی پیداوار اور موجودہ زمانہ کے غلہ اور اجناس جنور یہ زراعت میں کیا فرق ہے؟ میں نے جہاں تک زمینداروں اور کسانوں سے سنا ہے کہ اس وقت غلہ اور تمام اجناس کی پیداوار اور زیادہ ہے چوں کہ موجودہ صدر نے زرعی اصلاحات کے ذریعہ زمینوں کو زرخیز اور زمینداروں کو زردار بنا دیا ہے اب مسئلہ دریافت طلب یہ ہے کہ اس زمانہ کی مردم شماری سے اب کی مردم شماری کی تعداد کتنی گنا زیادہ ہے اگر ہم یہ بھی تسلیم کر لیں کہ پیدائش کی افزائش چار گنا زیادہ ہے تب بھی غلے کے بھاؤ میں چار گنی کمی ہونی چاہیئے یعنی کم از کم پانچ

کا پانچ سیر بکنا چاہیئے۔ اور قائد ملت مرحوم کے زمانے میں پانچ سیر کو غالباً آٹا ملتا تھا۔ میں بہت غور و فکر کے بعد غلہ اور دوسرے اجناس و اشیائے ضروریہ کی گرانی ہونے کی صرف یہ وجہ سمجھ سکا ہوں کہ برآمد بہت بڑھا دی ہے لیکن کسی دانا اور محافظِ ملک حاکم کو یہ مطلق جائز نہیں کہ ملک والوں کے پیٹ کاٹ کر دوسرے ملکوں کو غلہ یا دوسری ضروریاتِ زندگی فروخت کرے خاص کر ایسے وقت اور حالات میں جب کہ بدترین دشمن ہر وقت برسرِ پیکار ہے ہاں دانائی اور تدبیر و سیاستِ حقیقی کا تقاضا یہ ہے کہ بیکار، فضول اور عیاشی اور غیر لازمِ زندگی چیزوں کی درآمد کو بالکل بند کر دیا جائے۔ ضبطِ تولید ملک اور قوم کی تباہی اور دشمنوں کی شادمانی اور مسرت کا باعث ہی اس کو تو یک قلم بند کرنا چاہیئے اور بہت سارو پیہ جو اس کے اسباب کی خرید یا اس کے اداروں پر خرچ ہوتا ہے وہ یقیناً "تخریب پاکستان پر خرچ سمجھا جائے گا اس بیماری کی کوئی دوا نہ منگائی جائے۔ حالات مجبوری میں پیدائش یا حمل کو روکنے کے واسطے طبِ یونانی، ویدک دواخانوں میں بھی بہت سی دوائیں ہیں۔ اور فلموں کی درآمد بالکل بند کر دینی چاہیئے کیوں کہ معاشرہ، پاکستانیوں کی بدکرداری اور فضول خرچی بلکہ اسلامی نظریات کی مخالفت کی بدترین بنیاد فلمیں ہیں۔ پھر عورت مردوں کے لیے جو زیادہ قیمتی اور نمود و نمائش فخر د مباہات کے کپڑے، جوتے اور میک اپ کی چیزیں آتی ہیں وہ اسلامی ملک و مسلمان قوم کے عقیدہ کے خلاف فضول خرچی اور شیطان کی برادری میں شمولیت کا طریقہ ہے۔ ہمارے ملک کا زیادہ تر روپیہ کاروں، اسکوٹروں

کی خریداری میں صرف ہوتا ہے اور اگر یہ روپیہ اربوں کی تعداد میں نہیں تو کروڑوں ضرور ہوگا - اس میں اتنی کمی ضرور ہے کہ موٹر کار خریدنے کی ضروریات کے شرائط مقرر کیے جائیں اگر واقعی نہایت ہی مجبوری ثابت ہو تو ایک خاندان کے لیے صرف ایک وہ بھی کم سے کم قیمت کی ہو- سکوٹر کی خریداری بھی مشروط ہو اور دوسری استعمال کی وہ چیزیں جو خدائے تعالیٰ کے فضل سے پاکستان میں بنتی ہیں اور مغرب وغیرہ ملکوں کی نسبت کچھ سستی بھی ہیں - ان کا استعمال ضرورت مندوں کو لازم کر دیا جائے یعنی جو چیز پاکستان میں تیار ہوتی ہے اس کے باہر سے منگوانے ، فروخت کرنے اور استعمال کی اجازت نہ دی جائے اور حکومت کا یہ طریقہ کار بھی تمام دنیا کی مہذب انسانی تواریخ کے خلاف ہے کہ وہ غلے اور دوسری زندگی کی ضروری چیزیں جیسے ، شکر - چاول دھان یا دوسری چیزیں خریدتی ہے اور بازار اور منڈیوں کے بھاؤ سے زیادہ قیمت پر خریدتی ہے - کال اور قحط کے زمانہ میں حکومتیں غلہ صرف اس لیے جمع کر سکتی ہیں کہ ملک والوں کو دے سکیں پھر بیچارے ملک والوں کو سستی کس طرح مل سکتی ہیں ؟ میں یہ نہایت مستحکم اور راسخ دعوٰی سے کہتا ہوں کہ دنیا کے سپر دے پر آج تک مہذب ملک کی ہمدرد حکومت نے کہیں اور کسی زمانہ میں بھی غلہ اور دوسری انسانی ضروریات کی چیزیں گراں نہیں کیں - مگر میں پاکستان کی حکومت کے ذمہ دار حاکموں کے ان دعوؤں کے باوجود دیکھتا ہوں کہ وہ ملک والوں اور عوام کے چاہنے والے ہیں اور اسلامی نظریات پر ایمان کامل رکھتے ہیں پھر بھی عوام کو مارنے کے لیے نہیں تو کم از کم زندگی

تکلیف کا گہوارہ بنانے کے لیے ضرورت کی چیزوں کا خود کاروبار کرتے ہیں
اور سود خوار بنیوں سے بدرجہا زیادہ نفع لیتے ہیں۔ میں مسٹر چندریگر گورنر
پاکستان کے زمانہ سے برابر دیکھ رہا ہوں کہ حکومت کا یہی ملک کو تباہ کرنے
کا طریقہ جاری ہے مسٹر چندریگر کے زمانہ میں تو حکومت نے گندم باداموں
وغیرہ کے کھتوں، گوداموں میں سڑا گلا کر پھینک دیا تھا مگر انسان گندم
کے دانے دانے کو ترستے تھے اس پر میں نے مسٹر چندریگر کو لکھا کہ
کہ دنیا کے پردے پر ایسی حکومت آج تک نہیں سنی کہ غلہ کو سڑا کر پھینکنا تو
گوارہ کرے مگر ملک والوں کو دانے دانے سے محروم کر دے۔ اس خط
پر مسٹر چندریگر نے فوراً میرے پاس اسی روز گورنمنٹ ہاؤس کے سپاہی
کو خط دے کر پہنچا میں نے خط کو پڑھا انہوں نے دوسرے
دن مجھے شرفِ ملاقات کے لیے طلب فرمایا تھا میں گیا تو کہا جناب آپ نے
بہت ہی سختی سے میرا محاسبہ کیا ہے میں نے عرض کی میری کم علمی یا ادبیت
کا قصور ہے کہ میں اس سے زیادہ سخت الفاظ نہیں لا سکا تو مسکرا
کر کہا شاباش آپ کو قوم کا بہت درد اور محبت ہے میں نے ان
سے اس بدنظمی کی وجہ دریافت کی تو کوئی معقول جواب نہیں دے سکے
صرف یہ فرمایا کہ مولانا گندم نہیں ملتی تو چاول تو سوا روپیہ سیر بکتا ہے۔
دیکھیئے ہمارے گورنمنٹ ہاؤس میں تمام ملکوں کے مندوبین آئے ہوئے
ہیں ہم چاول ہی کھلاتے ہیں میں نے کہا جناب آپ کی جیب کا کیا خرچ
ہے۔ یہ تو سارے حکومت کے مہمان ہیں؟ اور اگر آپ کے مہمان بھی

ہوں تو آپ کو کئی ہزار ماہانہ تنخواہ ملتی ہے آپ جو چاہیں کھائیں کھلائیں مگر جس مزدور کی آمدنی صرف دو روپیہ روزانہ ہے اور پھر ہفتہ میں کبھی مزدوری بھی نہیں ملتی تو وہ بیچارہ کہاں سے چاول کھائیگا تو انہوں نے کہا مولانا اتنا مبالغہ تو نہ کیجئے بھلا کسی کی مزدوری دو روپیہ یومیہ بھی ہوتی ہے تو میں نے کہا میرے ساتھ تشریف لے چلیئے جو محلہ پہلے آئے گا وہیں دریافت کریں گے کہ کیا پاکستان میں اس وقت مزدوری دو روپیہ یومیہ ہے ؟ تو حیدری گر صاحب بہت ہی متعجب ہوئے ۔

ہمارے حاکموں کی حالت

اللہ تعالے ان سب حاکموں کو ہمدرد لعزیز بننے کی توفیقِ رفیق عطا فرمائے ۔ میرا تجربہ تو یہ ہے کہ اکثر وزراء گورنران اور بڑے ذمہ دار حکام عالی مقام اپنے منصبی فرائض سے آگاہ بھی نہیں ہوتے ۔ بس کاروں میں دفتر آتے اور کچھ پیش کردہ کاغذات فائلوں پہ دستخط فرما کر فراغت پا لیتے ہیں ۔ میں چونکہ حضرت قائد اعظم سے یہ وعدہ کر چکا ہوں کہ جب تک زندہ رہوں گا پاکستان کے استحکام ، فلاح وبہبود کا کام کرتا رہوں گا ۔ اپنی خانگی اور معاشی مصروفیات کے باوجود برابر بفضلہ تعالیٰ کوشش میں لگا رہتا ہوں ۔ میں نے تو اللہ رکھے ان بندگان مذکورہ بالا میں ایسے ہی زیادہ دیکھے ہیں کہ جن کو دال آٹے کا بھاؤ بھی معلوم نہیں اور اپنی رعایا پبلک کے حال سے بھی آگاہی سے محروم ہوتے ہیں ۔ میں پرانا مسلم لیگی ہوں اور حضرت قائد اعظم بھی میرے مشوروں کو بنظر استحسان ملاحظہ فرماتے

تھے۔ ہاں قائدِ ملت لیاقت علیخاں مرحوم کو ملک سے خاص محبت تھی اور وہ پبلک کے حالات سے بے خبر بھی رہنا پسند نہیں کرتے تھے مگر خود غرض حرص و طمع کے فریب خوردہ حضرات تو اپنے ذاتی مفاد پر بڑی سے بڑی قربانی کرتے نظر آتے ہیں۔ اگرچہ حکام کا فرض عین ہے کہ وہ کسی جماعت اور خود غرض طبقہ کے ساتھ تعاون نہ کریں اور عوام کی فلاح و بہبود کو مدِ نظر رکھیں۔ ہاں یہ بات میں نے اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس عطا فرمائے پاکستان کے گورنر اور پاکستان کے سچے خادم حضرت نشتر مرحوم میں دیکھی میں نے ایک بار کچہری میں ایک چپڑاسی کو دیکھا کہ اس نے ایک گاؤں والے کو ایک کاغذ دیا۔ اور اس نے چپڑاسی کو پانچ روپے کا نوٹ دیا تو میں نے چپڑاسی سے پوچھا بھائی جان یہ کیا معاملہ تھا تو چپڑاسی نے کہا یہ بے چارہ کئی روز سے صاحب کے دستخط کروانے کے لیے کچہری کے چکر لگاتا تھا مگر ہر چپڑاسی پندرہ بیس روپے کی شرط لگاتا تھا میں نے تو اس کی پریشانی دیکھ کر صاحب سے دستخط کروا کر دے دیئے اس نے خوشی سے پانچ روپے دے دیے۔ میں نے چپڑاسی سے کہا کہ چپڑاسی لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ اس نے کہا جی چپڑاسی کو ۷۰ یا ۷۵ روپیہ ماہانہ تنخواہ ملتی ہے۔ اگر دس پانچ آدمی ہوں تو بتائیے گزر کس طرح ہوگی۔ میں نے اسی روز حضرت نشتر صاحب کو خط میں لکھا کہ آپ گورنر صاحب اور آپ کی حکومت رشوت لینے پر مجبور کرتی ہے کیا اسلامی حکومت کی یہی نشانی ہے؟ آپ پکے نمازی پابند شرع بلکہ متقی ہیں۔ آپ یہ کس طرح گوارہ کر رہے ہیں

تو ان یعنی لنشنر صاحب مرحوم نے مجھ کو فوراً خط لکھا اور ملاقات کے لیے وقت دے دیا۔ میں گورنمنٹ ہاؤس حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھ کو بھی سپاہیوں، چپراسیوں اور فوجی سپاہیوں اور کلرکوں کی کم تنخواہ کا بہت افسوس ہے اور میں جانتا ہوں کہ گزر کے لیے کس قدر کوشش کرنے پڑتے ہیں۔ میں نے عرض کی کیا یہ آپ کے اختیار سے باہر ہے؟ تو بہت انکسار کے ساتھ فرمایا یہ مرکزی حکومت کے اختیار میں ہے۔ میں نے عرض کی کہ اگر تمام صوبوں کے گورنر اور وزراء اعلیٰ حکومت کو لکھیں تو فرمایا میں کوشش کروں گا۔ اللہ تعالیٰ تادیر قائم رکھے ہمارے موجودہ گورنر جناب محمد موسیٰ خان صاحب بھی حقیقی معنوں میں اپنے فرائض منصبی بلکہ مذہبی کا بھی لحاظ کرتے ہیں۔ میں نے لکھا تھا کہ موجودہ نظام حکومت نہ تو انسدادِ جرائم ہی کر سکا ہے اور نہ عوام سے جہالت اور افلاس دور کر سکا تو انہوں نے مجھ کو لکھ کر یہ فرمایا کہ آپ مجھ کو تحریر کے ذریعے بتائیے کہ کس طرح حکومت کو مقبول بنایا جائے۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے ان کو یہ عرض کیا تھا کہ آپ حضرات سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے سچے فرماں دار بن جائیے۔ یعنی اپنے اور اپنے تمام پاکستانیوں کے لیے قرآن کریم اور اسوۂ رسول نبی رؤف و رحیم صلے اللہ علیہ وسلم کو لائحۂ عمل بنا لیجئے۔

تو هم گردن از حکم داور مپیچ ۔۔۔ کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

معلوم نہیں یہ خط ان کی دست بوسی سے مشرف ہوا یا نہیں۔ اس تحریر سے میری غرض صرف یہ ہے کہ حکام عالی مقام کو پبلک ملک کے

عوام کے حالات کی طرف توجہ کرنی ضروری ہے۔

ہمارے صدر ذی قدر محمد ایوب خانصاحب

اپنی تقریروں اور تحریروں میں تو اللہ تعالےٰ کی اطاعت اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے متعلق تلقین کرتے رہتے ہیں اور غالباً ان کی تقلید میں اکثر وبیشتر وزراء، حکام، پرنسپل، پروفیسر، علماء، ڈاکٹر، وکیل، بیرسٹر بھی اسی قسم کی باتیں کہتے ہیں۔ لیکن مجھ کو بہت ہی سخت صدمہ ہوا ہے اور میں ایسی زندگی کو جس میں اللہ تعالیٰ کے احکام واجب الایقان اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بنائے نہ تقی ہر دو جہان کی مخالفت ہوتی ہے موت سے بدتر سمجھتا ہوں آپ یہ مضمون کسی تعصب یا عناد کی بنا پر ملاحظہ نہ فرمائیے بلکہ اس کو نہایت مخلصانہ درخواست سمجھئے۔ میں کراچی کسی ضرورت سے جا رہا تھا اس میں ایک عیسائی مگر عیسائیوں کے پادری سے ملاقات ہوئی میں نے اپنے فرض کے طور پر اسلام کی برتری اور فوقیت کی کچھ دلیلیں پیش کیں تو انہوں نے کہا آپ کی یہ دلیلیں قابلِ سماعت اس لیے نہیں ہیں کہ اس زمانہ میں اکثر اسلامی کہلانے والے ملکوں اور خاص کر پاکستان میں جو صرف قرآن وسنت پر عمل کرنے کے لیے عالمِ وجود میں آیا تھا۔ ہماری یعنی عیسائیوں ہی کی تقلید و پیروی ہو رہی ہے آپ اکثر حاکمانِ پاکستان کو دیکھیئے ان کے لباس، شکلیں اور رہنے سہنے، چلنے پھرنے کے طریقے انگریزوں اور عیسائیوں جیسے ہیں۔

پھر ہماری عیسائی حکومت برطانیہ کا قانون پاکستان میں بھی کارفرما ہے۔ نہ قرآن و سنت کا قانون ہے اور نہ لوگوں میں محمدؐ اور ان کے گھر والوں کی ادائیں اور طور طریقے ہیں۔ جناب مولوی صاحب کسی چیز کے اچھے اور مفید ہونے کا ثبوت یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس کو اپنائے اور سخت سے سخت دشواری کے باوجود بھی اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسلام اسلام تو آپ لوگوں کی زبانوں پر ہے مگر یہ اکثر تعلیمیافتہ، امیر مالدار، اور شریف کہلانے والے حضرات کو سوٹ نہیں کرتا یعنی وہ ان کے مزاجوں اور طبیعتوں کو گوارہ نہیں ہے اور تو اور اب تو اکثر حکومتیں ہماری عیسائی جماعتوں اور حکومتوں کے نظریات کی اشاعت پر فخر کرتی ہیں اور ان کے نظرِ عنایت ہی پر اپنی اور اپنے ملک کی زندگیاں موقوف سمجھتی ہیں۔ پھر ان پادری صاحب نے بڑے غرور سے کہا کہ آپ لوگوں کو حقیقت حال کا کچھ پتہ نہیں ہے۔ سچ بات یہ ہے کہ پاکستان جس کو کہتے ہیں یہ برطانیہ اور امریکہ کے اشاروں پر ہی قائم ہے ان کی مرضی کے خلاف نہ صدر ایوب کچھ کر سکتے ہیں اور نہ کوئی جماعت اور اب لوگ قرآن و سنت کی رٹ لگائے جاتے ہیں۔ ڈبہ کے جو مسلمان تھے ان میں اس کی تقریر سے بڑی مایوسی پھیل گئی اور سب میری طرف دیکھنے لگے میں نے پادری صاحب سے کہا بیشک آپ سچ فرماتے ہیں۔ برطانیہ اور امریکہ عیسائیوں اور انگریزوں کی تہذیب اور پیروی کی یہ نحوست اور کرشمہ سازی ہے کہ جو مسلمان قرآن و سنت کی فرمانبرداری کی طاقت سے تمام دنیا پر حکمران رہا۔

اور آپ کے بیت المقدس، یروشلم، اکثر مغربی ممالک اور یورپ کیا تمام عالم میں اپنی فوقیت اور برتری کے پرچم لہراتا رہا۔ آج وہ اس قدر کمزور، بزدل اور ڈرپوک ہو گیا ہے کہ یہودی جیسی ادنیٰ ذلیل و حقیر قوم بھی مسلمانوں کی اکثریت کی تخریب کے درپے ہے۔ ہاں جی ہاں یہ امریکہ، برطانیہ اور عیسائیوں کی نقالی کی سزا ملی ہے کہ جو بھارت ہمارے بزرگوں کی ایک ہزار برس لونڈی، بندور۔ کنیز رہی وہ اس قدر دلیر اور بے ادب گستاخ ہو گئی کہ وہ حملہ کرنے کو چڑھ گئی گویا موجودہ پاکستانی مسلمانوں کا خاندانی آبائی رعب داب شان و شوکت، اور عزت و عظمت ان سے کنارہ کر گئے۔ اس سے زیادہ کمتری اور بے وقعتی کیا ہو سکتی ہے۔ کہ آقاؤں کی اولاد کو کچلنے کا منصوبہ بنا لیا مگر پادری صاحب آپ نے یہ بھی تو دیکھا دل و جان سے مانا کہ قرآن و سنت کے طفیل اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک ناموں کی برکت سے پاکستان نے غالب آ کر اپنے بزرگوں کی شان و شوکت کا سکہ صرف بیچاری بھارت ماتا کے خوگر غلامی دل پہ ہی نہیں بٹھایا۔ بلکہ امریکہ کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی کہ ہائے میری چہیتی بھارت میری بے مقدار امداد اور بہترین جنگی سامان دینے کے بعد بھی پھر مسلمانوں کو لونڈی بننے پر مجبور ہو جاتی ہے کہ جس طرف سے بھی بے خبری میں مسلمانوں پر بھارتی کچھ ونت سور ما حملہ کرتے ہیں۔ مسلمان نیم شعوری اور غفلت کے باوجود ان کے اوسان خطا کر دیتے ہیں۔ آخر امریکہ اور بھارت اور بھارت کے دوسرے یاروں اور خریداروں کو پاکستان کے صدر اعلٰی قدم

اور سو رما ؤں عنا زیوں اور مجاہدوں سے معافی مانگنی ہی پڑی ہی ۔ اور اگر پاکستان حکومت اپنی آبائی رحمت اور بخشش سے کام نہ لیتا تو پھر آج دہلی کے لال قلعہ پر اسلامی پرچم ہی لہراتا نظر نہ آتا ۔ میں نے کہا کہ آپ نے دنیا خصوصاً ہندوستان کی تاریخ شاید خواب میں بھی نہیں دیکھی کہ جس نے ایک ہزار سال غیر ملکیہ مخالفِ اسلام جنتا پہ ایسی شاندار حکومت کی کہ بڑے بڑے راجہ مہاراجہ مسلمانوں کی خدمتوں میں اپنی کنواریوں کے ڈولے پیش کرنا فخر سمجھتے تھے ۔ ہمارے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں اور ان کے سچے غلاموں، خالد بن ولید، عبیدہ بن جراح، صلاح الدین ایوبی، اور سترہ سالہ محمد بن قاسم کے نام نامی اور اسم گرامی بھی سُنے ہوں گے ۔ کہ سب قرآن کریم اور نبی رؤف و رحیم ہی کے فرمان دار اور اسلامی نظریات کے عامل تھے ۔ کیا آپ اپنی قوم یا کسی دوسری بڑی سے بڑی بہادری کی ڈینگیں مارنے والی حکومت کی تاریخ میں یہ دکھا سکتے ہیں کہ سترہ برس کا بچہ بھارت جیسے بڑے اور لڑاکا اور فنونِ جنگ کی مہارت پر فخر کرنے والے ملک پر صرف چھ ہزار غازیوں کے ساتھ حملہ آور ہوا ہو اور بڑے سے بڑے راجاؤں کو جان بچا کر بھاگنے کے سوا چارہ کار نہ رہا ہو ۔ جناب پادری جی ذرا اپنے ہوش کی دوا کیجئے ۔ آپ نے موجودہ عیسائیوں کے ناہنجار اور امریکہ، برطانیہ کے فریب خوردہ، ضمیر فروش، خود داری اور احساسِ خودی سے بیزار تھالیوں کو ہی دیکھا ہے جو حقیقت میں اسلام ملکہ اپنے خود دار

اور جہاندار و جہانگیر اسلاف کے نام کو اپنی دنیا کی جاہلانہ زندگی کے تمام طور طریق سے بد نام کر رہے ہیں۔ اسلام۔ اللہ تعالیٰ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقائق اور معارف بلکہ تقاضا ہائے برتری کو مٹانے کی جد و جہد میں مصروف ہیں۔ نہ تو ان کا کوئی نصب العین ہے نہ مستقل لائحہ عمل بیر تو ہیولے ہیں کہ جیسے امریکہ اور برطانیہ کے سائنس پرستوں اور شیطان کے غلام، شہرت، حرص و ہوس کے بندوں کو دیکھتے ہیں ویسے ہی بن جاتے ہیں۔ یہ تمام عیوب صرف آپ کی قوم نصاریٰ اور آپ کے بنی اسرائیل یہودیوں ہی سے لئے ہوئے ہیں۔ اسی لیے دونوں سے مرعوب مغلوب اور خائف ہیں۔ مگر آپ کو معلوم ہے کہ آپ کو دنیا کی ترقی بلکہ انسانیت کے پہلے استاد انہیں بدنام کنندگانِ اسلام کے اسلاف تھے۔ جناب پادری صاحب کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ دنیا کا کوئی گوشہ اور دنیا کی کوئی قوم بھی ایسی تھی جو مسلمانوں کی مطیع اور باج گزار نہ ہو۔ اور اپنی فلاح و بہبود، بلکہ انسانی زندگی سے سرفراز ہونے کے لیے ان کی تقلید اور پیروی کو فرض نہ سمجھتی ہو۔ خدا کی قسم اور آپ کے ان یہود اور نصاریٰ عیسائیوں کی وہ تاریخ ہی ان کی حقیقت کا آشکارا کرتی ہے جو عیسائی اور یہودی مؤرخوں نے لکھی ہے کہ بلکہ آپ کی بائیبل چلا چلا کر کہہ رہی ہے کہ دنیا میں خدائے تعالیٰ کی لعنت کا ذریعہ صرف یہود۔ اور نصاریٰ ہی تھے۔ آپ لوگوں کو مسلمانوں کا شکر گزار ہو کر محسن شناسی کا ثبوت دینا فرض ہے۔ چہ جائے کہ آپ موجودہ زمانہ کے اکثر خود فروش

نام نہاد مسلمان کی یورپ پرستی پر ناز کرتے ہیں۔ خدا کی قسم اگرچہ اسلام نے آپ کی قوم کو انسان بنانے کی بہت ہی قابل قدر کوشش کی مگر روز اوّل سے آپ کی گھٹی میں ظلم و ستم، بدکرداری اور احکام خداوندی سے بغاوت کے جراثیم موجود ہیں۔ آج بھی آپ کے امریکہ، برطانیہ وغیرہ ممالک دنیا میں فتنہ و فساد کا بدترین ذریعہ بنے ہیں۔ اور تمام دنیا میں اپنے پاسبانِ جرائم۔ خلاف مذہب اور دشمن دین و ایمان بلکہ انسانیت ہی کو فنا کرنے والی سیاست اور قانون سے دنیا کو تباہ کر رہے ہیں۔ جناب پادری صاحب دیکھ لیجئے اپنے قانون اور سیاست کا زندہ اور تازہ شیطانی چکر کہ جو ملک قرآن و سنت کی ترویج کے لیے بنا ہے اس میں قرآن و سنت کی مخالفت کو قابلِ فخر و ناز سمجھا اور اس کی سرپرستی پر کروڑوں روپیہ ضائع کیا جا رہا ہے۔

فنونِ لطیفہ

اللہ تعالیٰ پاکستان کہلانے والے ملک اور ملک والوں کو قائم و دائم رکھے اور اپنی رحمت اور فضل و کرم سے سرفراز فرماتا رہے۔ آمین۔ یہ غالباً ہر پاکستانی خصوصاً ہر سچے مسلمان کی تمنا آرزو اور دلی دعا ہے کیوں کہ ڈیڑھ سو برس کی غلامی کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہم کو آزاد کر کے یہ حکومت دے دی ہے ہم اس پر جس قدر بھی شکر بجا لائیں کم ہے۔ ہم انسان تو انسان حیوانوں میں بھی شکر گزاری کا جذبہ دیکھتے ہیں۔ اور محسن شناسی کی قابلِ قدر صفات پاتے

ہیں۔ پاکستان کی غرض و غایت بھی یہی تھی کہ یہ کفر و شرک اور گناہوں اور خاص کر اللہ تعالیٰ اور خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک احکام کی خلاف ورزی کے جرائم سے پاک وصاف رہے گا۔ اور واقعی صحیح اسم بامسمٰی پاکستان ہو جائے گا۔ مگر مجھ کو سخت صدمہ اور بڑا تعجب ہے کہ اس ملک کے پڑھے لکھے اور بڑی ڈگریوں اور زیادہ تنخواہوں سے رات دن لطف اندوز ہونے والوں میں اکثر ایسے ہیں جو اس پاکستان کو نخبستان بنانے کی جد و جہد میں ہمہ تن کوشاں ہیں۔ آپ نے اخباروں اور رسالوں میں ضرور پڑھا ہوگا کہ فنونِ لطیفہ کا سیمینار کانفرنس یا اجلاس ہو رہا ہے۔ میں نے کئی پڑھے لکھوں سے پوچھا میاں یہ فنونِ لطیفہ کیا ہوتے ہیں؟ اس پر وہ ہنس پڑے اور کہا کہ جناب آپ دنیا میں ہیں یا بیرونِ دنیا؟ میں نے کہا ہوں تو دنیا میں مگر میری بے قسمتی ہے کہ فنونِ لطیفہ سے محروم ہوں تو انہوں نے فرمایا یہ فنونِ لطیفہ جس کی مجلسوں کا افتتاح ہمارے ملک کے بعض سربرآوردہ حکام عالی مقام یا مشاہیر جج، بیرسٹر، پرنسپل پروفیسر اور اخباروں کے بڑے بڑے ایڈیٹر کرتے ہیں انکی اصطلاح اور بولی میں ناچنے۔ گانے۔ بجانے۔ مرد اور عیز عورتوں کے ساتھ مل کر عشقیہ مکالمات اور پیار و محبت اور شہوت کو ہوا دینے والے اشعار اور نظمیں کہلاتی ہیں۔ اور ہاں پکچروں کے پردوں پر آکر سیناؤں کے لیے جو روپ روغن ہوتے ہیں۔ وہ بلکہ سیناؤں میں جو لوگ کھیل تماشے کرتے ہیں وہ بھی ماہرین فنونِ لطیفہ ہی شمار ہوتے ہیں۔ ان فنونِ لطیفہ

والوں کو ہماری حکومت بھی عطا یا گئے گراں قدر سے سرفراز فرماتی رہتی ہے۔ میں نے کہا کہ ریڈیوں پہ جو سرود عورتیں گاتی اور کبھی دوسرے مرد کے ساتھ سوال وجواب میں عشق کی پینگیں بڑھانے کے انداز دکھاتی ہیں کیا ان کو کبھی فنونِ لطیفہ کا خطاب دیا جاتا ہے وہ کہنے لگے ہاں جناب. مجلسوں، کلبوں اور ہوٹلوں میں ہوشیاری اور مدہوشی میں اس قسم کی تمام باتیں بھی فنونِ لطیفہ کے خطاب سے سرفراز ہوتی ہیں، یہ سُن کر میں نے کہا کہ یہ بات میں کبھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ علماء ڈاکٹر اور حکام عالی خرافات اور فواحش اور بے حیائی کے قابلِ نفرت کاموں کی اجازت دیتے یا سرپرستی فرماتے ہوں۔ انہوں نے کہا آپ کسی دن کسی بڑے کلب، ہوٹل یا ڈانسنگ گھر میں جاکر دیکھ سکتے ہیں تو دوسرے صاحب نے کہا۔ کہ آپ کے وہاں جانے کی بات غلط ہے پیسے اور ملاں ٹائپ کو کون وہاں گھسنے دے گا۔ وہ مجلس تو حاکموں، ججوں، بیرسٹروں، وکیلوں یا اخبار کے مدیروں اور نامہ نگاروں یا امیروں مردوں اور بے حجاب عورتوں کی ہوتی ہے۔ یہ سن کر میں نے آہ سرد بھری اور کہا یہ کس قدر مکاری، فریب کاری اور عیاری ہے کہ جو حکام اور جج، بیرسٹر عوام کے سامنے یا ان تک پہنچانے کے لیے قرآن وسنت اور اسوۂ حسنہ کی پابندی کی تلقین کرتے ہیں ان کے اعمال، افعال اور مشاغل یہ ہیں۔ کس قدر حیرانی ہے کہ خود فراموشی ہے گمراہی اور عیاشی ہیں، ہم ان کی چال چلتے ہیں جنہوں نے انسانیت ہمارے

بزرگوں ہی سے سیکھی تھی ۔

جہاں عرب اندر او بابرا کشاد   علم و حکمت را بنا دیگر نہاد

اللہ تعالیٰ ان کو عقل سلیم عطا فرمائے اور یہ اپنی خداداد بزرگی عزت و احترام کی حفاظت کریں ۔ دنیا میں بھی وہی آدمی قابلِ احترام اور معزز مانا جاتا ہے جو اچھے کام کرتا ہے اور اپنے وعدوں اور اپنے نظریات اور کیے ہوئے بیان کیے ہوئے اعتقاد کو عمل سے بھی ثابت کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے بھی فرما دیا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ یعنی ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں ہو۔ ہر انسان یہ تو خوب جانتا ہے کہ ہم اور ہمارے تمام املاک اور دولتیں ۔ عزت آبرو، بڑے بڑے مرتبے اللہ تعالیٰ ہی کے فضل و کرم سے ہیں۔ ہم تو نہ تھے اور نہ رہیں گے جب اس مولا ۔ پیارے خالق و مالک نے ہم کو سب کچھ دے دیا ۔ اور اتنی بڑائی بھی دی کہ لوگ ہماری باتیں سنتے، مانتے اور ہمارے طریقوں کو قابلِ تقلید سمجھتے ہیں ۔ تو پھر اگر آدمی واقعی انسانیت کا ایک شمہ بھی رکھتا ہے تو اس کا اولین فرض ہے کہ خدائے تعالیٰ کا سچا شکر گزار اور فرماں بردار بندہ بن جائے تاکہ اس کے مرتبوں میں ترقی ہو چونکہ شکر کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ زیادہ انعام فرماتا ہے ۔ اور جو اس کی نعمتوں اور دیے ہوئے مال و دولت، عزت و آبرو، صحت و تندرستی، کا شکر نہیں کرتا اور نافرمانی اور ملک میں برائیاں، فواحش پھیلاتا ہے ۔ اس کو حیوانوں سے بدتر فرمایا

گیا ہے۔ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ط یعنی ان کے پہلو میں حساس دل ہیں مگر ان سے اپنے مالک، خالق اور نعمتیں دینے والے خدائے تعالیٰ کا احترام یعنی فرمانبرداری نہیں کرتے۔ اور ان کی آنکھیں ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات، اپنے عزیز و اقارب اور مراتب کو دیکھتے ہیں پھر بھی اپنے خدائے تعالیٰ کے احکام نہیں مانتے حالانکہ وہ اپنی آنکھوں سے مجبوروں، غریبوں، اپاہجوں اور ذلت و حقارت سے لوگوں کو زندگی بسر کرتے ہوئے بھی دیکھتے ہیں۔ ان کے کان ہیں مگر وہ ان سے اللہ تعالیٰ کے احکام و ارشادات غور و فکر سے قدر و منزلت سے نہیں سنتے اور گانے بجانے، لہو و لعب اور گمراہ کرنے والے اشعار سنتے رہتے ہیں۔ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ وہ تو حیوانوں کی مثل ہیں۔ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ط بلکہ حیوانوں سے بھی بدتر اور خدائے تعالیٰ اور عقلمندوں کی نگاہوں میں زیادہ ذلیل و حقیر ہیں مجھ کو تعجب ہے کہ اس قسم کے حاکم اور پڑھے لکھے لوگ جان بوجھ کر حیوانوں سے بدتر اور خدائے تعالیٰ اور اس کے سچے فرماں بردار بندوں کی نگاہوں میں ذلیل و خوار کیوں بنتے ہیں، کیا وہ اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ فحش اور بڑی بے شرمی کی باتوں کے پاس مت جاؤ۔ آہ افسوس ہے،

ان عقل کے دشمن حاکموں اور پڑھے لکھوں پر جو خود حرام اور فواحش میں مبتلا رہ کر دوسروں میں برائیاں پھیلا رہے ہیں کیا ان کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِهِمْ - یعنی لوگ حاکموں کے طور طریقوں پر چلتے اور ان کی پیروی۔ نقالی کو فخر سمجھتے ہیں۔ ایمان کی اور بالکل سچی بات تو یہی ہے کہ پاکستان کو بخستان بنانے والے وہی حکام - جج - بیرسٹر - وکیل - ایڈیٹر - اور منسٹر پرنسپل اور پروفیسر ہیں - جو اسلامی نظریات کے دشمن بن کر انگریزوں کی اندھی تقلید کے غلام بنتے ہیں - اور گانے - ناچنے اور شرابوں کی مجلسوں میں اپنے قیمتی اوقات ضائع کرتے ہیں - کالجوں، سکولوں کے طالب علموں اور طالبات کو دیکھ کر ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کے اساتذہ بھی ایسے ہی ہیں - امریکہ اور برطانیہ کے شرابی، کبابیوں کی تقلید اس طرح پھیلائی جا رہی ہے کہ گویا یہ لوگ ان سے اس کی بڑی بڑی ڈگریاں لینے ہی ہیں سنے کل ہی کئی یونیورسٹی بلکہ لاء کالج کی بچیوں کو دیکھا جو بالکل امریکن اور باش بچیوں کی طرح بال چھوڑے اور تنگ ترین لباس پہن کر اعضائے نسوانی کی نمائش میں کمال دکھا رہی تھیں یا خدا ان لوگوں کو عقل سلیم عطا فرما کر اپنی بدکرداری سے پاکستان کو بخستان بنانے کے جرمِ شدید - اور ملک کے ہلاک کرنے والی بد اعمالی سے بچ کر دوسروں کو پاک صاف رہنے دیں - ان کی بد اعمالی کی لعنت سے رات دن اللہ تعالیٰ کے عذاب اور قوم کی تباہی کا شدید

ترین خطرہ ہے۔ جن لوگوں کے کردار کا اثر عوام یا زیادہ افراد پر پڑتا ہے ملک کی خرابی بدکاری کے وہی ذمہ دار بھی ہیں۔ یہی فلاح و بہبود کا ذریعہ بھی ہیں اگر اچھے کام کریں۔

سبحان اللہ ایسے حاکم بھی ہیں

میں نے چند لوگوں سے سنا ہے کہ چند وزیر بھی ہم اللہ تعالیٰ کے سچے، فرماں بردار بندے اور اس کے انعامات کے شکر گزار بھی ہیں جن کے طفیل ابھی تک اسلامی نظریات و اعمال کی قدر اور تعمیل ہو رہی ہے۔ ان میں لوگوں بلکہ ان کے دوستوں اور ماتحتوں کی درستی اور اصلاح کے جذبات نمایاں ہیں نماز روزہ کے خود بھی پابند ہیں اپنے بچوں اور ملازموں کو بھی تاکید کرتے ہیں۔ وہ اپنا آبائی لباس بھی پہنتے ہیں اور انگریزوں، امریکیوں کی اندھی تقلید سے بفضلہ تعالیٰ بالکل پاک ہیں۔ اور ان کو یقین ہے کہ ان یورپی ملکوں نے ان مسلمانوں کو دینِ خدا اور انسانی علوم۔ تہذیب و تمدن سے دور پھینکنے کی جد و جہد میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جن کے اسلاف نے تمام صفاتِ حمیدہ اور علومِ مفیدہ ان کو بخشے تھے۔ علامہ نے سچ فرمایا ہے۔

دانہ آں صحرا نشیناں کاشتند — حاصلش افرنگیاں برداشتند
تا ببینی زشت و خوب کار چیست — اندریں نہ پردۂ اسرار چیست
ہر کہ از سرِّ نبی گیرد نصیب — ہم بہ جبریلِ امیں گردد قریب
در جہاں اسرارِ دیں را فاش کن — نکتۂ شرعِ مبیں را فاش کن

کس نہ گردد در جہاں محتاج کس   نکتۂ شرعِ مبین این است بس (از لبِ چہ بابد کرد)

جو مسلمان واقعی قرآن حکیم اور نبی رؤف و رحیم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہنوز کچھ تعلق بھی رکھتا ہے۔ وہ دوسروں کو اسلامی تعلیم دینے کی بہر صورت کوشش کرتا رہتا ہے۔ وہ ہی دراصل قرآن و سنت اور علامہ مرحوم کی قدر کرتا ہے۔ ہمارے حکام عالی شان۔ علامہ ڈاکٹر اور بڑے بڑے تعلیمی اداروں کے کرتا دھرتا تو علامہ کے بڑے گن گاتے اور علامہ کا ڈے بڑی شان و شوکت سے مناتے ہیں۔ مگر افسوس کہ قرآنی اور اسلامی نظریات کی بجائے غیر اسلامی بلکہ دشمن و مخالفِ اسلام بدکاری کو پھیلا رہے ہیں۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجا است تا بکجا   علمیکہ رہ بحق نہ نماید جہالت است

اِظہارِ حقیقت

مجھے ڈرا نہیں سکتی فضا کی تاریکی
میری سرشت میں ہے پاکی و درخشاں

ذرا عقل کو کام میں لائیے اور غور کیجئے کہ ہمارے اس ملک خداداد میں وہ لوگ بھی ہیں جو نظریۂ پاکستان کے بدترین مخالف اور دشمن ہیں اور وہ پاکستان میں بڑی فیکٹریاں، کارخانوں اور فرموں کے مالک بن کر گلچھرے اڑا رہے ہیں۔ اور سونے پہ سہاگہ اتفاق ہے۔ کہ انکو بڑی بڑی اور کلیدی پوسٹوں اور منصبوں میں ممتاز بلکہ ذی اختیاری حاصل ہے وہ پاکستان کو یقیناً نقصان پہنچانے اور کمزور کرنے پاکستانیوں میں حکومت کی مخالفت کے جذبہ پیدا کرنے میں پیش پیش ہیں حالانکہ ہر

پاکستانی خصوصاً مسلمان کا فرض ہے کہ اپنی حکومت کو مضبوط اور قابل قدر و منزلت بنانے اور دنیا میں اسلامی عقائد اور نظریات کے پھیلانے کی قابل بنانے کی کوشش کرتا رہے۔ کیوں کہ خدائے تعالیٰ کے فضل عمیم سے یہ حکومت دنیا میں سب سے بڑی اسلامی حکومت سمجھی جاتی ہے اس کو کمزور کرنے اور اس کی عزت وقار میں رخنے ڈالنے والے بدترین احسان فراموش اور محسن کش ہیں۔ میں تو ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر صدر، گورنر یا ذمہ دار حکام سے باقتضائے بشریت ۔ اور لاعلمی میں کوئی ایسا عمل۔ یا طریقہ ظہور میں آئے جو مقاصد تعمیر پاکستان کے خلاف اور موجودہ حکومت سے بدظن کرنے والا ہو تو اس کو حسن طریق سے دور کرنے اور اپنے صدر گورنر حکام کو بدنامی سے بچانے کے لیے مہذبانہ۔ محبانہ طریق اختیار کیا جائے۔ مسلمانوں کے اہم ترین فرائض میں سے ایک بڑا فریضہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں بلکہ تمام انسانوں کو برائیوں سے بچانے کی کوشش کریں۔ بلکہ مجھ کو بڑا افسوس ہے کہ اس مبارک ترین طریقے کی بجائے۔ برا کہنے، غیبت کرنے اور ان کی جانب سے بدظن کرنے کی کوشش کی جاتی ہے بعض عالموں اور خصوصاً اپوزیشن حزب اختلاف والوں سے جب میں حکومت کے عیوب اور متنفر کرنے والے کاموں کی تشہیر سنتا ہوں تو کہتا ہوں آپ صدر۔ گورنر اور ذمہ دار حاکموں کو ان کوتاہیوں اور مضر طریقوں سے آگاہ کیجئے تو مجھ کو قہر و غضب بھری نظروں سے دیکھتے ہیں، یہ ہے ہمارے محبان ملک

اور جمعیتِ اسلامی کے مدعیوں کا طریقہ پھر مجھ کو جواب بھی بہت ہی سخت
دیتے ہیں کہ بھلا صدر۔ گورنر اور حاکموں کو ان کی برائی جتا کر جیل کی
ہوا کون کھائے؟ میں کہتا ہوں کہ میں تو روزانہ بعض اخباروں
رسالوں میں حکومت پر سخت نکتہ چینیاں پڑھتا ہوں مگر وہ جاری ہیں
اور ان پر کوئی ظلم و ستم بھی نہیں کیا جاتا۔ بھلا کوئی انسان بھی دنیا میں ایسا ہے
جو اپنے نفع فائدے اور بزرگی قائم رکھنے کے مشوروں پر کاٹ کھانے
کو دوڑے؟ ہاں یہ تو ضرور دیکھا جاتا ہے کہ بعض حکام بعض معاملات
اور فائدے بخش بلکہ عزت و احترام کو قائم اور مستحکم رکھنے اور لوگوں
کے دلوں میں عزت اور محبت پیدا کرنے کے طریقوں کی افادیت
سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں تو ایسی صورت میں ناصحین اور مصلحین کو ذرا
عقل و سمجھ اور ناصحانہ تدبر اور حکمت سے کام لینا چاہیئے مگر ان میں ناصحانہ تدبر کا فقدان ہے
آپ خود غور فرمائیے کہ اگر صدر پاکستان۔ گورنر اور ذی اختیار حضرات
میں اچھائیوں اور ملکی مفاد سے خدا ناخواستہ دلی نفرت ہوتی اور اپنے
صحیح معقول احتساب پر چراغ پائی کا جذبہ غالب ہوتا تو کبھی کسی ایسی
جماعت اور کسی ایسے اخبار اور رسائل یا فرد کو روکنے کی کوشش
کرتے مگر خدا کا فضل ہے اور ہماری خوش قسمتی بلکہ حقیقت میں یہ اسلام
قرآن حکیم اور رسولِ رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کی
نسبت کا معجزہ ہے کہ وہ اچھی باتیں سنتے بلکہ خود قرآن کریم اور حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو مشعلِ راہ بنانے کی تلقین

بھی کرتے رہتے ہیں ۔ ایسی ہموار فضا اور موافق ماحول میں اگر ہمارے محبانِ وطن یا ان جماعتوں کے سمجھ دار حضرات وفودُہ کی صورت میں صدر گورنر یا حکام عالی شان کو پیار و محبت سے مشورے دینے کی تکلیف گوارہ فرماتے رہیں ۔ تو بہت جلد برطانیہ کے موجودہ قانون پاسبانِ جرائم سے نجات پا کر قرآن و سنت کے مبارک احکام پہ ملک کو گامزن کر کے بڑی سے بڑی ترقی بھی کر سکتے ہیں ۔ اور دشمنانِ اسلام کی محتاجی سے بھی نجات پا سکتے ہیں ۔ ہم نے باہمی اتحاد کی برکت سے پاکستان لے لیا اور ہزار سالہ ماتحتوں یعنی بھارتی سورماؤں کو بھی ڈنڈوت پر مجبور کر دیا تھا ۔ میں نہیں سمجھتا کہ جس امت محمدیہ پہ باہمی اتفاق فرض کر دیا گیا ہے وہ فرقہ بندی اور جماعت سازی کی لعنت میں کیوں گرفتار ہے ؟ ہاں تقسیم کار کے لیے مختلف شعبوں کا قیام تو ہر ملک میں ضروری ہوتا ہے ۔ لیکن باہمی عداوت ، اختلافِ طبع اور دلی حسد و بغض کی بیماری ہمیشہ تخریبِ ملک و قوم کا بدترین ذریعہ بن جاتی ہے ۔ میں تو ایک معمولی حیثیت اور غریب آدمی ہوں ۔ میں صدر یا گورنر صاحبان کو بھی صحیح مشوروں کی معروضات پیش کرتا رہتا ہوں مگر خندہ پیشانی سے جواب دیتے ہیں ۔ ان امیروں ، رئیسوں اور بڑے کاموں میں مصروف رہنے والوں کو مجھ کمزور کے افادیت سے لبریز معروضات پہ توجہ دینا شاید باعثِ عار معلوم ہوتا ہے ۔ ایک مدّت سی آواز ادھر سے سنی اور ادھر سے اڑا دی ۔ اور یہ بھی سنا ہے کہ مجھ

جیسے گمناموں کی تحریرات خواہ کتب کی صورت میں ہوں یا خطوط کی ان کے مغربی کیرکٹر والے خدام ان کی خدمتوں میں پیش ہی کم کرتے ہیں لیکن کبھی تو حجاب یا کم مجھ کو خیال کیا یقین ہو جاتا ہے کہ دیانت دار سیکریٹری صاحبان ان کی خدمتوں میں غریبوں کا معروضات پیش کر کے اپنی دیانت داری اور حب الایمان کی طرف ضرور مائل ہیں۔

محبانِ دین و ملک کون ہیں

قرآن و سنت اور عقلِ سلیم کی رو سے وہ محبانِ دین و ملک ہیں جو اتحادِ کلی نہایت سادگی اور گستاخ فضول خرچی سے بچ کر اپنی زندگی گزارتے ہوئے ملک والوں سے ایسی ہی زندگی بسر کرنے کی آرزو رکھتے ہیں اور اپنی زبان، قلم اور خداداد ہر طاقت سے ملک والوں کو اس پہ آمادہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں چونکہ مذکورہ تینوں عیب ہی بڑی حکومتوں کے زوال کا مدنہ بن سبب بنتے رہے ہیں یاد رکھیئے کہ جب آپ اپنی ذاتی اغراض۔ دولت اندوزی۔ اور فضول خرچیوں کے عادی ہو کر انہیں کے پورا کرنے کی دھن میں مصروف رہیں گے تو آپ کو آپ کے فرائض دینی اور منصبی سے سبکدوشی میں ہمیشہ ناکامی ہی ہوتی رہے گی یہ تو میں مانتا ہوں کہ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ کہاوت بہت پرانی اور سچی ہے مگر جو آدمی کسی حیثیت میں رہ کر سچا مسلمان رہنا چاہتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے رنگ سے ہی منصبغ ہونا چاہیئے۔

صِبْغَةَ اللّٰہِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً ط پ۱ س بقرہ
رنگ تو اللہ ہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ کے رنگ سے کوئی رنگ اچھا
قابلِ اختیار نہیں۔ اب ذرا ہمارے علمائے کرام اور رہبران اپنے گریبان
میں منہ ڈال کر دیکھیں کیا اپنے کو انہوں نے خدائے قدوس کے رنگ
میں رنگ لیا ہے ؟ سب سے بڑی چیز شیطانی رنگ کی علامت اور بڑی
کھلی نشانی نااتفاقی ہے۔ میرے مدعیانِ علم وفضل عربی، فارسی اور انگریزی
کے عالم اور علامہ بھائیو۔ آپ نے حکومت قرآن وسنت کے رنگ
اختیار کرنے کرانے ہی کو بنائی تھی مگر آج کوئی عالم، کوئی پیر، صدر، گورنر
جج، بیرسٹر، پرنسپل، پروفیسر اور ماسٹر، منسٹر اپنی ذات میں خدائے
تعالیٰ کے رنگ کی رنگت بھی محسوس کرتا ہے اِلاَّ ماشاءاللہ۔

سب سے اوّل نکتہ تو دین کی اور ملک کی خدمت کا اتفاق ہے۔

چوں کہ دینی اور سیاسی تفرقہ اسلام میں حرام مطلق ہے اور یہی مسلمانوں
کے زوال کے اصلی سبب بنتی رہی ہے اسی لیے تفرقہ کرنے والوں کو
مشرک فرمایا۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا
مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ۔ یعنی اللہ تعالیٰ
سے ڈرو اور نمازیں ادا کرتے رہو اور مشرک نہ بنو، مشرک وہ ہیں
جنہوں نے دین میں تفرقہ کی حبب کھائی یا عزیزا اپنے عزیز دل پیاروں
سے نفرت کرے گا۔ تو دنیا کا قاعدہ ہے کہ دشمن اس موقعہ کو غنیمت

سمجھ کر دوست بن جاتے ہیں۔ اور پھر تخریب اور بربادی ہی کے سبق پڑھاتے ہیں۔ آج جو ہم مسلمان کہلانے والوں میں باہمی تفریق پاتے ہیں وہ اسی وجہ سے ہے۔ میں تو یہاں تک عقیدہ رکھتا ہوں کہ اسلام کے جانی دشمنوں کو عالموں اور رہنماؤں کی باہمی تفریق نے ہی یہ دن دکھایا کہ شمہ بھر عقل والے بھی ان عالموں کے باہمی جھگڑوں سے بیزار ہو گئے اور خداداد روحانی تسکین کے لئے ان کے دام فریب میں پھنس گئے جو حقیقت میں بے دین تھا کہ رُوحی تسکین کو فنا کرنے میں بڑے شاطر ہیں۔ اسی طرح جب سیاست اور ملک داری یا ملک رانی کی تھوڑی بہت سمجھ بوجھ رکھنے والے باہمی بغض وعناد یا نااتفاقی کا شکار ہو گئے تو پھر ہمارے حکمرانوں کو ایسے مشیروں اور ملحدوں نے گھیر لیا جو حقیقت میں دین اور ملک کے بدترین دشمن ہیں۔ رہنماؤں کے دولت نما دشمنوں نے تو حکام اور سیاسی نظام والوں سے متنفر کر دیا اور حکام کو سبز باغ دکھانے والوں نے دین اور ملک دونوں ہی کے ایسے نظام سے روک دیا جو ان کی مقبولیت اور دلوں پہ ان کی حکومت کے نقوش ثبت کرنے والے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ مذکورہ بالا نعمتوں جو پھر جو دین و دنیا میں فوقیت کا ذریعہ تھے ہاتھ سے جاتے رہے آپ تو خوب جانتے ہوں گے کہ کسی کو اپنا بنانے کے لیے کچھ قربانی بھی کرنی پڑتی ہے۔ کبھی تو عزت و احترام کی کبھی مال و دولت کی اور کبھی کبھی خودداری کی بھی

ایک سچی حکایت:۔ میرے عجیب ہی سے دیوانہ مزاج

ہوں۔ تمام آدم علیہ السلام زادوں میں آدمیت کی نشانیاں دیکھنا چاہتا ہوں اور جو چیز میرے خیال یا ناقص رائے میں عزت وقار پیدا کرنے اور بے عزتی سے بچانے والی آتی ہے نہایت عاجزی سے پیش کر دیتا ہوں۔ اس لیے اوقات فرصتِ معاش سے دفتروں، کالجوں، سکولوں بلکہ گرجوں اور مندروں کے چکر بھی لگاتا رہا۔ دہلی میں گورنمنٹ آف انڈیا انگریزی حکومت کے دفاتر میں بھی جاتا رہتا تھا۔ وہاں تین مسجدیں تھیں۔ کبھی کبھی ان میں بھی کچھ بیان کر دیتا تھا۔ مجھ سے ایک دفتر کے چند نیک مسلمانوں نے کہا کہ مولوی جی ہمارے ڈیپارٹمنٹ یا سکیشن کا افسر اعلیٰ مسلمان ہیں۔ مگر مسلمانوں سے بڑی نفرت کرتے اور ہندو سکھوں کو نوازتے رہتے ہیں۔ اسلام کی طرف سے اس درجہ بدظن ہیں کہ بچوں کے نام بھی عیسائیوں کے سے رکھے ہیں آپ ان کی اصلاح کی کوشش کریں تو یقیناً آپ فریضہ تبلیغ میں کامیاب سمجھے جائیں گے۔ میں نے عرض کی میرا کام تو دلائل و براہین سے اسلام اور نیکی کی طرف راغب کرنا ہے۔ ہدایت نام تو دل کی درستی سے ہوتی ہے اور دل صرف اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ خیر میں ایک روز ان کی خدمت میں حاضری کے لیے پہنچا۔ اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو وہ دروازے کے قریب ہی بڑی میز کے سامنے کرسی پر جلوہ فرما تھے۔ میں نے کہا السلام علیکم تو ان افسر صاحب نے فرمایا میں آپ سے بات کرنا نہیں چاہتا گویا یہ جملہ ان کا وعلیکم السلام کی جگہ تھا۔ میں نے کہا میں معافی چاہتا ہوں کہ خلافِ مزاج حاضر ہو کر باعثِ

تصدیق خاطر بنا۔ جب میں دفتر کی طرف گیا تو ان کے کمرے والے مسلمانوں نے کہا دیکھا آپ نے ہمارے صاحب بہادر کو؟ میں نے کہا میں نے تو خوب دیکھ لیا مگر آپ کو بھی قدرتِ خدائے قدوس کا کرشمہ دیکھنے کا انتظار کرنا چاہیئے۔ غالباً دو ماہ بعد پھر میں بڑی جسارت امر خمودی سے اندر داخل ہو کر اداۓ فریضہ سلام سے سبکدوش ہوا۔ تو صاحب بہادر کرسی سے اٹھے مجھ سے بہت ہی تپاک کے ساتھ مصافحہ کیا اور چپراسی سے کہا جلدی کرسی لاؤ اور ہوٹل میں چائے کے لیے کہہ دو۔ یہ دیکھ کر تمام کمرے والے سکھ ہندو مسلمان مجھے بہت غور سے دیکھنے اور آپس میں بڑے استعجاب سے اشارات کرنے لگے۔ اب وہ افسر صاحب میری طرف توجہ کر کے فرمانے لگے جناب مولانا صاحب میں اس دن کی گستاخی کی معافی چاہتا ہوں میں اسی ملک کا ہوں، تہذیب و ادب کے قواعد سے ناآشنا نہیں ہوں۔ میری آپ کی شان میں گستاخی ایک بہت اہم سبب سے تھی۔ میں بچپن سے مشن سکولوں میں پڑھتا رہا پھر کالجوں میں بھی اکثر اساتذہ ہندو یا انگریز ہی تھے چند مسلمان استادوں سے بھی تعلیم پائی مگر وہ کتابی اسباق پڑھاتے تھے پھر ان کو اسلاف کے عقائد اور اعمال سے کچھ ایسی دلچسپی نہیں تھی جو طلباء کے خیالات کی اصلاح اور ان میں اسلامی جذبات پیدا کرتی جب میں یورپ سے پڑھ کر آیا اور اللہ تعالےٰ نے مجھے بڑی ملازمت دلوا دی تو پھر مجھ کو دین کی طرف توجہ کا شوق پیدا ہوا۔ میں نے اوّل تو انگریزی ہی میں قرآن حکیم کے ترجمے پڑھے پھر احادیث

شریف کے انگریزی اردو کے ترجمے دیکھنے لگا۔ ہندوستان کے چند مصنفین اور ترجمہ کرنے والوں نے نبیوں خصوصاً حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند معجزات کو بہت مشکوک طریقوں سے بیان کیا ہے اور صحابہ اور اہل بیت کے افتراق بلکہ انشقاق کو نمایاں کر کے لکھا ہے میرے دل میں چند شکوک پیدا ہو گئے۔ میں ان کے دور کرنے کے لیے چند عالموں کی خدمت میں حاضر ہوا ہر سُنی اور شیعہ عالم نے مجھ کو اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کی۔ جب میں نے ان کی باتوں، طریقوں اور دلائل پر اعتراض کیا تو نہایت بد اخلاقی سے کہنے لگے کہ آپ میں حق بات سمجھنے کی صلاحیت نہیں گویا آپ خدا کی طرف سے دین کی سمجھ سے محروم ہیں۔ اس پر میری اسلامی عقیدت میں بہت ہی تزلزل پیدا ہو گیا اور میں یہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا کہ یہ لوگ نہ تو نائبانِ رسول صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں اور نہ ان کو اسلام کی تبلیغ میں کچھ مہارت ہے یہ لوگ اپنی ذاتی اغراض کے لیے جماعتیں بنائے بیٹھے ہیں اور ان سے چندے وصول کر کے عیش و آرام کے دلدادہ ہیں۔ متکبر اور مغرور کے مجسمہ ہیں۔ کبھی میں نے مولوی اور پیر کو پہلے اسلام کرتے نہیں دیکھا۔ ہاں جو لوگ مسجدوں، مدرسوں کے لیے چندے لینے آتے ہیں وہ تو نہایت ادب سے سلام دعا کرتے ہیں اور اپنے دام میں پھانس کر کچھ نہ کچھ اینٹھ لیتے ہیں۔ مگر ان کے اخلاق ذاتیہ قرآن حکیم کے بالکل خلاف معلوم ہوتے ہیں۔ ان تلخ تجربوں پر مجھ کو مولویوں سے دلی نفرت پیدا ہو گئی

میں پادریوں، کبھی کبھی پنڈتوں کے پاس جانے لگا ان کے اخلاق اور اطوار سمجھانے کے لب ولہجہ میں یہی تہذیب اور کشش پائی۔ لیکن آپ ایک ہی مولوی مجھے ایسے نظر آئے کہ گیٹ آؤٹ کہنے اور میری سخت بد اخلاقی کے باوجود جو میں نے اپنے تمام کمرے والوں کے سامنے کی آپ نے مجھے نرمی سے جواب دے کر اپنا راستہ لیا۔ اور آج پھر بھی مجھے ملنے کی جسارت کی۔ میرے دل پر آپ کے اس مربیانہ اور ناصحانہ انداز واخلاق کا بہت ہی اثر ہوا ہے۔ میں نے اس پر ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ یہ آپ کی ذرہ نوازی اور خوش اعتقادی ہے۔ میں تو کوئی عالم یا پیر نہیں ہوں جو کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مجھ کو قرآن وحدیث سے ملا ہے اس کو اپنے بھائیوں یعنی انسانوں تک پہنچانا اپنا فرض سمجھتا ہوں مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ آپ مجھے اچھا کہیں یا بُرا۔ اور ہم تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نمونے ہیں نہ بنتے نہ رہیں گے۔ انسان ایک جونک سے بنا۔ مگر اس خالق کی قدرت نے ایسا کر دیا کہ تمام دنیا کا سردار ہے۔ اس کی پیدائش پر اس کی مجبوری اور محتاجگی بھی ظاہر ہے اور جب بدن سے طائر روح پرواز کر جاتا ہے تب بھی اس کی حالت اور کیفیت محتاجِ بیان نہیں رہتی۔ ایسے آدم زاد کو غرور وتکبر کی جسارت کس طرح ہو سکتی ہے؟ اگر وہ اپنے اس خالق اور مالک کو دن میں ایک بار بھی یاد کرتا رہے۔ تو پھر اس کے ان انعامات کو جو پیدائش سے موت تک فرماتا رہا ہے بھول نہیں سکتا جس نے زندگی کو اپنے بے

بایاں احسانات کے ذریعہ الیسی پر لطف عزیز اور قابل قدر بنا دیا ہے کہ اس کی مفارقت یعنی موت کا خیال بھی بدن میں رعشہ پیدا کر دیتا ہے۔ یہ سن کر ان کے آنسو نکل پڑے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے مجبور المخلقت انسان کو کہ جس کے قبضہ اور قدرت میں اس کا اپنا جسم اور کیفیات و حالات، صحت و تندرستی، فلاح و بہبود کچھ بھی نہیں۔ کیا ہمیں اپنی ان قوتوں پر کوئی قدرت ہے۔ جن کی بنا پر ہم زندہ اور ہشاش بشاش، اور عزت و احترام، عقلمندی اور دانائی سے سرفراز ہیں۔ یہی حقائق تو ہیں جو انسان کو اس خالق مطلق اور مالکِ کل کی رضا طلبی اور قرب جوئی کے سے کشاں کشاں ان کی خدمت میں لے جاتے ہیں۔ جن سے دین یعنی مالک و مولا کے خوش کرنے اور اپنی غلطیوں کی معافی مانگنے کے طریقے معلوم ہونیکی امیدیں ہوتی ہیں۔ پھر میں نے ان کی دانائی پر ان کی پیٹھ ٹھوکی اور عرض کیا اگر اسلامی کسی نظریہ پر کسی قسم کا شک و شبہ بھی آپ کے خیال مبارک کو پریشانی کا باعث ہو تو میں آپ کا ادنیٰ خادم ہوں۔ مجھے یاد فرمایئے۔ آپ کی ہر پریشانی اللہ تعالیٰ کے حصولِ قرب کا جو طریقہ بھی خاتم النبیین نے فرمایا ہے انشاء اللہ تعالیٰ میں بیان کرنے سے دریغ نہیں کروں گا۔ انہوں نے چند شکوک بیان کیے میں نے اللہ تعالےٰ کے فضل سے تسلی بخش جوابات دیئے تو وہ بہت خوش ہوئے۔

گناہوں اور برائیوں سے بچانا

ہر مسلمان کا فرض عین ہے۔ چونکہ

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو اسی لیے دوسری امتوں پر برتری بخشی ہے ۔ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ۔ پ ۳ ۔

اے مسلمانوں تم بہتر جماعت ہو وہ جماعت کہ لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے تم اچھائیوں کا حکم دیتے ہو۔ برائیوں، ناپسندیدہ باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر یقین کامل رکھتے ہوئے اچھی باتوں کی ترغیب دینے اور برائیوں سے روکنے کے دو طریقے ہی زیادہ ہیں کہ داناؤں عقلمندوں کو پیار و محبت سے نیکی کی خوبیاں بتائی جائیں اور ان کو ایسی دلیلوں سے ذہن نشین کرایا جائے کہ وہ تسلیم کر لیں۔ اور بے وقوفوں کو نرمی سے ممکن ہو تو بہتر ورنہ سختی سے بھی سیدھے راستے پہ لانا اور نقصان دہ اور قابلِ نفرت کاموں سے بچانے کی کوشش کرنی فرض ہے ۔ تاکہ ملک میں نیکیاں پھیلیں اور برائیوں سے لوگ محفوظ رہیں ۔ اگر بالفرض بڑوں ۔ بزرگوں یا ملک کے حاکموں کی فرائض شناسی میں کوتاہی ہوتی ہو تو ان کو بھی ان کے عزت و احترام کے قیام اور ملک کی بہبود کے لیے صحیح مشورہ دینا ضروری ہے لیکن اس اصلاحی کام اور مذہبی فریضہ ادا کرنے میں نفسانیت اور خود غرضی کا شائبہ نہ ہو خلوص و محبت کا جذبہ نمایاں ہو۔ اگر ایک آدمی کی رسائی یا کامیابی ممکن نہ ہو تو اہل علم و ادراک متحد ہو کر حاکموں کو ایسے مشورے دیتے رہیں جن سے اہل ملک ان سے

بیزار یا ناراض نہ رہیں اور ملک سے خرابیاں بھی دور ہو جائیں ۔ یہ تو ہر آدمی جانتا ہے کہ جن کی حکومت استبداد جبرائم ۔ قیامِ امن وامان اور خواص وعوام کی فلاح وبہبود اور فارغ البالی کا ذریعہ نہیں ہے وہ پبلک اور عوام کے دل میں اپنی محبت قدر ومنزلت پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہیں ۔ یہ ان کی کسرشانی کا بھی ذریعہ اور حکومت کے کمزور ہونے کا بھی بدترین سبب ہو سکتا ہے ۔ اب مدبرین دین اور ملک کی قابلیت کا اظہار ایسے فرض نہ شناس حکام کی درستی ہی سے ہو سکتا ہے ۔ ہاں ایسی مثالیں بھی تاریخوں میں ہیں کہ جابر ظالم حاکم مدبر مشوروں کو تسلیم نہ کرکے ظلم وستم کرتے تھے پھر جلد ہی خدائے تعالیٰ کے عذاب میں گرفتار ہو جاتے تھے ۔ اور حکومتیں چھن جاتی تھیں لیکن دین وملک بلکہ حکومت کے خیر خواہوں نے ان کو برابر درستی کی تعلیم جاری رکھی اگرچہ بعض ان میں سے شہید بھی کر دیے گئے اور کیا مسلمانوں سے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا سانحۂ عظیمہ پوشیدہ ہے ؟ محرم کا مہینہ تو اسلامی سال کا پہلا ماہِ مبارک ہے ۔ مولانا ظفر علی خاں مرحوم کا یہ شعر بھی اکثر مسلمانوں کی زبانوں پر ہے ۔

کرتی رہے گی پیش شہادت حسین کی
آزادیٔ حیات کا یہ سرمدی اصول
چڑھ جائے کٹ کے سر ترا نیزے کی نوک پر
لیکن تو فاسقوں کی اطاعت نہ کر قبول

اگرچہ دین وملک اور حاکموں کی حکومت کو مقبولِ خدائے تعالیٰ

اور مفید خلائق اور عوام پسند، ہر دلعزیز بنانے کی جدوجہد میں موت بھی آجائے تو وہ شہادت ہے جو قرآن کریم کی رو سے حیاتِ جاودانی ہے

بہت ہی اہم بشارت

آپ نے اسی کتاب کے ۳۲ صفحہ پر عیسائیوں کی مقدس کتاب پیدائش کے ۱۶ باب کی آیت ۱۰ سے آیت ۱۲ تک کی وہ بشارت بھی پڑھی ہے جو حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی تھی کہ میں تیری اولاد کو بہت بڑھاؤں گا یہاں تک کہ کثرت کے سبب سے اس کا شمار نہ ہو سکے گا۔ اور یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے فرزندِ ارجمند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تھے جن کی اولاد میں ہمارے نبی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پیدا ہوئے اور آپ نے بھی اس بشارت خداوندی کی خوشی میں فرمایا کہ میں مسلمانوں کی کثرت پر فخر کروں گا۔ پھر قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اولاد کی طلب کی دعائیں کرنے کا حکم بھی دیا کہ اب تک شیعہ سنیوں میں تلاوت اور دعا کے طریقے سے پڑھی جاتی ہیں۔ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا ؕ اور رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اور رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ۚ وغیرہ دعائیں۔ اور وہ کتاب پیدائش کی خوشخبریاں ثابت کرتی ہیں کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک اولاد کی کثرت، نعمت اور باعثِ مسرت

سے کہیں کہ خوشخبری یا مژدہ تو اچھی ہی خبر کو کہتے ہیں۔ اور حضور اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے فخر کا سبب بھی نہایت ہی مفید کام یا چیز یہ ہو سکتی ہے اور اللہ تعالےٰ قرآن کریم میں نعمتیں مانگنے کی تاکید یا ترغیب فرماتا ہے۔ کسی زحمت یا آفت ومصیبت طلب کرنے کی تو اجازت بھی نہیں دیتا۔ اور ان تمام دلائل رضائے خدا اور رسول صلے اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سے ثابت ہوا کہ کثرت اولاد مبارک اور مفید بلکہ نعمت ہے۔ تو خدائے تعالیٰ کی نعمت کو زحمت یا ملکی بربادی کا سبب سمجھنا کسی مسلمان کے تو خیال میں بھی نہیں آ سکتا خصوصاً ایسے زمانے میں جب کہ اکثر ملکوں میں اقتدار اور حکومتیں اکثریت ہی کے قبضے میں پائی جاتی ہیں ظاہر ہے کہ اگر ہندوستان میں مسلمان ہندوؤں سے زیادہ ہوتے تو زیادہ چیزیں ان کے حصے میں آتیں اور پھر اپنے ان بھائیوں کو چھوڑ کر بھی نہ جانا پڑتا جو آج اپنی اقلیت کی وجہ سے ہندوؤں کی کثرت کے ظلم وستم کا شکار بنے ہوئے ہیں۔ اور ہندوؤں کو دیکھئے کہ وہ کثیر ہوتے ہوئے بھی کثیر ترین ہونے کی جد وجہد میں دن رات مصروف ہیں۔ اس وقت میرے سامنے ۲۵ اکتوبر ۱۹۶۸ء یوم جمعہ کا نوائے وقت اخبار موجود ہے جس کے صفحہ ۷ کے کالم ۷ پہ سرخی ہے۔ ڈیڑھ منٹ میں ایک بچہ۔ اور ہر سال دو کروڑ دس لاکھ بچے پیدا ہوتے ہیں اس طرح ۲۶ سال میں بھارت کی آبادی ایک ارب ہو جائے گی۔ حالاں کہ بھارت میں بعض علاقے غیر کاشت ہونے

کی وجہ سے محفوظ کی خبریں بھی آ جاتی ہیں اور سنا ہے کہ پاکستان کی نسبت وہاں غلے کی گرانی بھی ہے۔ ہندو اپنی اقلیت کی کوشش کو اپنے دھرم کے خلاف سمجھتے ہیں۔ کیوں کہ ان کے ہاں یہاں تک حکم ہے کہ جب عورت کے اس کے شوہر سے بچے نہ ہوتے ہوں وہ دوسرے مردوں سے بچے حاصل کرنے کے لیے ربط ضبط پیدا کرے۔ ہاں اسلام اور آسمانی کتابوں کی تعلیم میں اس کو زنا کہہ کر قابلِ رجم گناہ قرار دیا گیا ہے میں نے شاید اسی سال کسی اخبار میں پڑھا تھا کہ مغربی ممالک میں کوئی ملک ایسا ہے جہاں زیادہ بچے دینے پر انعامات دیے جاتے ہیں ہمارے آقا و مولا حضرت رحمت اللعالمین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ تو ضرور فرمایا ہے کہ اے مسلمانو ان عورتوں سے نکاح کرو جو زیادہ بچے جنتی ہوں۔ ہمارے حکام عالی مقام چین کے تو سچے اور پکے دوست مانے جاتے ہیں مگر افسوس کہ وہ چین سے بھی وہ مفید مفید اور باعث ترقی امور نہیں سیکھتے جو چین نے اسلام سے لے کر دنیا میں اپنی اکثریت آبادی مساوات، کفایت شعاری۔ اور باہمی اتحاد دوسروں سے استغنا اور خودداری میں قابلِ قدر مقام حاصل کیا ہے! افسوس میرے مہربان ملک و مدعیانِ علوم جدیدہ یورپ زندگی کا شکار ہیں کہ ملک کی تباہی کے لیے ان کی تقلید و پیروی کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ یہاں بھی پاکستانیوں کی صفتِ نقالی یورپ کے ذرائع ترقی، صنعت و حرفت میں اپنے جوہر نہ دکھا سکی کہ ابھی تک ضروریاتِ زندگی میں بھی ان کے محتاج ہیں ان

مسلمانوں کی ہزار سالہ باج گزار قوم ہندو نے تو تمام ضروریاتِ زندگی
بنا ڈالیں۔ اور ان کے استعمال کے عادی ہو گئے۔ مگر جن کے
اسلاف صدیوں حاکم رہے آج ان کی حیثیت اس فرمان دار قوم
کی نخوت اور غرور کے لیے مہمیز کا کام کر رہی ہے۔ یا خدائے قدوس
اس مسلمان کو عقلِ سلیم اور خود داری کا وہ جذبہ عطا فرما جس کی تعلیم
برسوں ان کے چہیتے شاعرِ حکمت دیتے رہے۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

اور اللہ تعالیٰ نے تو خود ہی فرما دیا۔ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا
وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ط پ۴
رکوع ۵ سورۃ آلِ عمران و پ۵ رکوع ۱۲ سورۃ نساء
اور پ۲۶ کے رکوع ۸ میں تو مومنوں کے چاہنے والے خدائے
قدوس نے یہاں تک فرما دیا ہے کہ فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا
إِلَى السَّلْمِ وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ
وَلَنْ يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ۔ ترجمہ: پہلی آیت کا
ترجمہ تو یہ ہے کہ اے مسلمانوں تم ہمت نہ ہارو اور غم رنج مت کرو
اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم سچے ایمان دار ہو اور پارہ ۵ کے رکوع
۱۲ کا مضمون بھی اسی طرح کا ہے لیکن یہ اوپر والی آیت مسلمانوں
کو بہت دلیر کرنے والی ہے۔ پھر تم ہرگز ہمت نہ ہارو اور نا کافر دل

سے ڈر کر صلح کی پیش کش کرو ۔ دراں حالانکہ تم غالب اور افضل ہو۔ اور تمہارے ساتھ تو خود اللہ تعالےٰ ہی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمالِ برتری اور فوقیت کے قائم رکھنے والے کاموں کے ثمر لقبوں میں کمی نہیں کرے گا۔

کیا یہ قرآن کریم سے غفلت نہیں کہ ہمارے صدرِ ذی قدر

گورنر عدل گستر اور حکامِ عالی مقام، قرآن و سنت ہی کی اطاعت اور پیروی پر بڑی لمبی چوڑی تقریریں کرتے ہیں۔ مگر قرآن و سنت کے بنیادی نظریات اور تقاضوں کو خاک میں ملا کر کفار و مشرکین خصوصاً پاکستان کے بدترین دشمنوں کی تخریبی کارروائیوں کا خود آلہ کار بنے ہوئے ہیں کیا ان حضرات کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ اپنے معتقدات، اعلانات اور دعوؤں کی تردید کی کوشش کرنے سے انسان کی قدر و منزلت بلکہ انسانی شرافت اور عزت کا عذار ہو جاتی ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ خود ہی اپنے بیانوں کی تردید کر کے اپنی خفت و سبکی عقل کا ثبوت دے رہے ہیں ۔ اللہ تعالےٰ نے تو قرآنِ کریم میں جھوٹوں پر لعنت فرمائی ہے ۔ لَعْنَتُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ اور سرکار دو جہان خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے صاف صاف فرمادیا کہ اَلْکِذْبُ یُھْلِکُ یعنی جھوٹ ہلاکت کرتا ہے کیا ہمارے حکومت کرنے والوں میں اتنی سمجھ بھی نہیں کہ وہ عزت و

احترام پیدا اور حکومت کو مضبوط کرنے والے طریقوں کو بھی پہچان سکیں؟ میرا تو خیال ہے کہ یہ بے چارے اس سمجھ بوجھ سے قاصر ہیں۔ چونکہ ان کی حکومت کے نظام کی مخالف آوازوں نے انہیں حکومت کے قیام اور استحکام کی فکروں کے جال میں پھانس دیا ہے۔ یہ بھی سوءِ اتفاق ہی ہے کہ وہ لوگ جو اسلام کے بنیادی اصول اور ارکان کے بدترین دشمن اور نظریۂ تعمیرِ پاکستان کے شدید ترین مخالف رہے ہیں وہی ان کے سننے کے کان اور دیکھنے کی آنکھیں۔ بلکہ فہم و ادراک معتقدان کے لیے دل و دماغ تک بن چکے ہیں۔ وہ ان کو ایسے ہی مشورے دیتے ہیں جو حکومت کے لیے مضر اسلامی نظریات سے محروم کر کے تباہی کے غارِ عمیق میں گرانے کا آسان طریقہ ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ وہ حضرات جنہوں نے بچپن سے اپنے زمانۂ شعور انسانیت تک غیر مسلموں بلکہ اسلام کے مخالفوں کی خدمات میں کمال کی کوششیں کیں اور ان کی خلافِ تہذیبِ اسلامی کی نقالی پیروی اور تقلید کو ان کی رضاجوئی کا ذریعہ سمجھتے رہے وہ اسلامی حکومت کے قیام اور دینِ اسلام شریعتِ محمدی کی ترویج و تائید کس طرح کر سکتے ہیں؟ میں دعویٰ سے صرف کہتا ہی نہیں ہوں بلکہ عقل مند انسان سے دلائل و براہین کے ذریعے منوانے اور اقرار کرانے پر قادر ہوں کہ ہمارے یہاں سادہ دل حکام کے گرد وہی لوگ جمع ہیں جو تخریبی مشورے منوانے کے لیے جی حضوری میں لگے ہیں۔

اگر شہ روز را گوید شب است ایں
بباید گفت اینک ماہ و پروین

یہ حضرت سعدی رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ سادہ لوح حاکموں کو ابلیسوں نے گمراہ کیا ہے کہ اگر بادشاہ۔ صدر یا بڑا حاکم دن کو رات کہہ دیتا ہے تو وہ کہتے ہیں۔ سبحان اللہ! حضور نے کتنی سچی بات فرمائی ہے! دیکھیئے تو وہ آسمان پہ چاند اور وہ ستارے نکلے ہوئے ہیں۔ بادشاہ سلامت ان باتوں کو سن کر خوش ہوتے ہیں اور ان مشیروں، مصاحبوں جی حضوریوں پہ دولت کے دروازے کھول دیتے ہیں۔ کہیں نقد انعامات عطا فرمائے جا رہے ہیں۔ کسی کو پرمٹ اور لائسنسوں کے ہار پہنائے جا رہے ہیں۔ کسی کو وزارت اور امارت کی کرسیوں پہ بٹھا کر کارکردگی پہ نعرۂ تحسین کے ڈونگرے برسائے جا رہے ہیں مگر یہ بات فقط موجودہ حکومت پہ ہی صادق آنے کے لیے نہیں بلکہ دنیا میں۔ اکثر فرائض سے ناآشنا حکومتوں کا دستور بن چکی ہے۔ اور ہمارے پاکستانیوں میں تو شاید دو چار سال کے بعد ہی یہ شاہی مزاجی چالو ہو گئی تھی۔ یہاں حکومت اور کسی منصب کے لیے دانائی، اور ذہنی اور فکری قابلیت کی شرط نہیں۔ رشوتیں، سفارشات اور تعارفات ہی پہ دار و مدار رہا۔ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ میں نے تو اکثر وزیروں اور ذمہ دار حاکموں کو ان کے فرائض منصبی کے علم و لیاقت سے

بھی گوارا ہی پایا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے بھائیوں کو دینی اسلامی بلکہ انسانی ہی سمجھ بوجھ دیدے کہ دوست دشمن کو پہچان سکیں اور عوام کے دلوں کو اپنی محبت قدر و منزلت میں گرفتار کر سکیں۔ لیکن یہ نعمت اللہ تعالیٰ کی بندگی اور حضور اکرمؐ کے مبارک طریقوں ہی کے ذریعے میسر آسکتی ہے۔ علامہ فرماتے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی ترجمانی کرتے ہیں۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

یہ ہے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے غلاموں کی دلداری خالق مطلق کے نزدیک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے دین اسلام۔ قرآن اور اسوۂ حسنہ کے بدترین دشمن ہیں کیا وہ اس میں خارج نہیں ہیں؟

حکومت کا طریق کار: ایسا ہونا ضروری ہے جو ملک کے خواص و عوام کی اصلاح اور حفاظت کا ذریعہ ہو۔ اور اہلِ ملک کے دلوں میں نفرت اور بدظنی کے جذبات پیدا نہ کرے۔ خصوصاً مذہبی عقائد اور تقاضوں کی مخالفت بالکل نہ کرتا ہو۔ کیونکہ ہر ملک میں خود اندرونِ ملک حاسدین اور خود ایسے بھی ہوتے ہیں جو بدنظمی اور حکومت کی طرف سے برگشتہ کرنے کو اپنا پیشہ سمجھتے ہیں۔ پھر ایسا ملک جس کے بیرونی دشمن بھی حکومت اور حکام کے زوال کے آرزومند ہوں۔ حکومت بڑی دانائی سے سچے خیر خواہ داناؤں۔ بلکہ شریعت اور سیاست کے ماہرین کو اہم معاملات میں مشیر بنائے۔ مگر یہ ضروری

ہے کہ ان میں اقتدار طلبی - دولت اندوزی کے جذبات نمایاں نہ ہوں اور تعمیر پاکستان - اور مسلمانوں سے ہمدردی اور تعاون کا ثبوت بھی دے چکے ہوں اور ملک میں خصوصاً مسلمانوں میں اتفاق و اتحاد کی کوشش میں لگے رہتے ہوں اور عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے پر تلے ہوئے ہوں - اسلامی اخوت اور مساوات اور عوام کی نفع رسانی کو اللہ تعالیٰ کی خوشی اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضامندی بلکہ دونوں جہاں میں اپنی سرخروئی کا ذریعہ سمجھتے ہوں - چونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام زمانوں میں نبیوں رسولوں اور کتابوں کو اسی غرض سے نازل کیا تھا کہ حکام اور مالدار اور صاحبانِ اقتدار عوام الناس کی اصلاح اور فلاح و بہبود کی خاطر بڑے مرتبوں سے سرفراز کئے جاتے ہیں - اور حضور اکرم سردار دو جہان خاتم المرسلین رحمت العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرما دیا ہے کہ خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُ النَّاسَ - یعنی سب انسانوں میں وہی اچھا ہے جو لوگوں کو فائدے پہنچاتا ہے - اور ہمارے قابل قدر علامہ اقبال فرماتے ہیں - شعر

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اسکا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

اللہ اللہ ہم تو وہ اُمت ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے خیر الامم کا خطاب عطا فرمایا اور ہمارے آقا سردارِ دو جہان اور ان کی اُمت کے لیے پہلے تمام نبیوں نے دعائیں کیں اور مبارک بادیاں دیں - بلکہ انہیں کی حکومتوں

سرداریوں۔ اور جود وکرم عدل و انصاف کو خدائے تعالیٰ کی بادشاہت۔ آسمانی حکومت اور زمینی شہنشاہی کی فرحت بخش خبریں دیتے رہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارشادات:

انجیل متی باب۵ آیت ۳ تا ۱۰۔ مبارک ہیں وہ جو دل کے غریب ہیں۔ کیونکہ آسمان کی بادشاہی انہیں کی ہے۔ مبارک ہیں وہ جو حلیم ہیں۔ کیونکہ وہ زمین کے وارث ہوں گے۔ مبارک ہیں وہ جو راستبازی کے بھوکے اور پیاسے ہیں کیونکہ وہ آسودہ ہوں گے۔ مبارک ہیں وہ جو رحم دل ہیں۔ کیونکہ ان پر رحم کیا جائے گا۔ مبارک ہیں وہ جو پاک دل ہیں۔ کیونکہ وہ خدا کو دیکھیں گے۔ مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں۔ کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے۔ مبارک ہیں وہ جو راستبازی کے سبب ستائے گئے ہیں۔ کیونکہ آسمان کی بادشاہی اُنہیں کی ہے۔۔۔

ایک سوال: بعض عیسائی لوگ کہتے ہیں کہ یہ مبارک باد یاں عیسائیوں کے لیے ہیں۔۔ تو اس کا جواب خود انجیل متی باب۹ آیت ۱۳ میں یوں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا۔ میں راستباز دل کو نہیں بلکہ گنہگاروں کو بلانے آیا ہوں۔ اور انہوں نے ہی انجیل متی کے باب۱۰ کی آیت ۳۴ سے تا آیت ۳۷ میں یوں فرمادیا کہ یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پہ صلح کرانے آیا ہوں۔ صلح کرانے نہیں بلکہ تلوار چلوانے آیا ہوں۔ کیونکہ میں اس لیے آیا ہوں کہ آدمی کو اس کے باپ سے اور بیٹی کو اس کی ماں سے اور بہو کو

اس کی سانس سے جُدا کر دوں۔

ناظرین: آپ کو معلوم ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے راست بازوں اور صلح کرانے والوں کو مبارک بادیاں دے کر صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی امت یعنی مسلمانوں کی خوشخبری دی ہے جس کے لیے تمام شاگردوں کو بھی تاکیدیں کرتے رہے۔ دیکھئے انجیل متی باب آیت ۵ سے ۷ تک ہے کہ ان بارہ (شاگردوں) کو یسوع نے بھیجا اور حکم دے کر کہا کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا۔ بلکہ اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا اور چلتے چلتے یہ منادی کرنا کہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے۔ اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد بنی اسرائیل ہی کی ہدایت اور ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بادشاہی کی خوشخبری سنانے کے لیے تشریف لائے تھے۔ آسمان کی بادشاہی تو وہی کہلا سکتی ہے جو تمام عالم کی ہدایت کے لیے ہو۔ چونکہ تمام مخلوق کا رب اور مالک تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اس کی جانب سے تمام مخلوق کی ہدایت اور نظام کی صورتیں بروئے کار آتی ہیں۔ آسمان اور زمین کی بادشاہی صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ہو سکتی ہے۔ چونکہ آپ تمام عالموں اور جہانوں کے لیے رحمت اور ہدایت کا ذریعہ بنائے گئے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں نہایت صاف بیان ہے کہ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ - إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ

اِلیٰ کَافَّۃِ النَّاسِ - اِنِّی رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا یعنی ہیں تمام انسانوں کا رسول ہوں - اب مسلمانوں کو لازم ہے کہ تمام نبیوں کی اُن بشارتوں اور خوشخبریوں کے مطابق تمام مخلوق کی فلاح و بہبود کا انتظام کرتے رہیں جو ان کے احاطہ تسلط میں ہوں - دل کا غریب ہونا اس امت کے حاکموں کی پہلی نشانی ہے - یعنی دل میں غرور تکبر نہ ہو - تمام زیر دستوں اور رعایا کی خدمت اور ان کی بھلائی کے طریقے اختیار کرنے میں کسی قسم کی تکلیف محسوس نہ کریں گے - نہ ان کے ساتھ غرور اور تکبّر سے برتاؤ کریں گے - یعنی جس طرح حضرت رحمۃُ للعالمین اور ان کے گھر والوں اور ساتھیوں نے دنیا والوں کے ساتھ محبت اور پیار سے زندگی بسر کی اور ان کو آرام پہنچانے میں مصروف رہے - اور اُن کی بھلائی کو اپنی ذاتی غرضوں سے بہتر جانا اور جو کچھ اپنی خلافتوں - حکومتوں میں مخلوق کی فیض رسانی کے لیے کیا قیامت تک آنے والے مسلمان بھی ایسا ہی کرتے رہیں گے - بس وہ ہی اللہ تعالےٰ کے مبارک بندے اور اُن تمام مبارک بادیوں کے حقدار ہیں جو آسمانی کتابوں میں دی گئی ہیں - ہر مسلمان حاکم کا اول ترین فرض ہے کہ وہ اپنے ملک میں راست بازی - رحم و کرم - مساوات - عدل و انصاف کے طریقے جاری کرے - اور اُن تمام باتوں سے ملک والوں کو روکے جو آپس میں لڑنے جھگڑنے کا ذریعہ اور باہمی اتحاد کو فنا کرنے والی ہوں - چونکہ صلح کرانا - اور بچھڑے ہوؤں کو ملانا بھی ہر مسلمان خصوصاً حکام کا فرض ہے - اور ہمارے حضور اکرمؐ اور ان کے فرماں برداروں نے انہی صفات کے

جلوے دکھائے تھے، مولانا حالی نے اس کو خوب بیان کیا ہے۔ شعر

جب امت کو سب مل چکی حق کی نعمت ؛ ادا کر چکی فرض اپنا رسالت
رہی حق پہ باقی نہ بندوں کی حجت ؛ نبیؐ نے کیا خلق سے قصدِ رحلت
تو اسلام کی وارث اک قوم چھوڑی
کہ دُنیا میں جس کی مثالیں ہیں تھوڑی

سب اسلام کے حکم بردار بندے ؛ سب اسلامیوں کے مددگار بندے
خدا اور نبیؐ کے وفادار بندے ؛ یتیموں کے رانڈوں کے غم خوار بندے
رہ کفر و باطل سے بیزار سارے
نشہ میں مئے حق کے سرشار سارے

جہالت کی رسمیں مٹا دینے والے ؛ کہانت کی بنیاد ڈھا دینے والے
سراحکام دیں پر جھکا دینے والے ؛ خدا کے لیے گھر لٹا دینے والے
ہر آفت میں سینہ سپر کرنے والے
فقط ایک اللہ سے ڈرنے والے

اگر اختلاف ان میں باہم دگر تھا ؛ تو بالکل مدار اس کا اخلاص پر تھا
جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا ؛ خلاف آشتی سے خوش آئندہ تر تھا
یہ تھی موج پہلی اُس آزادگی کی . . . . .
ہرا جس سے ہونے کو تھا باغِ گیتی

نہ کھانوں میں تھی واں تکلف کی کلفت ؛ نہ پوشش سے مقصود تھی زیب و زینت
امیر اور لشکر کی تھی ایک صورت ؛ فقیر اور غنی سب کی تھی ایک حالت

لگایا تھا مالی نے ایک باغ ایسا
نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا
خلیفہ تھے امت کے ایسے نگہباں
ہو گلے کا جیسے نگہبان چوپاں
سمجھتے تھے ذمی و مسلم کو یکساں
نہ تھا عبد و حر میں تفاوت نمایاں
کنیز اور بانو تھی آپس میں ایسی
زمانہ میں ماں جائی بہنیں ہوں جیسی
نہ وہ حق میں تھی دوڑ اور بھاگ اُن کی
فقط حق پہ تھی جس سے تھی لاگ اُن کی
بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ اُن کی
شریعت کے قبضے میں تھی باگ اُن کی
جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ
جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ

یہ تو تھے ہمارے اسلاف مگر ہم نے اپنی نا اتفاقی کی وجہ سے وہ عزت و آبرو کھو دی۔ پاکستان جو اتحاد کی برکت سے بنا اس میں بھی جھگڑے ہیں۔

پاکستان میں جھگڑوں کی بنیادیں: پہلی بنیاد تو مسلمانوں میں وہ تفریق ہے جو مخالفین اسلام نے مسلمانوں میں اُن کی فتح و ظفر اور یقینی کامیابیوں کے روکنے کی خاطر پیدا کی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ اُمتِ محمدیؐ اپنے اتفاق اور جذبۂ اخوت سے مزیّن ہے اور جدھر بھی جاتی ہے۔ بڑے بڑے بادشاہوں اور حکومتوں پر قابض ہو جاتی ہے۔ یہود و نصاریٰ کے تمام ممالک تحریر سے مسلمانوں کے قبضۂ اقتدار میں جا رہے ہیں اگر یہی حال رہا تو پھر ساری دُنیا

کا دین اسلام ہو جائے گا اور کسی غیر قوم یا مذہب کی حکومت تلاش کرنے پر بھی نہ مل سکے گی۔ انہوں نے مسلمانوں میں شامل ہو کر اور اپنے ظاہری اتقا اور پرہیز گاری کے فریب کے پھندے پھیلا کر۔ جذباتی اور اتحاد کی فرضیت سے غافل ہونے والوں کو پھانس لیا۔ اور در پردہ حضرت علی علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے استحقاقِ خلافتِ اولیٰ کے خیالات لوگوں میں پیدا کرنے لگے اور جب کچھ لوگ ان کے ہم خیال ہو گئے تو اس تھوڑی سی جماعت کا نام شیعانِ علیؓ رکھ لیا۔ لیکن شیعہ سنی دونوں کی معتبر کتابوں سے ثابت ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے اس تفریق کی بنیاد کو مٹا دیا۔ کیونکہ قرآنِ کریم میں کئی جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَلَا تَفَرَّقُوْا۔ یعنی اور ہرگز فرقہ بندی اور دوسروں سے جدائی نہ کرو۔ اور اتحاد و اتفاق کے متعلق تو بہت سی آیات ہیں۔ ہم آپ کو حضرت علی علیہ السلام کے ارشادِ گرامی سے اتحاد کی فضیلت دکھاتے ہیں۔ دیکھیے نہج البلاغہ جلد دوم کے صفحہ ۱۹۶ پر اپنے دونوں بیٹوں کو یوں وصیت فرماتے ہیں۔ اوصی کما وجمیع ولدی واھلی ومن بلغہ کتابی۔ تَقْوَی اللّٰہِ۔ وَنَظْمِ اَمْرِکُمْ وَصَلَاحِ ذَاتَ بَیْنِکُمْ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ جَدَّکُمَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ صَلَاحُ ذَاتَ بَیْنِکُمْ اَفْضَلُ مِنْ عَامَّۃِ الصَّلٰوۃِ وَالصِّیَامِ اللّٰہِ۔ یعنی میں (علی) تم حسن و حسین دونوں کی اور اپنی تمام اولاد۔ اور اپنے گھر والوں اور ہر اس آدمی کو وصیت کرتا ہوں۔ جس

تک میری تحریر یا خط پہنچے۔ اول اللہ تعالےٰ سے ڈرنے کی۔ دوم۔ اپنے معاملات درست رکھنے کی اور آپس میں متفق رہنے کی۔ یقیناً میں نے تمہارے نانا جانؑ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ باہمی اتفاق تمام نمازوں اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے جو روزے رکھے جائیں ان سب سے افضل ہے۔ صلاح ذات بین کے معنی ہیں۔ دو آدمی جو آپس میں نااتفاقی کے شکار ہوں ان دونوں میں صلح کرا دینا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرما دیا ہے۔ کہ اَلصُّلْحُ خَیْرٌ۔ صلح بہتر ہے۔ تو بھلا حضرت نبی کریمؐ اور اُن کے چاہنے والے فرماں بردار۔ اہلِ بیت اور صحابۂ کبار باہمی تفریق اور نااتفاقی کو بُرا کیوں نہ جانتے؟ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ان کی تعریف اس طرح فرمائی ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ۔ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ان کے ساتھی کافروں۔ دین کے دشمنوں پر سخت یا غالب ہیں اور آپس میں بہت ہی رحم و کرم سے رہتے ہیں۔

دشمنوں کی ریشہ دوانی کا علاج: یہ تو آپ نے پڑھ لیا۔ کہ مسلمانوں میں نااتفاقی کا ذریعہ حضرت علی علیہ السلام کی اول خلافت کو بنایا تھا۔ کہ آپ کو پہلے خلیفہ مانا جاتا یا بنایا جاتا۔ حضرت علی شیرِ خداؑ نے اس کا یہ علاج کیا کہ خود اول خلافت ابوبکرؓ کو خود مانا بیعت کی اور ان کا برابر ساتھ دیتے رہے۔ پھر حضرت عمرؓ خلیفۂ دوم کے ساتھ متفق

رہے اور تیسرے خلیفہ حضرت عثمان رضؓ کی رفاقت میں باغیوں اور فسادیوں کا انسداد کرتے رہے۔ نہج البلاغہ کے پڑھنے والوں پہ یہ امر بھی پوشیدہ نہیں کہ اسد اللہ الغالبؑ کو اپنی خلافت اولیٰ اور حکومت کی آرزو بھی نہیں تھی۔ ایک خط حضرت امیر معاویہ رضؓ کو خود تحریر فرمایا کہ میں خلافت اور امارت کا حریص نہیں ہوں۔ تمہارے والد سفیان رضؓ نے مجھ سے حضور اکرم صؐ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضؓ کے خلیفہ ہونے پر کہا تھا کہ اے علی آپ خلافت کے زیادہ حقدار ہیں۔ آپ اشارہ کریں تو میں اس کی کوشش کروں۔ میں نے جواب دیا تھا کہ میں اگر خلافت چاہتا تو مجھ کو روکنے والا کون ہے؟ میں تو سب مسلمانوں کی رائے سے متفق ہوں۔ اور میں نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اے ابوسفیان ابھی تک تمہارے دل میں کدورت یا نفاق ہے۔ واقعی اگر حضرت علیؑ خلافت کی تمنا اور آرزو میں ہوتے تو بھلا کس کی مجال تھی کہ روک سکتا۔ اسد اللہ الغالب تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عطا کیا ہوا خطاب یا لقب تھا وہ سب جانتے اور مانتے تھے۔ اور پھر آپ کو سردار دوجہان خاتم الانبیاء علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد گرامی پر بھی یقین کامل تھا جو اپنی حیات شریفہ میں فرمایا تھا کہ اے علی تمہاری خلافت کا وقت مشیت ایزدی میں حضرت عثمان رضؓ کے بعد ہے۔ یہ وہی ارشادِ رسالت مآب صؐ تھا جس کو حضرت علی شیرِ خدا رضؓ نے اپنی خلافت کے پہلے ہی خطبہ میں بڑے فخر سے بیان فرمایا۔ دیکھئے اصول کافی میں حضرت جعفر صادقؑ سے کیسی پیاری روایت میں

منقول ہے کہ اَنَّ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَیْہِ السَّلَام لَمَّا بُوْیِعَ بَعْدَ قَتْلِ عُثْمَانَ صَعِدَ الْمِنْبَرَ وَخَطَبَ خُطْبَۃً۔ وَ قَالَ وَاللّٰہِ مَا کَتَمْتُ وَشْمَۃً وَمَا کَذَبْتُ کَذْبَۃً وَلَقَدْ نُبِّئْتُ بِھٰذَا الْمَقَامِ وَھٰذَا الْیَوْم۔ اسکا ترجمہ : ملاں خلیل صاحب نے فارسی میں یوں کیا ہے کہ بخدا قسم کہ پنہاں داشتہ نشد از من یک غالب شدن بحکومت دنیا۔ یعنی ہر بادشاہیکہ پیدا میشود بعد از رسولؐ ہمہ را بمن گفت و از من چیزے پنہاں نکرد۔ و ہرگز یک دروغ نگفتم و ہر آئینہ بتحقیق خبر کردہ شدم بایں مرتبہ و ایں روز یعنی نبی گفت کہ بادشاہی فلاں روز بتو خواہد رسید۔ الصافی شرح اصول کافی جلد ۳ صلے کتاب الایمان۔ اب اس کا ترجمہ اردو بھی ملاحظہ فرمایئے۔ کہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی قسم مجھ سے چھپایا نہیں گیا۔ ہر وہ شخص جو دنیا کی حکومت پر غالب آنے والا تھا۔ یعنی جو (خلیفہ) بادشاہ بھی حضورؐ کی وفات کے بعد پیدا ہوتا ہے سب کے متعلق مجھ کو رسولؐ نے فرما دیا تھا۔ اور بتا دیا تھا اور مجھ سے تو انہوں نے کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں رکھی تھی۔ اور میں نے کبھی ایک بار بھی جھوٹ نہیں بولا۔ بلا شک و شبہ مجھ کو اس مرتبہ اور اس دن کی خبر دیدی تھی۔ یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اسے علی تم کو فلاں روز بادشاہی (خلافت) ملے گی۔ ناظرین فیصلہ فرمائیں کہ جب حضرت علیؑ کو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کی خلافت اور بادشاہی کا وقت حضرت عثمان غنیؓ کے قتل

کے یا شہادت کے بعد مقرر فرما دیا تھا۔ اور یہ تقرر یقیناً "مشیت ایزدی" ہی تھا تو پھر حضرت علی علیہ السلام اس وقت سے پہلے اپنی امامت و خلافت کا ادعا۔ مطالبہ یا خواہش کس طرح کر سکتے تھے؟ کیا کوئی آدمی یہ خیال کرتے ہوئے کہ حضرت علیؑ نے حضرت نبی کریمؐ کی بات کو جھوٹا سمجھا۔ اور قبل از وقت ہی اپنی خلافت کا اشتیاق دل میں لیے بیٹھے رہے مسلمان رہ سکتا ہے؟ میرا تو اس پر ایمان ہے کہ حضرت علی جیسے لاڈلے اور نبی کریمؐ کے پیارے اُن کی دمی ہوئی خبر۔ اور فرماتے ہوئے ارشاد کی مخالفت نہیں کر سکتے تھے۔ اسی لیے تو حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ایسی اصول کافی میں تین بار ارشاد فرمایا ہے۔ کذب الوقاتون۔ یعنی وحی کے بغیر اپنی طرف سے خلافت کے وقتوں کا تخمینہ یا دعویٰ کرنے والے جھوٹے ہیں۔ اور آگے فرماتے ہیں کہ یہ وحی اور قرآن کے ذریعے ہم کو معلوم نہیں ہوا کہ ائمہ اہلِ بیت کو حکومتیں کس وقت ملیں گی۔ ہاں صرف حضرت علی السلام کی خلافت کا وقت حضور اکرمؐ نے خدائے تعالیٰ کے حکم سے مقرر فرما دیا تھا جو حضرت عثمانؓ کے بعد آیا۔ غرض ان حوالوں کے لانے کی یہ ہے کہ عام مسلمانوں میں غیر مسلموں کے کہنے سے جس خلافت کے لیے عداوت پیدا ہوئی اس کی اصل اللہ تعالیٰ اور خود خلیفہ چہارم کے نزدیک کیا تھی۔ افسوس ہے اس انسان پر جو اپنے کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت اور ان کے گھر والوں کی محبت کا مدعی کہہ کر مسلمانوں میں لڑائی جھگڑوں کی بنیاد کو قائم رکھنے بلکہ اس کے بدترین طریقے پھیلانے

کی کوشش کرتا ہے۔

شیعانِ پاکستان کے مطالبات : ہم پاکستانی انسانوں کو یہ معلوم ہے کہ پاکستان
میں ہر قوم اور مذہب کو اپنے مذہب کے ان احکامات پر عمل کرنے کی
آزادی ہے جو پاکستان کے نصب العین اور تعمیری بنیاد کے خلاف نہ
ہوں۔ آخر یہی شیعہ پہلی تفریقِ دین کا شکار ہونے والے۔ ڈیڑھ سو برس
برطانیہ کے محکوم۔ رعایا ہو کر بھی رہے اور اپنے فرائضِ دین بھی شیعہ مسلمات
کے مطابق ادا کرتے رہے۔ مگر وہاں تو وہ مطالبات کبھی ظاہر نہ کیے۔ اور
حضرت قائدِ اعظم تو خود شیعہ ہی تھے۔ مگر کیسے ہمدرد ملک اور اسلامی
فریضۂ اہم ترینِ اتحاد کے کس قدر حامی کہ اپنے اخلاقِ حمیدہ؟ اور صفائے
باطن کے جذبات سے سرشار تھے کہ قرآن و سنت ہی کے مبارک
ناموں کو اپنی کامیابی یعنی تعمیرِ پاکستان کا بہترین ذریعہ سمجھ کر لا الٰہ الا اللہ
محمد الرسول اللہ کی آواز بلند کی اور بہت سی مخالفتوں کے باوجود
سنیوں کی اکثریت کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ وہ خوب جانتے تھے کہ ہماری ڈیڑھ
سو سالہ غلامی کی بدترین بنیاد ہماری تفریق ہی تھی۔ اس کے فراموش کئے اور
چھوڑے بغیر ہم اتفاق کی دولت سے سرفراز نہیں ہو سکتے۔ قرآن و سنت
کے اجراء کا دعویٰ ہی تمام تفریق اور باعثِ شر و فساد خرافات کے انسداد
کا تہیہ ہے۔ قائدِ اعظم یا لیاقت علی خان کے زمانوں میں پاکستان کے
شیعہ حضرات کیا خوابِ غفلت میں پڑے تھے؟ اور قائدِ اعظم اگر ان

چیزوں کو مذہباً یا عقیدۃً لازم اور ضروری سمجھتے تو وہ خود اس کی طرف توجہ فرماتے۔ یعنی جاری کر دیتے۔ مگر وہ جانتے تھے کہ یہی تفریقی پہلو تو مسلمانوں کی غلامی کے بدترین موجب ہیں۔ وہ خود بھی سنیوں کو مسلمان جانتے تھے اور ان کے پیچھے نمازیں بھی پڑھتے تھے۔ لیکن افسوس ہے اُن شیعہ کہلانے والے حضرات پر کہ قائدِ اعظم بانیٔ پاکستان کے ہم مشرب ہوتے ہوئے ان کے نظریات کی مخالفت پر کمربستہ ہو کر اس دولتِ اتحاد کو ضائع کرنے پر تلے ہیں جو صدیوں کے بعد قائدِ اعظم نے ہم کو عطا فرمائی تھی۔ اب میں آپ کے سامنے وہ مطالباتِ شیعہ پیش کرتا ہوں۔ جن کو منوانے اور جاری کرانے کے لیے یہ تن جد و جہد میں مصروف ہیں۔

پہلا مطالبۂ شیعہ: یہ ہے کہ ہماری دینیات جُدا ہو۔ یعنی شیعہ بچوں کو پڑھائی جانے والی کتابیں ایسی ہوں جن میں شیعوں کو سنیوں سے علیحدہ اور جدا ثابت کیا گیا ہو۔ تاکہ شیعہ بچوں کو ذہن نشین ہو جائے کہ ہم سنیوں سے جُدا ہیں اور سنی ہم سے جُدا ہی نہیں بلکہ ہمارے دین کے بدترین دشمن ہیں۔ شیعہ دینیات کورس۔ مرتبہ مولوی ظفر حسن صاحب امروہوی ملال فاضل و منشی فاضل کے صا۲۱ پر سوال ہے کہ کیا نبی اور رسول کی طرح امام بھی خدا ہی کی طرف سے معین کیا جاتا ہے؟ جواب۔ بیشک ہر امام منصوص من اللہ ہوتا ہے۔ یعنی خدا کا انتخاب کیا ہوا۔ بندوں کو اس انتخاب میں کوئی دخل

نہیں۔ اگر بندے اپنی جہالت سے کسی کو خود اپنا امام بنالیں تو وہ امام مُضِلّ و گمراہ کہا جائے گا۔ یہ ص۲۱ کی عبارت تھی۔ اب ذرا انہیں فاضل صاحب کی ص۲۵ کی عبارت بھی دیکھئے :۔

سوال :۔ حضرت علیؑ کو خلیفہ بلا فصل کیوں کہتے ہیں؟

جواب :۔ حضرت رسولِ خداؐ نے تو حکمِ خدا سے اپنا وصی و جانشین حضرت علیؑ ہی کو بنایا تھا اور اپنی زندگی کی مدت میں بارہا اس کا ذکر بھی کر دیا تھا۔ مگر مسلمانوں نے بسبب حضرت علیؑ سے عداوت رکھنے کے بعد آنحضرتؐ کی وفات کے پہلا خلیفہ ابوبکر اور دوسرا خلیفہ عمر کو اور تیسرا عثمان کو اپنی ذاتی رائے سے تجویز کر لیا۔ اور اور چوتھے نمبر پر حضرت علی کو خلیفہ بنایا۔ لہٰذا خلیفہ بلا فصل کہہ کر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ جو تین خلیفہ پہلے بنائے گئے تھے وہ رسول اللہؐ کے حقیقی جانشین نہ تھے۔ ان کے وصی برحق حضرت علیؑ ہی تھے۔ رسول اللہؐ اور ان کے درمیان کسی خلیفہ کا فصل نہیں۔ آہ یہ دینیات کی کتاب یا کورس تو اس امروہہ کے رہنے والے فاضل کا ہے۔ کہ جس امروہہ میں مولانا فرزند علی صاحب ہی غالباً شیعانِ امروہہ کے بڑے مجتہد اور عالم تھے۔ مگر ان کی عادت یہ تھی کہ جب سُنتے کہ کہیں تعزیہ داری کے معاملہ میں سنی شیعہ لڑ رہے ہیں تو فوراً پہنچ جاتے اور دونوں کو ایسی محبت اور معقولیت سے سمجھاتے کہ لڑائی مٹ جاتی۔ اور اسی امروہہ میں سید آل نبی صاحب ایک ملنے ہوئے رئیس اور وکیل تھے۔ ان کا تو کام ہی دونوں میں صلح و

آشتی کرانے کی جدوجہد تھی۔ سُنّی شیعہ دونوں کے میلاد اور مجلسوں
میں شریک ہوتے اور اپنے مکان پر دونوں کو بلاتے۔ سنّیوں میں بھی کئی
بڑے عالم امروہہ میں تھے۔ جیسے مولانا احمد حسن صاحب امروہی۔ یہ
علمائے کرام ایسے تھے کہ جب تک زندہ رہے سُنّی شیعوں کو لڑنے
نہیں دیا۔ چونکہ سنّی بھی تعزیے بناتے تھے۔ مجلسیں کرتے تھے۔ اور شیعہ
حضرات بھی گھوڑے اور ماتم کے دلدادہ تھے۔ لیکن دونوں میں شر پسند
لوگ بھی فرقہ بندی کے دیوتا کے پجاری تھے۔ اور ان کے ساتھ علم والے
بھی اپنے بازار گرم کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ جیسے مولانا محمود عباسی
صاحب امروہی جنہوں نے پاکستان میں بھی تفریق کا جال پھیلایا۔ مطلب
یہ ہے کہ ایسی متعصب اور فرقہ بندی کی باتیں کرنے والوں ہی نے مسلمانوں
میں لڑائی جھگڑے قائم رکھے۔ لیکن پاکستان میں آنے کے بعد تو ان لوگوں
کو تعمیر پاکستان کے نظریہ کی قدر کرنی چاہیئے۔ کیونکہ بیرونی دشمنوں کے سوا
اندرونی ایسے دشمن بھی موجود ہیں جو اسلامی معتقدات ہی کے مخالف اور
تخریب پاکستان اور اپنے اقتدار کے بھوکے ہیں۔ اگر قائداعظم کے قدردان
اور قرآن و سُنّت کو کسی درجہ میں بھی قابلِ نجات سمجھنے والے آپس میں
دست و گریباں رہیں تو پاکستان کا کیا بنے گا؟ اور یہ تفرقہ پھیلانے
والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ان کے تمام پیاروں کے
دشمنوں کی صف ہی میں جگہ پائیں گے۔ جن دشمنانِ دین کے دلوں میں
حضور اکرم صلعم اور اُن کے ساتھیوں کی متحدہ اسلامی جدوجہد اور کامیابیوں

کو مٹانے کا جذبہ تھا اُنہیں کی بیخ کنی کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اٹل اور قابلِ یقین فیصلہ فرما دیا ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ط ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ پ۲۶ رکوع ۱۲ سورۂ فتح۔

ترجمہ: حضرت محمد اللہ تعالیٰ کے رسولؐ اور وہ جو آپ کے ساتھی ہیں۔ وہ کافروں کے مقابلہ میں بھاری۔ غالب ہیں۔ آپس میں مہربان ہیں۔ کہ تم اُن کو رکوع اور سجدوں میں دیکھتے ہو۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت فضل وکرم اور رضامندی کے طلبگار ہیں۔ ان کی پیشانیوں پر سجدوں کے نشانات ہیں۔ توریت اور انجیل میں بھی ان کی یہی صفتیں موجود ہیں۔

ایمان کا تقاضا: تو یہی ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے فیصلوں اور حکموں کو سچا سمجھے اور ان پر عمل کرنے کو لازم جانے۔ اور اُن کے خلاف تمام باتوں کو رد کرتا رہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے سردارِ دوجہان خاتم الانبیاءؐ اور ان کے متعلق یہ فیصلہ کر دیا کہ وہ دینِ اسلام کے دشمنوں پر غالب تھے اور آپس میں بہت ہی پیار محبت سے رہتے تھے کہ اللہ تعالےٰ نے بڑے فخر سے ان کے متعلق فرما دیا۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔ یعنی تمام ایمان والے آپس میں

ان کے ساتھیوں سے ۱۳

بھائی ہیں۔ مولانا حالی بھی شیعہ ہی تھے۔ انھوں نے خود مسدس میں حضور اکرمؐ اور ان کے اہلِ بیتؑ اطہار اور صحابہؓ کبارؓ کی پابندیِ دین اور باہمی اُلفت کا نقشہ کس صداقت کے ساتھ پیش کیا ہے جو ہم نے اسی کتاب میں بیان کر دیا ہے۔ پھر تمام حدیثوں میں بھی ان کے باہمی اتفاق کے حالات صحیح سندوں سے موجود ہیں۔ مسلمان کی تسکین اور تشفی تو قرآن و حدیث سے ہو جانی چاہیئے۔ غیر مسلموں اور مسلمانوں کو ذلّت کے غار میں ڈالنے والوں نے قرآن و حدیث کے مبارک طریقوں سے برگشتہ کرنے کی بدترین کوششیں کی ہیں اور عقیدوں میں شرک و کفر کی آمیزش کی جد و جہد نے اسلامی اتحاد کو پاش پاش کر دیا ہے۔

علمائے شیعہ کا اہم ترین فرض: یہ ہے کہ وہ تمام دنیا کے مسلمانوں سے زیادہ اسلامی نظریات کی اشاعت و تبلیغ کرتے ہیں۔ چونکہ وہ سردارِ دو جہاں خاتم الانبیاءؐ اور ان کے گھر والوں کی محبت کے مدعی ہیں۔ اور بابُ العلم حیدرِ کرار اسد اللہ الغالبؑ اور ان کے لاڈلے بیٹوں حضرت امام حسنؑ و امام حسینؑ سے بہ نسبت دوسرے مسلمانوں کے زیادہ عقیدت اور محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اگرچہ ہر مسلمان کی نجات کا ذریعہ یہی عقیدہ ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انتہائی محبت اور ان کے گھر والوں سے سچی عقیدت رکھے۔ یہ تو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ شیعوں میں ایسے حضرات بھی ہیں جو نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ خیرات کے پابند ہیں۔

اور اسلام کی فوقیت اور برتری کے لیے اور دین اسلام کی اشاعت و تبلیغ میں قابلِ قدر جد و جہد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرماتا رہے۔ لیکن اکثر و بیشتر علمائے شیعہ نے ان کے عقیدوں میں ایسے زہر ہلاہل کے قطرات گھول دئے ہیں کہ مجھ کو مذکورہ نیکیوں کے ضائع ہونے کا اندیشہ پریشان کر دیتا ہے چونکہ عقائد کی صحت اعمال کی مقبولیت کی دلیل ہے اور اکثر علماء کے نزدیک شرط ہے۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ سب سے اول اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات پر یقین کامل کرنا ضروری ہے اور قرآنِ حکیم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے احکامات کی پابندی لازمی ہے۔ اگر کوئی آدمی شیعہ ہو یا سُنی۔ یہ سمجھتا ہے کہ قرآنِ کریم کے احکامات اور خبریں غلط ہیں۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فیصلے۔ اور وہ ارشادات جن میں اُمت کے لیے زندگی کے تمام شعبوں میں رہنمائی فرمائی ہے غیر صحیح اور نا درست ہیں۔ تو وہ کسی صورت سے اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار بندہ اور حضور اکرم کا امتی نہیں رہ سکتا۔ بس تمام علمائے اسلام خصوصاً علمائے شیعہ کو ایسے باطل عقیدوں کی بیخ کنی کی جد و جہد میں مصروف رہنا ہی ان کی شایانِ شان ہے مسلمانوں میں قرآن و سُنّت کے خلاف عقائد اور جذبات پیدا کرنا یا قائم رکھنا حقیقت میں اللہ تعالیٰ اور نبی کریم اور ان کے پیاروں کے ساتھ بدترین عداوت ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس قبیح ترین جرم سے بچاتا رہے۔ آمین ثم آمین۔

مصلحانہ گفتگو: یہ تو غالباً آپ نے سمجھ لیا ہوگا۔ کہ میں آپ کا دعاگو خادم۔ انسانوں کو جنتی بنانے کی دھن میں لگا ہوں۔ تمام مذاہب والوں سے ملتا رہتا ہوں۔ مبدا و معاد پر گفتگو کرتا رہتا ہوں۔ مگر مسلمان کہلانے والوں کے باہمی اتفاق کی جدوجہد کو میں بہت ہی اہم فریضہ سمجھتا ہوں۔ اس لیے شیعہ سنیوں اور دیوبندی غیر مقلد اور بریلویوں کے اتحاد کے لیے اللہ تعالیٰ کے فضل سے کئی کتابیں بھی لکھی ہیں اور ان کے علماء کی خدمت میں بھی حاضر ہوتا رہتا ہوں۔ چونکہ مجھ کو شیعوں کی دینیات کی تردیج میں تفریق باہمی کا خدشہ تھا اس لیے میں نے شیعوں کے سنجیدہ متین اور قابل قدر عالم سید اظہر حسین صاحب زیدی کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ ہمارا سب کا دین تو اسلام ہی ہونا چاہیے۔ پھر جدا دینیات کی تعلیم کی جدوجہد کیوں ہے تو آپ نے فرمایا کہ چند عقائد اور مسائل مختلف ہیں۔ میں نے کہا کہ وہ عقائد و مسائل بچوں کے دلوں میں عداوت اور دشمنی پیدا کرنے کا ذریعہ نہ بن جائیں۔ تو مولانا اظہر حسین صاحب زیدی نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہوگا۔ میں نے مولوی سید ظفر حسن صاحب امروہوی کے شیعہ دینیات کورس میں ایسا ہی پڑھا ہے۔ تو فرمایا آپ وہ کورس مجھ کو دکھایئے۔ میرے پاس اس وقت نہیں تھا۔ میں نے دکھانے کا وعدہ کیا۔ مگر اس کے وہ ایک جملے بھی سنا دیئے۔ جو خلافت کے متعلق تھے۔ کہ سب سے پہلے خلیفہ تو خدائے تعالیٰ اور رسالت مآب کے احکام کے مطابق حضرت علی علیہ السلام

ہی تھے۔ مگر ان کے دشمنوں نے ان کو چوتھے نمبر پر ڈال دیا اور تین خلیفہ اپنی رائے سے بنا ڈالے۔ اور وہ مضل اور گمراہ تھے۔ اس پر مولانا زیدی صاحب نے فرمایا کہ یہ تو ہمارا عقیدہ ضرور ہے۔ میں نے کہا یہ عقیدہ ہی تو فساد کی جڑ ہے۔ چونکہ حضرت اسد اللہ الغالب علی مرتضیٰ علیہ السلام نے اپنی خلافت کے پہلے ہی خطبہ میں اعلان فرمادیا تھا کہ مجھ کو سردار دو جہان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ہی بتا اور جتا دیا تھا کہ اے علی تمہاری خلافت اور بادشاہی عثمان رضؓ کے بعد ہوگی۔ اور یہ بھی قسم کھا کر اور کہہ کر فرمایا تھا کہ میں نے اپنی زندگی میں کبھی ایک جھوٹ بھی نہیں کہا۔ یا بولا۔ اس پر مولانا زیدی صاحب نے بڑے جوش میں فرمایا کہ اگر ان کا یہ ارشاد ہو تو میں اپنے دونوں ہاتھ کٹوا دوں اور فوراً سنی ہو جاؤں گا۔ میں نے کہا ہاتھ تو نہ کٹوائیے فقط سُنّی ہی ہو جائیے گا۔ تو فرمایا کہ میں نہج البلاغہ منگوانا ہوں آپ اس میں سے دکھایئے۔ میں نے عرض کی کہ میری کتاب ۴۸۴ صفحات والی آپ کے پاس ہے اس میں ملاحظہ فرمایئے تو فرمایا وہ کتاب تو معلوم نہیں کہاں ہوگی۔ یہ کتاب میں نے صرف سُنّی شیعہ حضرات کے اختلافات دور کرتے ہی کو لکھی ہے۔ دُرِّ افکار از اہلِ بیت اطہارؑ۔ اس کا نام ہے۔ سُنّی اور شیعہ علماء اور محبانِ دین نے پڑھی ہے۔ میں نے زیدی صاحب سے عرض کی کہ میں آپ کی خدمت میں وہ عبارت پیش کروں گا۔ جس میں حیدرِ کرار علیہ السلام کا وہ خطبہ ہے جس میں اپنی خلافت کے وقت کی تعیین فرمائی ہے۔ تو زیدی صاحب

نے فرمایا ضرور لائیے۔ میں چائے پی کر ان سے اجازت لیکر رخصت ہوا۔

مولانا زبیدی صاحب سے دوسری ملاقات:

اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں ۲۲ شعبان المعظم ۱۳۸۸ھ مطابق ۱۴ نومبر ۱۹۶۸ء کو ریلوے روڈ کے برف خانہ کے قریب جناب زبیدی صاحب کے درِ دولت پر حاضر ہوا۔ سلام مسنون و مصافحہ کے بعد مذکورہ بالا شیعہ دینیات کورس پیش کیا۔ جب زبیدی صاحب نے یہ دونوں عبارتیں پڑھ لیں تو فرمایا کہ یہ کورس کسی بھی سکول میں نہیں پڑھایا جاتا۔ تو میں نے عرض کی پھر کن کے لیے ہے؟ تو فرمایا سکول کے علاوہ جو بچے پڑھتے ہیں ان کو پڑھایا جاتا ہوگا۔ میں نے کہا کیا آپ کے نزدیک تمام شیعوں کا خلافت کے متعلق یہی عقیدہ ہے تو جواب دیا کہ جی ہاں۔ اور میرا بھی یہی عقیدہ ہے تو میں نے کہا جناب یہ عقیدہ تو قرآنِ کریم اور خود حضرت علی علیہ السلام کے خلاف ہے تو فرمانے لگے میں آپ سے اس کے متعلق گفتگو کرنا نہیں چاہتا۔ میں نے عرض کی آپ نے اس کے قبل خود مجھ سے ہی فرمایا تھا کہ اگر حضرت علیؑ کا یہ ارشاد ہوگا تو میں اپنے ہاتھ قلم کروا دونگا۔ اور فوراً "سُنّی" ہو جاؤں گا۔ اور یہ فرما کر مجھ سے فرمایا تھا کہ میں نہج البلاغہ لاتا ہوں آپ اس میں سے نکال کر دکھائیے تو میں نے عرض کیا تھا کہ نہج البلاغہ کا حافظ تو نہیں ہوں۔ آپ دُرَرِ افکار از اہلِ بیت اطہارؑ۔ میری کتاب میں دیکھ لیجئے جو کئی سال پہلے آپ کو دی

تھی تو فرمایا کہ اس وقت وہ نظر میں نہیں ہے۔ تب میں آپ سے وعدہ کر کے گیا تھا کہ میں بھی ارشادِ حیدر کرار رض دکھاؤں گا۔ جس میں انہوں نے اپنی خلافت اور بادشاہت کا وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فرمانے پر عثمان رض کے بعد ہی تسلیم کیا ہے بلکہ اس کی تصدیق کے لیے آپ نے قسم بھی کھائی اور فرمایا کہ میں نے کبھی جھوٹ بھی نہیں بولا۔ تو زیدی صاحب نے فرمایا کہ یہ ارشاد حضرت حیدر کرار کا نہیں ہے! میں نے عرض کی کہ آپ علامہ رضی مؤلفِ نہج البلاغہ کا زیادہ اعتبار کریں گے؟ یا حضرت جعفر صادق علیہ السلام کا تو آپ نے جواب دیا کہ علامہ رضی تو حضرت جعفر صادق علیہ السلام کے پاؤں کی خاک کے برابر بھی نہیں۔ تو میں نے ان کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی مذکورہ روایت اپنے تھیلے سے نکالنے کا ارادہ کیا۔

حضرت علی علیہ السلام کا ارشادِ گرامی: حدیث۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ

اَنَّ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَمَّا بُوْیِعَ بَعْدَ قَتْلِ عُثْمَانَ صَعِدَ الْمِنْبَرَ وَخَطَبَ خُطْبَۃً ذَکَرَھَا یَقُوْلُ فِیْھَا۔ وَاللّٰہِ مَا کَتَمْتُ وَ شْمَۃً وَلَا کَذَبْتُ کِذْبَۃً وَلَقَدْ نُبِّئْتُ بِھٰذَا الْمَقَامِ وَھٰذَا الْیَوْمِ۔ (الصافی شرح اصول کافی جلد ۳ صہ۶ کتاب الایمان والکفر) اس حدیث کی شرح ملا خلیل شیعی یوں فرماتے ہیں۔ یعنی روایتست از امام جعفر صادق علیہ السلام کہ چوں

امیر المومنین بیعت کردہ شد بامامت بعد از کشتہ شدن عثمان۔ بالا رفت منبر را و خطبہ گفت مردم را بخطبہ کہ ذکر کردند آں خطبہ را۔ امام جعفر صادقؑ اول تا آخر۔

زیدی صاحب کی حق نمائی: اس تحریر کو تو اپنے ہاتھ میں نہیں لیا اور جلدی سے فرمایا۔ جناب خلافت اور بادشاہی تو ہم بھی بعد قتل عثمان ہی مانتے ہیں۔ ہم تو کہتے ہیں کہ حضرت علی بلا فصل امام تھے۔ میں نے کہا پھر شیعوں کا ہی یہ عقیدہ کہ ابوبکرؓ۔ عمرؓ اور عثمانؓ کو حضرت علیؑ کے دشمنوں نے خلیفہ بنا دیا تھا اور اُن کو چوتھا خلیفہ بنایا تھا؟ تو زیدی صاحب خاموش رہے۔ میں نے کہا کہ اگر صرف یہ مانا اور عقیدہ رکھا جائے کہ حضرت علیؑ رشد و ہدایت کے امام اول ہیں تو پھر سُنّی شیعوں میں لڑائی کی بنیاد ہی ختم ہو جائیگی کیونکہ اکثر سُنّی علمائے کرام کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ سلسلۂ طریقت اور معرفت کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد پہلے امام حضرت علی علیہ السلام ہی ہیں۔ اکثر و بیشتر بزرگوں نے اپنے تصوف کے سلسلوں کا امام اول حضرت علیؑ کو ہی گردانا ہے۔ تب مولانا اظہر حسین صاحب زیدی نے فرمایا کہ بس یہی عقیدہ بالکل صحیح ہے۔ تو میں نے کہا کہ مہربانی فرما کر آپ مسلمانوں کے دل و دماغ سے یہ عقیدہ بھی دور کرنے کی کوشش کیجئے جو مدتوں سے سُنّی شیعوں میں نزاع اور دشمنی کا سبب بنا ہوا ہے۔ اسلام میں اختلافاتِ صحیحہ کے فیصلوں کا صرف یہ طریقہ بتایا گیا ہے۔ فَاِنْ

تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ۔ یعنی اگر تم آپس میں کسی مسئلہ میں نزاع کرتے ہو تو اس مسئلہ کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے پوچھ لو۔ اگر ہمارے شیعہ حضرات اس مسئلۂ خلافت بلافصل کو اللہ تعالیٰ کے ارشاد اور حضور اکرمؐ کی رہنمائی کی روشنی میں دیکھتے تو پھر کبھی اور کسی وقت بھی تفریق کا جواز نہ نکلتا اور مخالفین کے ڈالے ہوئے زہر تفریق کا اثر مٹ جاتا۔ مگر افسوس کہ شیعہ علماء نے اتفاقِ باہمی کی اہمیت کی طرف بے نفس ہو کر توجہ نہیں فرمائی۔ بلکہ اکثر و بیشتر حضرات اس تفریق کو اپنی مشیخت مآبی اور جلب منفعت ہی کا ذریعہ سمجھے۔ حالانکہ مذکورہ بالا حکم کے ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو قرآن و حدیث ہی کے ذریعہ اپنے جھگڑے اور اختلافات دور کرو۔ ذَالِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا پ ۵ لنساء۔ یہ طریقہ بہتر اور اس کا انجام مفید ہے۔ تب مولانا اظہر حسین صاحب زیدی نے فرمایا کہ ہم نے اپنے لیے جو کورس خاص کرایا ہے۔ اُس پر مولانا احتشام الحق اور مفتی محمد شفیع صاحب کے دستخط بھی ہیں۔ پھر مجھ کو اس کی نقل بھی پڑھ کر سنائی۔ اس میں یہ ضرور ہے کہ مسلمان بچوں کو ایسی تعلیم دی جائے کہ وہ کسی سُنی شیعہ کی دل آزادی کا باعث نہ ہو۔ اور اتفاق میں رکاوٹ نہ بنے۔ شیعہ اپنی مخصوص دینیات یعنی مسائل نماز روزہ وغیرہ پڑھتے رہیں۔ اس کی وجہ بھی زیدی صاحب نے یہ فرمائی کہ کورس کی چند کتابوں میں شیعوں کو کافر لکھا ہے۔ اس لیے

ہم نے ایسا مطالبہ کیا ہے۔ باہمی عداوت پیدا کرنے والے مضامین ہم کورس ہیں مضر سمجھتے ہیں۔ اس پر میں خوش ہوا۔ اور صرف یہ عرض کر کے چلا آیا کہ ایک مسئلہ عزاداری ماتم وغیرہ کا بھی ایسے رسم و رواج سے پاک کر دیا جائے جو باہمی جنگ و جدل کا ذریعہ بن سکتے ہیں اور جن کے لیے پولیس وغیرہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ پولیس کا انتظام جن معاملات کے لیے بھی ضروری سمجھا جاتا ہے یقیناً وہ شر و فساد کے احتمال سے لبریز ہوتے ہیں۔

مولانا مرزا احمد علی صاحب

موچی دروازہ کے اندر احاطہ نواب صاحب میں شیعوں کے پرانے عالم مرزا احمد علی صاحب۔ عربی۔ فارسی اردو اور انگریزی کے عالم ہیں۔ اور اپنے اخلاقِ حمیدہ۔ اور اسلام اور مسلمانوں کی ہمدردی میں بھی مشہور و معروف ہیں۔ میرے بہت دنوں سے کرم فرما ہیں۔ اور میں نے فتنۂ انکارِ حدیث یا مسلمانوں میں اتفاق کے لیے جو کتابیں بھی لکھی ہیں ان کی اشاعت و طباعت میں بھی میرے ساتھ تعاون فرماتے رہے۔ اور میری کتابیں بھی شوق سے پڑھتے رہے۔ خود بھی متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ مگر اپنے شیعہ عقیدہ میں بھی بڑے پکے ہیں۔ ہاں مصالحت کے پہلو کو بھی نظر انداز نہیں فرماتے۔ اسی وجہ سے میں اب بھی مصالحانہ جد و جہد کے سلسلہ میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بڑے تپاک سے ملے۔ میں نے ان سے یہی عرض کیا کہ آپ پرانے مناظر اور اپنی جماعت کے مبلغ ہیں۔ اس وقت اگر آپ میرے ساتھ تعاون فرمائیں

تو آپ کی شایانِ شان ہے فرمایا آپ کیا چاہتے ہیں؟ میں نے عرض کی باہمی اتفاق اور قرآنِ حکیم اور خاتم النبیین اور ان کے اہلِ بیت اطہار اور صحابۂ کبار کا خداداد منصب اور احترام قائم رکھنا چاہتا ہوں۔ اس وقت مخالفینِ اسلام اور وہ مسلمان کہلانے والے بھی جو غیر مسلمین خصوصاً یورپ کے مقلد ہیں۔ اسلامی نظریات کو عیسائیت کے سانچے میں ڈھالنے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے پیاروں کے دعووں کو جھوٹا ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اگر آپ اسلام کے قدر دان علمائے کرام اپنے اسلام کی فوقیت برتری اور تمام ادیان سے زیادہ افادیت پر متفق نہ ہوں گے تو پھر ہماری آئندہ نسلیں کدھر جائیں گی تو فرمایا۔ آپ ذرا صاف بیان کیجئے کہ کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ میں نے کہا وہی جو خدائے تعالیٰ چاہتا ہے۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ یعنی اے ایمان والو اور اسلام کی حمیت کا دعویٰ کرنے والو تم سب دین اسلام کی متفق ہو کر پیروی کرو۔ اور تفریق کو چھوڑ دو۔ بلکہ بالکل تفریق ہی نہ کرو۔ تب مرزا صاحب نے فرمایا کہ جناب صدیوں سے جو تفریق چلی آرہی ہے اس کو دور کرنا ممکن نہیں تو میں نے کہا کہ بعض کام ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ پہلوں سے تو نہ ہو سکے تھے۔ مگر بعد والوں نے کر کے دکھا دئے۔ اگر پدر نتواند پسر تمام کند۔ بھی تو پرانی ہی کہاوت ہے۔

مسٹر محمد علی جناح کی مثال: میں نے مرزا احمد علی صاحب

سے کہا کہ جناب انڈیا۔ ہندوستان میں بھی سنی۔ شیعہ۔ دیوبندی۔ بریلوی اہلِ حدیث یا غیر مقلد بھی صدیوں سے ہی باہمی تفریق کی وجہ سے مناظرے مباہلے اور لڑائی جھگڑے کی باتیں کرتے چلے آتے تھے۔ اور اسی وجہ سے وہ برطانیہ کی حکومت کے تسلط ہیں تھے جس نے ان کی باہمی تفریق میں شدت پیدا ہونے کے ذرائع بھی تیار کر اٹھے تھے مگر ایک ہمدرد قوم اور ملّت نے سب کو ایک جگہ جمع کر دیا۔ مسٹر محمد علی جناح بھی شیعہ ہی تھے۔ مگر انہوں نے تفریقی عقائد اور اعمال کو بالائے طاق رکھ کر صرف قرآن و سُنّت اور اسلامی نظریات کی حمایت کی برکت سے تمام مسلمانانِ ہند کو متحد کر دیا۔ اور ایسا متحد کیا کہ تعمیر پاکستان کی سخت ترین مخالفت کے بعد بھی پاکستان اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے موجود ہو گیا۔ گویا نا اتفاقی کی سزا میں جو غلامی دامن گیر ہو چکی تھی وہ اتفاق کی برکت سے حکومت اور آزادی کی صورت میں دنیا کے سامنے موجود ہو گئی ؎

ز اتفاقِ مگس شہد می شود پیدا   خدا چہ لذّتِ شیریں در اتفاق نہاد

اور اس اسلامی اتفاق کی آواز نے صرف مسلمانانِ ہند ہی کو غلامی سے آزاد نہیں کیا۔ بلکہ خود مسٹر محمد علی جناح کو بھی ایک وکیل یا بیرسٹر کی عام حیثیت سے بڑھا چڑھا کر قائدِ اعظم کے باعثِ فخر لقب یا خطاب سے سرفراز فرما دیا۔ دیکھا آپ نے اتحاد و اتفاق کا کرشمہ۔ اگر آپ حقیقت شناسی سے کام لیں تو شیعہ حضرات کا تمام سُنّیوں سے زیادہ اہم ترین فریضہ ہے کہ وہ قائدِ اعظم کی طرح اسلام کے تمام نام لیواؤں

کو منحد کرنے بلکہ اس نظریۂ اتحاد پر قائم رکھنے کی کامیاب جدوجہد کرتے رہیں۔ اس پاکستان کے مسلمانوں یا ان کے بچوں میں تفریق اور باہمی عداوت اور بغض و عناد کے نظریات کو پھیلانا یقیناً حضرت قائدِ اعظم اور اُن کے اتحاد کے مبارک نظریات کی بدترین توہین اور ہیچ کنی ہے۔ اور آپ نے جو اس وقت شیعہ بچوں کی تعلیم میں جن ضروریات کو جدا گانہ پڑھانے کی جدوجہد کی ہے اس میں تفریقی عقیدہ پیش پیش ہے۔ پھر میں نے خلافت بلافصل کے متعلق کہا۔ اور مولانا احمد علی صاحب سے عرض کی کہ جب اصولِ کافی میں حضرت جعفر صادق علیہ السلام کے ذریعہ سے حضرت علی علیہ السلام کا یہ ارشادِ عالی موجود ہے کہ میری خلافت کا وقت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت عثمان کے بعد مقرر فرمایا تھا۔ تو مرزا صاحب نے کہا کہ آپ کی بخاری کی طرح ہماری اصول کافی میں تمام روایتیں صحیح نہیں ہیں! تو میں نے کہا کہ اگر یہ مذکورہ روایت جعفر صادق علیہ السلام صحیح نہیں تو پھر نہج البلاغت والا ارشادِ علیؓ تو صحیح ہوگا۔ کہ آپ نے فرمایا کہ میں خلیفہ اول ابوبکرؓ اور خلیفہ ثانی عمرؓ کی موافقت اور تائید کرتا رہا۔ اور میں نے ان کے ہاتھوں پر بیعت کی تو مولانا احمد علی صاحب نے فرمایا کہ جناب وہ زمانہ ایسا ہی تھا کہ چاروں طرف کفار و مشرکین اسلام کے مٹانے کے درپے تھے۔ ایسے وقت میں حضرت حیدرؓ کرار باہمی تفریق کا اظہار کس طرح کر سکتے تھے؟ تو میں نے کہا کہ آج کل بھی پاکستان اور مسلمانوں کے مخالفین اسلام اور پاکستان کے بدترین

دشمن ہیں۔ پھر شیعہ حضرات تفرقے کی باتیں اور طریقے کیوں اختیار کر رہے ہیں؟ مرزا احمد علی صاحب اس پر ذرا تھوڑی دیر خاموش رہے۔ اسی وقت ایک صاحب آ گئے اور سلام مسنون کے بعد مرزا صاحب کے قریب ہی بیٹھ گئے۔ تو مرزا صاحب نے مجھ سے کہا دیکھئے یہ صاحب احمدی تھے۔ مگر اب اسلام کی طرف مائل ہیں۔ میرے پاس آتے رہتے ہیں۔ میں نے اس پر مرزا صاحب کو مبارکباد دی کہ آپ میں یقیناً اسلام کی تبلیغ کا جذبہ ہے اور آپ نے پہلے بھی کئی قادیانیوں کو مسلمان یعنی شیعہ بنانے کا ذکر مجھ سے کیا تھا۔ اُن صاحب کے آنے پر میں نے اس گفتگو کو ختم کر دیا۔ اور میں اجازت لے کر چلا آیا۔

حضرت علی علیہ السّلام کے ارشادات:

نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۸ پر آپ معاویہؓ کو یوں تحریر فرماتے ہیں۔
اِنَّهٗ بَایَعَنِیْ الْقَوْمُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا اَبَابَکْرٍ وَ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ عَلٰی مَا بَایَعُوْهُمْ عَلَیْهِ۔ فَلَمْ یَکُنْ لِلشَّاهِدِ اَنْ یَّخْتَارَ وَلَا لِلْغَائِبِ اَنْ یَّرُدَّ وَ اِنَّمَا الشُّوْرٰی لِلْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ فَاِنِ اجْتَمَعُوْا عَلٰی رَجُلٍ وَّ سَمُّوْهُ اِمَامًا کَانَ ذٰلِكَ لِلّٰهِ رِضًا فَاِنْ خَرَجَ مِنْ خَارِجٍ بِطَعْنٍ اَوْ بِدْعَةٍ رَدُّوْهُ اِلٰی مَا خَرَجَ مِنْهُ فَاِنْ اَبٰی قَاتَلُوْهُ عَلَی اتِّبَاعِهٖ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ وَلَّاهُ اللّٰهُ مَا تَوَلّٰی (نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۸)

ترجمہ بھی اسی صفحہ پر یوں لکھا ہے کہ مجھ سے اُنہیں لوگوں نے بیعت کی ہے۔ جنہوں نے ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ سے بیعت کی تھی۔ لہٰذا نہ تو حاضر کے لیے حق باقی رہ گیا ہے کہ بیعت میں اختیار سے کام لے اور نہ غیر حاضر کو حق ہے کہ بیعت سے روگردانی کرے۔ شورای تو صرف مہاجرین و انصار کے لیے ہے۔ اگر انہوں نے کسی کے انتخاب پر اتفاق کر لیا اور اُسے امام قرار دے دیا تو یہ اللہ تعالیٰ کی اور پوری اُمّت کی رضامندی کے لیے کافی ہے۔ اب اگر اُمّت کے اس اتفاق سے کوئی شخص اعتراض یا بدعت کی بنا پر خروج کرتا (باہر نکلتا) ہے تو مسلمان اُسے حق کی طرف لوٹا دیں گے جس سے وہ خارج ہوا ہے انکار کرے گا تو اُس سے جنگ کی جائے گی۔ کیونکہ اُس نے مومنوں کی راہ سے کٹ کر الگ راہ اختیار کی ہے۔ اور خدا اُسے گمراہی کے حوالے کر دے گا۔ یہ عبارت یعنی حضرت علی علیہ السلام کی تحریر تو نہج البلاغہ ہی کی ہے جس کو تمام شیعہ حضرات اور بہت سے سنّی بھی صحیح مانتے ہیں۔ اس تحریر میں تین امور کو حضرت علیؑ نے روزِ روشن کی طرح ظاہر فرما دیا ہے ع۱ مہاجرین و انصار کے فیصلوں کی اہمیت کہ ان کے فیصلے ہی اللہ تعالیٰ اور تمام مومنوں کی رضامندی کا سبب ہیں ع۲ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے پہلے کے تینوں خلیفوں کو امام قرار دیا ہے ع۳ جو مہاجرین و انصار کے اتفاق سے چنے اور منتخب کیے ہوئے اماموں کی بیعت سے انکار کرے گا تو وہ مومنوں

کی جماعت سے الگ مانا جائے گا اور مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس سے جنگ کریں۔ یہاں تک کہ وہ ان کی خلافت و امامت پر ایمان لے آئے۔ یعنی خلافت حقہ سمجھے اور پھر اللہ تعالیٰ بھی اُس کو گمراہی میں چھوڑ دے گا۔ کیونکہ اس نے مومنوں کی راہ سے گریز کیا ہے۔

حضرت علیؑ کی قدر و منزلت: کا تقاضا تو یہی ہے کہ مومن ان کے بیان پر ایمان لائے اور اس میں کسی قسم کا شک نہ کرے۔ اب آپ خود غور کیجئے کہ جب وہ خود مہاجرین و انصار کے متفقہ فیصلے کے انتخاب کو خدائے تعالیٰ اور تمام اُمّت کی رضامندی قرار دیتے تھے تو بھلا خود ان فیصلوں کے مطابق خلفائے ثلاثہ کی بیعت سے کیوں گریز کرتے؟ حالانکہ یہ گریز اللہ تعالیٰ کی طرف سے گمراہی کی دلیل ہے اور حضرت علی علیہ السلام نے مومنوں کے خلاف راستہ اختیار کرنے کا جملہ قرآن کریم کی اس آیۂ کریمہ کی طرف اشارہ کے طور پر فرمایا ہے۔

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (پ ۵ النساء)۔ اور جو آدمی ہدایت آنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے رسولؐ سے دشمنی کرے گا۔ اور مومنوں کی راہ کے خلاف راہ اختیار کرے گا تو ہم اس کو ڈھیل دیں گے۔ اور ہم اس کو جہنم میں ڈال دیں گے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ غرض یہ ہے کہ حضرت علیؑ کو حضور

اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے باب العلم فرمایا تھا یہ ممکن ہی نہ تھا کہ آپ قرآن کریم کے کسی فیصلے سے بھی غفلت جائز سمجھتے۔ مہاجرین و انصار کی پیروی اور اطاعت ہی پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رضامندی کی سندیں عطا فرمائی ہیں تو پھر حضرت علی علیہ السلام مہاجرین و انصار کے متفقہ فیصلے اور انتخاب کو بخوشی خاطر پسند کیوں نہ فرماتے؟ دیکھیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔ پ ۱۱ - التوبہ - ترجمہ : یعنی وہ لوگ جو پہلے ایمان لانے والے ہیں مہاجرین اور انصار میں سے اور وہ لوگ جنہوں نے ان کی کامل طور سے پیروی کی۔ اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ اور اُن کے لیے نہروں والی جنتیں مقرر کر دیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اُن کی بہت بڑی کامیابی ہے۔ اسی لیے حضرت حیدر کرار ؑ نے فرمادیا۔ یہ معاویہ رضؓ کے خط کی عبارت ہے کہ تم نے لکھا ہے کہ اسلام میں سب سے افضل اور اللہ و رسول کے ساتھ خیر خواہی میں سب سے آگے خلیفہ اول تھے اور خلیفہ دوم۔ بے شک اسلام میں اُن دونوں خلفاء کا مقام خاص ہے اور اُن کی وفات اسلام میں گہرا زخم ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے خاندان پر رحم فرمائے۔ اور انہیں ان کے

بہترین اعمال کا اجر دے (ضمیمہ نہج البلاغہ صـ۲۷۵ جلد دوم نہج البلاغہ)
پھر حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے متعلق فرماتے ہیں کہ میں اُٹھا اور ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ پھر اُن کے ساتھ معاملات کی درستی پر کمر بستہ ہو گیا۔ آخر باطل مر گیا اور کفار کے علی الرغم کلمۂ الٰہی سر بلند ہوا۔ ابوبکرؓ کی حکومت ٹھیک اور روش سیدھی رہی۔ اعتدال سے انہوں نے تجاوز نہ کیا۔ ان کے ساتھ میری ناصحانہ رفاقت تھی اور میں اُن سب کاموں میں اُن کی مجاہدانہ اطاعت کرتا رہا جن میں وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے تھے۔ پھر جب ابوبکرؓ کا وقت آخر ہوا تو انہوں نے عمرؓ کو بلایا اور خلافت سپرد کر دی۔ ہم نے ان کی بات مان لی اطاعت کی بیعت سے انکار نہ کیا۔ اور خیر خواہی کے وطیرے پر قائم رہے۔ عمرؓ کی سیرت بھی پسندیدہ تھی اور وہ عمر بھر اقبال مند رہے۔ (ضمیمہ نہج البلاغہ صـ۲۸۶)

حضرت علیؑ نے اپنے پہلوں کو امام مانا:

دیکھئے حضرت معاویہؓ کے ایک خط میں ارشاد فرماتے ہیں کہ عمرؓ نے تمہیں گورنر بنایا تھا۔ تو یہ کوئی دلیل نہیں کہ میں بھی تم کو شام کا گورنر رہنے دوں۔ عمرؓ نے ابوبکرؓ کے عہدہ داروں کو معزول بھی کیا تھا اور عثمانؓ نے بھی عمرؓ کے حاکموں کو الگ کیا تھا۔ امام تو اسی لیے ہوتا ہے کہ اُمت کی بھلائی دیکھے۔ اگلے اماموں کی ایک رائے ہوتی اور انہوں نے اس

پر عمل کیا۔ کسی کے عیب و ہنر اُن پر کھُلے اور کسی کے ڈھکے رہے۔ حالات بدلتے رہتے ہیں۔ ہر امام اپنی رائے اور اجتہاد ہی سے کام لیتا ہے۔ (ضمیمۂ نہج البلاغہ صفحہ ۲۲۳ جلد ۲) اب کتاب اور حضرت علیؑ کی یہ تحریر پڑھنے والے ذرا انصاف فرمائیں کہ انہوں نے اپنے پہلے والے تینوں خلیفوں ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ کو امام اور امّت کی بھلائی کے طریقے اختیار کرنے والا تسلیم کیا ہے اور اُن کو انکی رائے اور اجتہاد کا صحیح مستحق ٹھہرایا ہے۔ حضرت علیؑ کے ان فیصلوں اور مسلمات کو غلط سمجھنا۔ اور ان تینوں اماموں کی شان میں گستاخی کرنا کیا حضرت علی علیہ السلام کی توہین نہیں؟ جن خلیفوں اور اماموں کے متعلق حضرت حیدر کرارؑ کو ایسی عقیدت اور حسن ظن تھا ان کو کسی خلافِ شرع امر کی تہمت لگانا حقیقت میں حضرت اسد اللہ الغالبؑ کی بدترین تحقیر تنقیص اور توہین ہے۔ اے محبانِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور دلدادگانِ اہلِ بیت اطہارؑ۔ خدا کے لیے آپ اُن کے مقبول اور پسندیدہ اور مطاع حضرات کی طرف بدگمانیاں اپنے دلوں سے نکال کر تمام مسلمانوں اور ان کے بزرگوں سے اتفاق کی راہ اختیار کیجئے اور باہمی اتفاق و اتحاد کو چھوڑ کر عداوت دشمنی لڑائی جھگڑوں کے ہتھکنڈے بالکل چھوڑ دیجئے۔

آپ یعنی شیعہ اور سُنّی حضرات میں سب سے زیادہ اختلاف بلکہ عداوت کی بنیاد صرف تینوں خلفائے راشدین اور ائمہ تابعین کی مخالفت ہی ہے۔ یہی قرآن کی تعلیم ہے اور تمام پہلی آسمانی کتابوں میں

محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھیوں کے باہمی اتفاق اور اخوت کی جو تعریفیں ہیں ان کو جھٹلانے کی کوشش کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معیت سے محرومی کی طرف نہ جائے۔

مسئلہ عزاداری : عزا - یہ عربی لفظ ہے جس کے معنی ہیں مصیبت پر صبر کرنا۔ عزاداری کے معنی ہیں کسی کو مصیبت میں پوچھنا اور صبر کی تلقین کرنا (کشوری صـ ۳۱۹ و مفتاح اللغات صـ ۵۲۵) شیعہ حضرات نے اپنے مطالبات میں عزاداری بھی آزاد کرائی ہے۔ یہ گھوڑا نکالنا، ماتم کرنا، سینہ کوبی۔ اور ہائے ہائے کے نعرے لگانا اور مرثیے پڑھتے ہوئے گلی کوچوں اور بازاروں میں جانا۔ جیسا کہ محرم کے دنوں میں پاکستان میں بھی ہوتا ہے۔ ان باتوں میں بہت روپیہ بھی خرچ کیا جاتا ہے اور ایسے جلوسوں کے لیے پولیس وغیرہ کے انتظامات بھی ہوتے ہیں۔ ظاہر طور سے بھی یہ طریقہ علماء فضلاً اور حلیم اور غیور لوگوں کا نہیں ہے۔ اور اگر اس میں لڑائی جھگڑے کا احتمال ہو تو شرعاً اور قانوناً بھی درست نہیں۔ مگر ہم کو تو آخرت کی فکر دامن گیر ہے۔ ہم مومن اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہر مسلمان کہلانے والے کو ایسے طریقوں سے روکنا اپنا فرض سمجھتے ہیں جو قرآن حکیم۔ رسول کریم؁ اور اہلِ بیت؁ ہادیِ صراطِ مستقیم کے خلاف ہوں۔ چونکہ اُن کی مخالفت حرام ہے۔ اب میں آپ کی خدمت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اہلِ بیت رسول؁ کے نظریات

پیش کرتا ہوں تاکہ آپ ان پر عمل کر کے اپنی حُبّ ایمانی کا ثبوت دیتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ط وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ الَّذِيْنَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيْبَةٌ قَالُوْا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔ پ۲ رکوع ۳ سورہ بقرہ۔ یعنی اے انسانوں ہم تم کو آزمائیں گے۔ کسی قدر خوف سے۔ اور بھوک سے اور مالوں۔ جانوں کے نقصان سے اور پھلوں کے نقصان کے ذریعہ اور اے نبی کریمؐ آپ ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجئے کہ جب ان پر کسی قسم کی مصیبت آپڑتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم ہمارے مال اور ہماری جانیں اور ہماری تمام چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کی ہیں اور ہم سب اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانے والے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں مصیبت پر إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ہی کہنے والوں کو بشارت ہے اور صبر کے معنی بھی شریعت محمدی میں یہی ہیں۔ اور شیعوں کی معتبر حدیث کی کتاب اصول کافی میں اس طرح ہے۔ قال رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ الصبر ثلثة۔ صَبْرٌ عند المصیبة وصبر علی الطاعت وصبر عن المعصة فمن صبر علی المصیبت حتیٰ یردھا بحسن عزائھا کتب اللہ لہ ثلث مائة درجة۔ الخ (الصافی شرح اصول کافی جلد ۲ صـ ۱۲۸) ترجمہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ صبر کی تین قسمیں ہیں۔ مصیبت کے وقت صبر

کرنا اطاعت میں صبر کرنا۔ اور گناہ سے صبر کرنا۔ اور مصیبت پر صبر کرنے کے آسمان سے زمین تک تین سو درجے ہیں۔ اور حضرت علی ؑ نے یوں فرمایا۔ قال امیرالمومنین صلوٰت اللہ علیہ الصبر صبران۔ صبر عند المصیبت حسن جمیل۔ یعنی صبر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مصیبت پر صبر کرنا خوبصورتی اور نیکی ہے۔ اور پھر فرمایا ذکر ذکران۔ ذکر اللہ عزوجل عند المصیبت۔ یعنی ذکر کی دو قسمیں ہیں ایک ذکر کرنا اللہ تعالیٰ کا مصیبت کے وقت ان دونوں حدیثوں سے ظاہر ہے کہ مصیبت میں صبر جمیل کرنا اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہیئے۔

جو صبر نہیں کرتا وہ مومن نہیں ہے: عن ابی عبد اللہ علیہ السلام

قال الصبر من الایمان بمنزلہ الراس اذا ذهب الصبر ذهب الایمان (ص ۱۷۱ الصافی جلد ۴) یعنی حضرت محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ صبر ایمان سے ہوتا ہے کہ بدن سر سے قائم رہتا ہے۔ جب سر چلا گیا تو بدن بھی مردہ ہے۔ اسی طرح جب صبر نہ رہا تو ایمان بھی نہ رہا۔ دوسری حدیث دَفَعَہٗ اِلٰی عَلِی اِبنِ الحسین عَلَیہِمَا السَّلَامُ اَلصَّبْرُ مِنَ الْاِیْمَانِ بِمَنْزِلَتِ الرَّاْسِ مِنَ الْجَسَدِ وَلَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا صَبْرَ لَہٗ (اصول کافی ص ۱۷۵ ج ۴) اور راوی نے اس حدیث کو حضرت زین العابدین تک مسلسل

بتایا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ صبر ایسا ہے جیسا کہ بدن کے لیے سر ہے۔
اور جس آدمی میں صبر نہیں اُس میں ایمان نہیں ہے۔

صبرِ جمیل کیا ہے؟ قُلْتُ لِاَبِیْ جَعْفَرٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ یَرْحَمُكَ اللّٰهُ مَا الصَّبْرُ الْجَمِیْلُ

فَقَالَ ذَالِكَ صَبْرٌ لَیْسَ فِیْهِ شَكْوٰی اِلَی النَّاسِ (اصول کافی جزءِ چہارم صـــ181) راوی نے کہا کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے کہا کہ صبرِ جمیل کیا ہے؟ فرمایا کہ صبرِ جمیل وہ ہے جس میں لوگوں سے تکلیف کی شکایت نہ کی جائے۔ حدیث عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ اَلْجَنَّةُ مَحْفُوْظَةٌ بِالْمَكَارِهِ وَالصَّبْرِ فَمَنْ صَبَرَ عَلَی الْمَكَارِهِ فِی الدُّنْیَا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ حضرت محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جنّت تکلیفوں پر صبر کرنے والوں کے لیے مقرر ہے۔ پس جس نے دنیا میں تکلیفوں پر صبر کیا وہ جنتی ہے۔ حدیث قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ مَنِ ابْتُلِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فَصَبَرَ عَلَیْهِ كَانَ لَهٗ اَجْرُ اَلْفِ شَهِیْدٍ (اصول کافی جزءِ چہارم صـــ179) یعنی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جس مومن پر تکلیف اور مصیبت پڑی اور اُس نے اس پر صبر کیا تو اس کو ہزار شہیدوں کا ثواب ملے گا۔ اور اسی طرح صبر کرنے کی بہت سی تاکیدیں قرآنِ حکیم اور شیعہ حضرات کی احادیث میں بھی ہیں۔ دیکھئے حضرت حیدرِ کرار علیہ السلام کی حدیث قَالَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَلْاِیْمَانُ لَهٗ اَرْكَانٌ

أَرْبَعَةٌ - اَلتَّوَكُّلُ عَلَى اللّٰهِ وَ تَفْوِيضُ الْأَمْرِ إِلَى اللّٰهِ وَ الرِّضَاءُ بِقَضَاءِ اللّٰهِ وَالتَّسْلِيمُ لِأَمْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ (اصول کافی جلد چہارم ص۱۰۱) یعنی حضرت امیر المومنین (علی) علیہ السلام نے فرمایا کہ ایمان کے چار رکن ہیں ۱ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا ۲ اپنے کام اور معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا ۳ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر راضی رہنا - اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو بخوشی مان لینا -

اہلِ بیت کی خوشی کا ذریعہ ہی صبر ہے: عن ابی جعفر علیہ السلام

قال قال لی ابی مامن شیٔ اقر لعین ابیك من جرعة غیظ عاقبتہا صبر ومایسرنی ان لی بذل حمر النعم (اصول کافی ص۲۰۶ ج چہارم) یعنی حضرت باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے والد بزرگوار حضرت زین العابدین علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا کہ اے میرے بیٹے میرے لیے سب سے زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ تو صبر کر لیا کرے - غصّے اور تکلیف میں - بلکہ اصول کافی کے اسی ص۲۰۶ پر خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی بھی ہے -

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وسلم مِنْ أَحَبِّ سَبِيلٍ إِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ جُرْعَتَانِ جُرْعَةُ غَيْظٍ تَرُدُّهَا بِحِلْمٍ وَجُرْعَةُ مُصِيبَةٍ تَرُدُّهَا بِصَبْرٍ - یعنی اللہ تعالیٰ کے راستے میں سب سے پیارے دو گھونٹ ہیں - غصّہ کا

گھونٹ جس کو ضبط سے برداشت کیا۔ اور مصیبت کا گھونٹ جس کو صبر سے پیا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صبر ہی بڑی نیکی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الصَّابِرِیْنَ اللہ تعالےٰ صابروں سے محبت کرتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ۔ اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ خود صابرین کے ساتھ ہے تو اُس سے زیادہ صبر کی تعریف کیا ہو سکتی ؟ غرض یہ ہے کہ قرآن حکیم اور نبی کریمؐ اور ان کے تمام پیاروں کے نزدیک صبر بہت بڑی قابل قدر صفت ہے تو پھر بے صبری۔ پیٹنا۔ چلّانا ہائے اور واویلا کرنا تو یقیناً بے صبری۔ صبر کی ضد اور خلاف ہی ہیں۔ ان کاموں کو اللہ تعالیٰ یا اس کے رسولؐ کس طرح جائز فرماتے ؟ دیکھئے عربی کی لغات میں بھی جزع فزع کو صبر کی ضد ہی مانا گیا ہے۔ المنجد لغت میں لکھا ہے جزع عامنہ۔ وَ اَظْہَرَ الْحُزْنَ اَوِ لْکَدَرِ۔ اشفق۔ اور لغت صراح کے صفحہ ۳۰۸ پر ہے۔ جَزَعَ بالتحریک۔ ناشکیبائی کردن۔ نقیض صبر۔ اور غیاث اللغات کے صفحہ ۱۴۵ پر ہے۔ جزع ناشکیبائی۔ بے صبری اور منتخب اللغات کے صفحہ ۱۲۳ پر ہے جزع ناشکیبائی صبر کے خلاف۔ اور اصول کافی کے صفحہ ۱۷۱ پر ہے قَالَ عَلَیْکَ بِالصَّبْرِ فِیْ جَمِیْعِ اُمُوْرِکَ فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی بَعَثَ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ فَاَمَرَہٗ بِالصَّبْرِ۔ یعنی حضرت محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ تم تمام کاموں میں صبر کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ

و آلہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا اور ان کو صبر کرنے کا حکم فرمایا۔ اور فرمایا ان من الصبر صبرا قلیلا و ان من الجزع جزعا قلیلا ۔
ملاں خلیل صاحب شارح اصول کافی اس کا ترجمہ فارسی میں یوں کرتے ہیں کہ گفت امام اے حفص کہ ہر کہ صبر کرد در اندک زمانے بود صبر او و ثواب آں باقی ماند و بدرستیکہ ہر کہ بے تابی کرد در اندک زمانے بود بے تابی او و پشیمانی آں باقی ماند (صافی شرح اصول کافی صہ ۱۷۱ جلد ۵) ترجمہ: حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جس نے صبر کیا تو صبر تھوڑی دیر کا تھا لیکن اس کا ثواب باقی رہتا ہے اور جس نے بے صبری کی وہ بھی تھوڑی دیر کی تھی مگر اس کا عذاب پچھتاوا باقی رہتا ہے۔ اسی لیے تو حضرات انبیاء علیہ السلام صبر ہی کو پسند فرماتے رہے جب حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے کہا کہ یوسف ؑ کو بھیڑیے نے کھا لیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے سن کر فرمایا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ۔ یعنی پھر تو صبر ہی اچھا ہے۔ مگر آپ جانتے ہیں کہ یوسف ؑ جیسے بیٹے کی جدائی کا صدمہ رہتا تھا۔ اور روتے روتے نابینا ہو گئے تھے مگر کبھی کسی سے شکوہ شکایت نہیں کرتے تھے جب بیٹوں نے ان کو نڈھال پایا تو عرض کی معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس غم میں گھل جائینگے تو آپ نے فرمایا اِنَّمَا اَشْكُوْا بَثِّىْ وَحُزْنِىْٓ اِلَى اللّٰهِ پ ۱۳ ع ۴۔ سورہ یوسف یعنی میں صرف اللہ تعالیٰ ہی سے اپنے رنج و غم کی شکایت کرتا ہوں۔ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ اور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے

اس صبر کا اجر بھی جانتا ہوں جو تم کو معلوم نہیں۔ یعنی میرا یوسف مجھ کو اس حال میں ملے گا کہ وہ شہنشاہِ مصر ہوگا۔ سبحان اللہ تعالیٰ۔ صبر کا اجر بھی اللہ تعالیٰ ہی ایسا عطا فرماتا ہے کہ جس کا بیان بھی نہیں ہو سکتا۔

میں بہت ہی حیران ہوا: میں نے ۸ رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۹ نومبر ۱۹۶۸ء کو لاہور میں بہت ہی بڑا پوسٹر دیواروں پر چسپاں دیکھا۔ جس کی سرخی تھی۔ صبر کے مجسمہ۔ یا اسی طرح کی تھی۔ گویا سرخی حضرت علی علیہ السلام کے صبر کے بیان میں تھی اس پوسٹر کی غرض حضرت حیدر کرار علیہ السلام کی شہادت کے بیان کی مجلس کی طرف دعوت تھی۔ آہ آہ اس جماعت پر جو خاتم الخلفاء شیرِ یزداں شاہِ مرداں قوتِ پروردگار۔ کو اپنا ہادی اور راہنما جانتی بلکہ تمام دنیا میں اپنے آپ ہی کو ان کا سچا مطیع اور فرماں بردار۔ اور چاہنے والا مانتی ہے۔ کتنی موٹی سی بات ہے کہ جب وہ صبر کے پیکر تھے اور یقیناً تھے۔ تو آپ نے صبر کی ضد اور صبر کی بدترین مخالفت جزع فزع کو اپنا شعار کیوں بنا رکھا ہے؟ اور عمر بھر رونا پیٹنا سینا کوبی اور نوحہ کرتے ہوئے گلی کوچوں اور بازاروں میں پھرنا دین کس طرح بنا لیا؟ اگر آپ کو اُن سے کسی درجہ کی محبت بھی ہوتی تو آپ اُن کے۔ اُن کے گھر والوں کے محبوب ترین صبر کی اس درجہ مخالفت نہ کرتے!! وہاں تو صبر کا یہ عالم تھا کہ مشرکین و کفار کے بے حد ظلم و ستم کا جواب بھی اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْن۔ ہی سے دیتے تھے اور آپ حضرات

میں اس قدر ناشکیبائی اور بے صبری ہے کہ ان کے مصائب و آلام پر سینکڑوں برسوں کے بعد بھی یہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کہ چھاتی پیٹنے اور ہائے ہائے کرنے میں عمر گزار نا ثواب سمجھتے ہیں ۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجا است تا بکجا
شمر کے خنجر بُراں کو دیکھ فرمایا
اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْن ؕ
اپنے قاتل کے لیے بیٹوں سے یہ کس نکلا؟
والحجز میں نے کی بہتر ہے تم معاف کرو

نوحہ کرنے کی ممانعت: حدیث عن امیر المومنین علی ابن ابا طالب قال نھی رسولُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه و آلہٖ وسلم عن النیاحۃ وَ الاستماع الیھا (من لا یحضر الفقیہ جلد ۴ ص۱۸ سطر ۱۲) یہ شیعوں کی بہت ہی معتبر کتاب ہے ۔ ترجمہ : حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے منع فرمایا چلّا کر رونے پیٹنے سے اور اُس کے سننے سے ۔ دوسری حدیث میں ہے جس کا ترجمہ فارسی میں شیعہ مجتہد صاحب نے یوں کیا ہے کہ آنحضرت ؐ فرمود کہ صبر کنید خدائے تعالیٰ عفو کند از شما آزار مکنید مرا از گریہ و زاری (جلاء العیون ص۳۸۰ سطر ۱۹ تا ۲۳) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ صبر کرو ۔

خدا سے تعالیٰ تمہارے گناہ بخشے اور مجھ کو دُکھ نہ دو۔ اپنے رونے پیٹنے سے۔ تیسری حدیث کا وہ ترجمہ لکھتے ہیں جو علامہ باقر مجلسی شیعوں کے بڑے عالم نے کیا ہے۔ کہ ابن بابویہ بہ سند معتبر از امام باقر و امام جعفر صادق علیہما السلام روایت کردہ است کہ حضرت رسولؐ در ہنگام وفاتِ خود بحضرت فاطمہؑ گفت کہ چوں من بمیرم روئے خود را برائے من مخراش و گیسوئے خود را پریشان مکن و وا ویلا مکن و بر من نوحہ مکن و نوحہ گراں را مطلب اے جگر گوشۂ من گریہ مکن و صبر پیشہ کن (حیات القلوب مصنفہ علامہ باقر مجلسی مطبوعہ نولکشور لکھنؤ صـ۵۳۸ و صـ۸۵۳ سطر ۱۸ تا ۲۱ جلد دوم و جلاء العیون مطبوعہ طہران صـ۳۳ سطر ۸ و ۱۸ و کتاب فروع کافی جلد دوم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ صـ۲۲۸ سطر ۱۲) حدیث:

قالت ام حکیم بنت الحارث زوجۂ عکرمہ بن ابی جہل ھذا المعروف امر نابہ ان لا نعصیک فقال النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لا تلطمن خدًّا ولا تخمشن وجھًا ولا تنتفن شعرا ولا تخرقن جیبا ولا تسودن ثوبا ولا تدعون بالویل والثبور (تفسیر قمی صـ۲۵۱ و فروع کافی جلد دوم صـ۲۸۸ سطر ۱۲ و حیات القلوب جلد دوم صـ۵۳۸ سطر ۲۰ باب چہل)

ترجمہ: ام حکیم نے رسول اللہؐ سے عرض کی کہ ہم عورتوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ ہم آپ کی نافرمانی معروف میں نہ کریں۔ تو وہ احکام کیا ہیں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا معروف (وہ احکام) یہ ہیں کہ عورتیں

کسی کی موت پر اپنے گالوں پر طمانچے نہ ماریں۔ اپنا چہرہ نہ نوچیں۔ گریبان نہ پھاڑیں۔ کپڑے کالے نہ کریں۔ بین اور واویلا نہ کریں۔ اور حیات القلوب شیعوں کی معتبر کتاب کی دوسری جلد کتاب المعراج کے ص ۳۱۵ سطر ۸ و ص ۳۱۶ سطر ۲ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ۔ میں لکھا ہے کہ پیغمبر اسلام فرمود کہ زنے را دیدم در صورت سگ و ملائکہ آتش در دُبرش می کردند واز دہانش بیروں می آمد و ملائکہ بگرزہائے آہنی سر و گردنش را می زدند۔ فاطمہ صلوات اللہ علیہا۔ گفت اے پدر مرا خبر دہ کہ سیرت این زن چہ بود؟ فرمود نوحہ کنندہ و حسود بود۔ ترجمہ: حضور اکرم ص نے فرمایا کہ (معراج کی رات دوزخ میں) میں نے ایک عورت کو کتے کی صورت میں دیکھا کہ فرشتے اس کے پاخانہ کے مقام میں آگ داخل کرتے تھے اور اس کے شعلے منہ سے نکلتے تھے۔ اور فرشتے لوہے کے گرزوں سے اس کے سر اور گردن کو پیٹ رہے تھے تو حضرت فاطمہ ع نے عرض کی کہ آپ مجھ کو آگاہ فرمائیے کہ اس عورت کی کیا عادت تھی؟ تب حضور ص نے فرمایا کہ وہ چلّا کر رونے والی اور حسد کرنے والی تھی۔

ماتم کرنے سینہ پیٹنے کی سخت ممانعت:

یہ آپ کو دنیا کی تاریخوں سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے تمام عرب ایران اور دُنیا کی قوموں میں جاہلانہ یعنی اللہ تعالیٰ اور نبیوں کی مخالف رسمیں موجود تھیں۔

جن کو مٹانے کے لیے ہی حضرت خاتم الانبیاءؐ تشریف لائے۔ لوگوں کے مرنے۔ اور سخت تکلیفوں پر رونے پیٹنے اور ماتم کرنے سینہ اور سر پیٹنے اور گالوں پر طمانچے مار کر کپڑے پھاڑنے کی کافرانہ رسمیں تھیں۔ مگر چونکہ پہلی آسمانی تمام کتابوں میں آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی اُمت فرمانبرداروں کی علامتوں اور نشانیوں میں ان کے صبر اور حلم بردباری۔ تقویٰ۔ طہارت کی صفات بھی بڑے نمایاں طور پر بیان کی گئی تھیں۔ اس واسطے حضور اکرمؐ اور ان کے گھر والوں اور فرماں برداروں نے ان صفات حمیدہ سے دنیا میں اپنی بڑائی بزرگی۔ یعنی خیر الامم ہونے کا ثبوت پیش کرنے میں سر مو فرق نہیں کیا۔ قرآن وحدیث میں اس کے متعلق متعدد ارشادات بھی قیامت تک باقی رہیں گے اور دُنیا ان مبارک طریقوں سے فیض یاب ہوتی رہے گی۔ میں نے پہلے بھی کہیں اس چشم دید واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ بمبئی کے بہت بڑے سوت کے تاجر میمن مسلمان کے پاس تار آیا کہ آپ کا سوت سے بھرا ہوا جہاز ڈوب گیا ہے۔ اور اس کی کوئی چیز بھی دست یاب نہیں ہوسکی۔ تو سیٹھ صاحب نے اس خبر اندوہ اثر کو سُن کر کہا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ یعنی ہم سب اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں اور اسی کی طرف جانے والے ہیں۔ اور پھر کسی قسم کا حزن و ملال بھی ظاہر نہیں کیا۔ میں نے اس پر افسوس کا اظہار کیا تو کہنے لگے افسوس کی کیا بات ہے ہم تو خالی ہاتھ آئے تھے اور خالی ہاتھ جائیں گے۔ اس خالق و مالک کو جو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا

ہے۔ ہم کو اس میں شکوے شکایت کی گنجائش نہیں ہے۔ مرضئ مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔ یہ تو ایک مسلمان کا صبر و قناعت دیکھا۔ میرے قریب ہی فتح پوری مسجد کے جنوبی دروازہ بازار کٹرہ بڑیان میں ایک نوجوان موٹے تازے لالہ جی رہتے تھے کئی قسم کے بیوپار کرتے تھے۔ اور مال اٹھانے لے جانے والی لاریاں ٹرک بھی چلواتے تھے۔ اتفاق سے کسی جگہ اُن کے ایک ٹرک کی کسی چیز سے ایسی ٹکّر ہو گئی کہ اس کا انجن بالکل چکنا چور ہو گیا۔ ڈرائیور نے لالہ جی کو خبر دی۔ تو لالہ جی ہائے ہائے کرتے ہوئے اس کے دیکھنے کو بھاگے۔ دیکھ کر اپنا سر پیٹا۔ ہائے ٹرک کے نعرے لگاتے اور روتے پیٹتے ہوئے آئے ہمسایوں نے بہت سمجھایا مگر ان کو صبر نہ آیا اور برابر چلاتے اور پیٹتے رہے آخر تیسرے روز اسی حال میں دنیا سے کوچ کر گئے۔ یہ ہے جزع فزع کا نتیجہ۔ اس قدر مہلک صفت خبیثہ کو بھلا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ یا رسولؐ کے چاہنے والے کس طرح پسند فرماتے انہوں نے جس طرح جہالت زمانۂ کفر و شرک کی بُری رسموں کو مٹانے کی جد و جہد فرمائی اس سے زیادہ اس بے صبری اور جزع فزع کی بیخ کنی فرمائی۔ اب ہم خاتم الانبیاءؐ اور اُن کے اہلِ بیت کے مبارک ارشادات بیان کرتے ہیں جن کی ماننا اور محبت کے سب سے زیادہ مدعی حضراتِ شیعہ ہیں۔ حدیث:

عن ابی جعفر علیہ السلام قال قلت ما الجزع قال اشد الجزعِ الصراخ بالویل والعویل ولطمۃ الوجہ والصدر و

جزع الشعو عن النواصی ومن اقام للنواحۃ فقد ترک الصبر واخذ فی غیر طریقۃ الاسلام ومن صبر رحمہ اللہ عزوجل واسترجع فقد رضی بما صنع اللّٰہ فقد وقع اجرہ علی اللہ۔ ومن لم یفعل ذالک احبط اللّٰہ اجرہ (حیات القلوب جلد ۲ صت ۸۰۳ سطر ۱۴ و صت ۸۰۴ و صت ۸۲۲ سطر ۳ و ۵) اس حدیث شریف کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمایئے۔ راوی نے کہا کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے دریافت کیا کہ حضرت جزع (بے صبری) کے کیا معنی ہیں؟ تو حضرت محمد باقرؑ نے فرمایا کہ شدید ترین جزع ہائے ہائے کر کے چلاّنا ہے۔ اور چہرہ اور سینہ کو پیٹنا اور پیشانی کے بالوں کو نوچنا ہے اور جس آدمی نے ماتم کرنے والوں کو اپنے گھر میں ماتم کرنے کے لیے بلایا اُس نے صبر کو چھوڑ کر بے دینی کا راستہ اختیار کیا اور جس نے صبر کیا (اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے) اور اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہا وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کے فیصلے یا کام پر راضی ہوا۔ اس کا اچھا بدلہ اللہ تعالیٰ پر ہے اور جس نے صبر نہیں کیا اللہ تعالیٰ اس کی نیکیاں مٹا دے گا۔ حدیث: عن ابی عبد اللّٰہؑ قال قال رسول اللّٰہؐ من اطاع امرأتہ ادخلہ اللہ تعالیٰ علی وجھہ فی النار قیل ما تلک الطاعۃ قال ان تطلب الذھاب الی العرسات والنیاحۃ والثیاب الرقاق۔ (فروع کافی جلد دوم صت ۲۳۳ سطر ۲ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ) یعنی امام محمد باقر

علیہ السلام نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی اپنی بیوی کو نوحہ کی مجلسوں میں جانے اور باریک کپڑے پہننے کی اجازت دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اوندھے منہ دوزخ میں پھینکے گا۔

قبر یا روضہ کی شبیہ کی ممانعت: الحدیث قال امیرالمومنین من جدد قبرا او مثل مثالا فقد خرج من الاسلام (من لا یحضرہ الفقیہ صفحہ ۶ سطر ۱۲) یعنی امیرالمومنین ؑ نے فرمایا کہ جس آدمی نے قبر کی حد بندی کی یا روضہ کی شبیہ بنائی وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔

حدیث: عن ابی عبد اللہ ؑ وانہ سمعہ یقول لما قبض امیر المؤمنین علیہ السلام اخرجہ الحسن و الحسین و رجلان آخران حتی اذا خرجوا من الکوفۃ ترکوھا عن ایمانھم ثم اخذوا فی الجبانۃ حتی مروا بہ الی الغری فدفنوہ وسووا قبرہ وانصرفوا (اصول کافی صفحہ ۱۸۷ جزء سوم) یعنی راوی نے سنا کہ امام محمد باقر ؑ فرماتے تھے کہ جب امیرالمومنین ؑ نے وفات پائی تو حضرت حسن ؑ اور حضرت حسین ؑ ان کے جنازہ کو باہر لائے۔ ان کے ساتھ دو آدمی اور تھے یہ لوگ جنازہ لے کر کوفہ سے نکلے اور کوفہ کے بائیں طرف ایک بلند مقام پر اُن کو دفن کر دیا اور اُن کی قبر کو بالکل برابر کر دیا پھر اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرت امیرالمومنین علی ؑ جیسے بلند پایہ کی قبر بھی

زمین کے برابر کر دی تاکہ لوگوں کو پتہ بھی نہ چلے - اور پھر حضرت خاتونِ جنت جگر گوشۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جنازہ کو بھی مشہور نہیں کیا گیا بلکہ صرف حضرت علیؑ نے ہی اُن کو دفن کر دیا - اور ان کی قبر شریف کا نشان تک بھی باقی نہ چھوڑا - حدیث : عن ابی عبد الحسین بن علی قال لما قبضت فاطمۃ علیہا السلام دفنہا امیر المومنین علیہ السلام وسوا وعفی علی موضع قبرھا ثم قام محول وجھہ الی قبر رسول اللہ صلی اللہ وعلی آلہٖ وسلم فقال السلام علیک یا رسول اللہ عنی والسلام علیک عن ابنتک وزائرتک والبائتۃ فی الثری ببقعتک والمختار للہ سرعۃ اللحاق بک (الکافی شرح اصول کافی جزو سوم صفحہ ۱۸۸)

اب اس کا فارسی ترجمہ شیعوں کے بہت بڑے مجتہد ملا خلیل صاحب ہی سے سن لیجئے - یعنی روایتست از امام حسینؑ گفت چوں گرفتہ شد از دنیا فاطمہ دفن کرد او را امیر المومنین پنہاں ومحو کرد اثر قبر را بر جائے کہ او نہ دانند کہ در کجا است بعد از اں برخاست پس گردانید روئے خود را بسوئے قبر رسول اللہؐ پس گفت سلام بر تو باد اے رسول اللہؐ از جانب من و سلام بر تو باد از جانب دختر تو زیارت کنندہ تو خوابیدہ در خاک در زمین تو واللہ تعالیٰ است اختیار کنندہ برائے او زود رسیدن بتو - اس کا اردو ترجمہ یہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ سے روایت ہے کہ جب حضرت فاطمہ کا انتقال ہوا تو حضرت علی امیر المومنینؑ نے ان کو دفن

کر دیا اور ان کی قبر کا نشان چھپا اور مٹا دیا۔ اس طرح پر کہ معلوم نہ ہو کہ کس جگہ ہے۔ پھر علیؑ کھڑے ہوئے اور اپنا چہرہ رسول اللہؐ کی قبر کی طرف کیا۔ پھر عرض کی کہ آپ پر سلام ہو اے اللہ تعالیٰ کے رسولؐ میری طرف سے اور آپ پر سلام ہو۔ آپ کی بیٹی کی طرف سے جو آپ کی زیارت کرتی رہتی تھی وہ سو گئی ہے آپ کی خاک میں آپ کی زمین کے اندر اور اللہ تعالیٰ ہی اس کو آپ کی خدمت میں جلد پہنچانے والا ہے۔

ناظرینِ کتاب غور سے ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے خاتونِ جنت علیہا السلام کو کس خاموشی سے دفن کیا۔ اگر حضور اکرمؐ کی لختِ جگر سیدۃ النساء کے انتقال کی خبر مدینہ والوں کو ہوتی تو یقیناً تمام مدینہ ان کے جنازہ کی شرکت کو اُمڈ آتا۔ اور بچہ بچہ ان کی مفارقت کے غم میں آہ و بکا کے سوا چارۂ کار نہ پاتا۔ لیکن چونکہ حضرت حیدرِ کرار کو ان رونے پیٹنے اور موت پر گریہ و زاری کے ہنگاموں کی رسمیں مٹانی ہی تھیں آپ نے کس پائے مردی اور بہادری سے اس پر عمل کر کے دکھایا۔ کیا حضرتِ علیؑ اور تمام مومنوں کے لیے عزاداری اور حزن و ملال کا اس سے زیادہ بھی کوئی ذریعہ ہو سکتا تھا کہ حضور اکرمؐ کی وہ جگر گوشہ جن کی ناز برداری اللہ تعالیٰ بھی فرماتا اور حضور اکرمؐ اس قدر پیار فرماتے کہ اُن کے آنے پر اپنی جگہ سے اُٹھ کر ان کی دلجوئی فرماتے اور اپنے پاس ہی بٹھاتے۔ اللہ اللہ شرک و کفر کے احتمالات اور ماتم

اور سینہ کوبی حزن و ملال کے تمام پہلوؤں کی بیخ کنی کرکے دکھادی ۔
ہاں بعض متعصبین یہ تاویل بھی کرتے ہیں کہ چونکہ مدینہ کے اکثر لوگ (نعوذ باللہ) ان کے مخالف تھے ۔ حضرت علیؑ نے ان کی شرکت سے محفوظ رکھنے کے لیے ایسا کیا تھا ۔ تو اس کا جواب باصواب یہ ہے کہ حضرت خاتم الخلفاء اسد اللہ الغالبؑ کی شہادت تو ان ہی کے خاص دارالخلافہ کوفہ میں ہوئی اور ابن ملجم کے حملے کی تمام کوفہ اور اطرافِ کوفہ میں آگ کی طرح خبر پھیل چکی تھی ۔ وہاں اُن کے چہیتے لاڈلے بیٹوں نے صرف چار آدمیوں ہی کی شرکت میں حضرت علی علیہ السلام کا کفن دفن سب کچھ کیوں کر دیا؟ کیا دارالخلافہ جہاں حضرت حیدرِ کرارؑ خود تشریف فرما تھے اور رات دن اپنے مبارک اعمال سے مومنوں کے دلوں میں نور پاشی فرماتے رہتے تھے ان کا کوئی دیدہ کوئی نہ تھا اور وہاں کے مومنین اپنے آقا و خلیفۂ رسولؐ کے جنازہ کی شرکت اور نمازِ جنازہ کے شرف سے غفلت کر سکتے تھے ۔ مگر قربان جائیے حضرات حسنین علیہما السلام کے کہ انہوں نے بھی تمام اہلِ کوفہ کو ۔ آہ واویلا اور رونے پیٹنے کی رسم سے محفوظ رکھا ۔ کوئی شیعہ عالم بھی کسی صحیح حدیث یا روایت سے یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ ان دونوں واجب الاحترام ہستیوں کی وفات پر کہیں اور کسی اہلِ بیت کے یہاں ماتم اور سینہ کوبی کا اہتمام کیا گیا ہو؟ یا کہیں عزاداری کی مجلس اور جلوس کا انتظام ہوا ہو!!

مومنِ کامل کی نشانی، حیدرِ کرارؑ کی زبانی : شیعوں کی

معتبر حدیث کی کتاب الکافی شرح اصول کافی مطبوعہ نولکشور لکھنو کی جلد چہارم کے صفحہ ۳ پر ہے۔ جس کا ترجمہ یوں ہے کہ حضرت امام جعفرؑ نے فرمایا کہ ہمام نامی شخص نے جو بہت بڑا عابد اور پرہیزگار تھا حضرت علیؑ سے ان کے خطبہ دیتے وقت عرض کی کہ یا امیرالمومنین آپ کامل مومن کی ایسی صفتیں اور نشانیاں بیان فرمایئے کہ مجھ کو پکا یقین ہو جائے۔ تب حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ہمام مومن عقلمند دانا۔ کشادہ پیشانی خندہ رو ہوتا ہے وہ غم کو اپنے دل میں رکھتا ہے زبان پر نہیں لاتا۔ اس کا سینہ بہت کشادہ ہے۔ تنگ نظر اور تنگ خیال نہیں۔ اور وہ بہت برداشت کرنے والا ہے اور وہ اپنے آپ کو سب (مومنوں) سے کم درجہ کا سمجھنے والا ہے۔ انکساری کا عادی ہے۔ دنیا کی حرص و طمع لالچ سے دُنیا کو رد کرنے والا ہے۔ اور نیک کاموں کی بہت طمع رکھتا ہے۔ وہ اپنے دل میں کسی کی طرف سے کینہ اور دشمنی نہیں رکھتا۔ وہ رشک و حسد نہیں کرتا۔ اور مومن لوگوں پر سخت کلامی اور ترشروئی غصہ سے جھپٹتا بھی نہیں۔ وہ کسی کو گالی نہیں دیتا۔ وہ کسی کے عیب تلاش نہیں کرتا۔ نہ کسی کو عیب لگاتا ہے۔ مومنِ کامل کسی کی غیبت چغلی نہیں کرتا۔ اور اپنی بڑائی اور دنیا کی بڑائی کا دشمن ہے۔ وہ اپنی شہرت اور دنیا کی نام آوری سے نفرت کرتا ہے۔ مومن آخرت کے لیے بہت فکر مند ہے۔ بہت دور اندیش ہے۔ خاموش رہنے والا ہے۔ مومن بہت ہی خودار ہوتا ہے۔ مومن جزع فزع بے صبری نہیں کرتا۔ مومن

مصیبت میں صبر کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کرتا ہے۔ اپنی نجاتِ آخرت کی فکر میں ڈوبا ہوا ہے۔ اپنی ناداری اور فقیری میں بھی خوش رہتا ہے۔ مومن نیک اور ملنسار طبیعت والا ہے۔ خوش اخلاق اچھی عادت والا ہے۔ بہت بڑا وفادار ہے۔ وہ لوگوں کو دکھ نہیں پہنچاتا۔ اور بے عقلوں کی طرح کھل کھلا کر نہیں ہنستا۔ کسی پر الزام اور تہمت نہیں لگاتا۔ آپے سے باہر نہیں ہوتا۔ مومن کسی کا پردہ فاش نہیں کرتا۔ مومن پردہ پوشی کرتا ہے۔ غصہ کرتا ہے تو تبری نہیں کرتا۔ مومن کی ہنسی مسکراہٹ ہے۔ وہ یاد کرنے کے لیے پوچھتا ہے اور وہ دوسروں کو سمجھانے کے لیے بار بار پوچھتا ہے۔ مومن بہت علم والا اور نیک کام کرنے والا ہے۔ اور بہت ہی بردبار ہے۔ اپنی خواہشات کو قبضے میں رکھنے والا ہے۔ پھر فرمایا حضرت علی علیہ السلام نے کہ مومن بہت ہی رحم کرنے والا ہے۔ بات کہنے اور حکم دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ وہ کبھی سے رنجیدہ اور ملول نہیں ہوتا۔ نہ کسی کو جھڑکتا ہے۔ اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا نہیں سمجھتا۔ مومن بے جا فخر نہیں کرتا۔ وہ کسی پر ظلم اور زیادتی نہیں کرتا۔ اور علمِ دین کی طلب میں کبھی نہیں تھکتا۔ اور اپنے ایمان اور اسلام (اللہ تعالیٰ اور رسول کی طاعت) میں سخت پتھر سے بھی زیادہ سخت ہے۔ مومن گمراہوں کے فریب میں نہیں آتا۔ شیطان کی پیروی نہیں کرتا۔ اس کی کسی سے لڑائی۔ تکرار بھی شہد سے زیادہ میٹھی ہے۔ مومن کی تکرار کبھی کسی کو ناگوار نہیں لگی۔ مومن لالچی اور بے صبرا نہیں ہے۔ یعنی جزع فزع نہیں کرتا۔ مومن بڑا خلاق

نہیں ہوتا۔ مومن نہ ڈینگیں مارتا ہے۔ نہ اپنی بزرگی جتاتا ہے۔ نہ معاملوں میں لوگوں پر اعتراض کرتا ہے۔ مومن کی لڑائی بھی خوش نما ہے۔ اس کی بازگشت بھی بے عیب ہے۔

مومنوں کی دوسری نشانیاں: آپ نے اسی کتاب میں حضرت مسیح علیہ السلام کی راست بازوں انصاف کرنے والوں اور حلیم اور رحیم و کریم مسلمانوں کے لیے وہ مبارک بادیاں تو پڑھ لیں جو انجیل سے ہم نے درج کی ہیں۔ اب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ ہدایات اور ایمان والوں کی نشانیاں بھی ذرا غور ہی سے پڑھیں تاکہ آپ کو یقین ہو جائے کہ ہمارے بزرگ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے فرماں بردار امتی ہی وہ مبارک ہیں جن کی تعریفیں توریت انجیل بلکہ دوسری موجودہ مذاہب کی کتابوں میں بھی نہایت فخر کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔ ہاں تو حضرت باب العلمؓ فرماتے ہیں کہ مومن بالکل انصاف کرنے والا ہے۔ اگر غصّہ بھی کرتا ہے تو بے ضرر ہے۔ اگر مومن کسی سے کوئی چیز مانگتا ہے تو حد سے تجاوز نہیں کرتا (ضد کر کے اور چمٹ کر نہیں مانگتا) کسی کی بے پردگی اور کسی کو رسوا نہیں کرتا۔ اپنے کو بزرگ مشہور نہیں کرتا۔ مومن کی دوستی بے لوث ہے مومن کا قول و اقرار پکا ہوتا ہے۔ مومن کا عقیدہ کامل ہوتا ہے۔ مومن اپنے رشتہ داروں اور ساتھیوں پر مہربان ہوتا ہے۔ مومن زیردستوں۔ (ماتحتوں پر رحم کرنے والا ہے۔ مومن باتیں بہت کم کرتا ہے۔ بڑے

نازیبا فضول کاموں سے دُور رہتا ہے۔ مومن اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر راضی رہنے والا ہے۔ مومن۔ ایماندار۔ اپنے سے چھوٹوں پر نوکروں پر سختی نہیں کرتا۔ مومن بے کار چیزوں اور کاموں میں مصروف نہیں رہتا۔ دینِ اسلام کا مددگار ہے۔ مومنوں کی تکلیف کو دور کرنے والا ہے۔ مومن عام مسلمانوں کے لیے جائے پناہ ہے۔ مومن کسی سے اپنی تعریف سن کر خوش نہیں ہوتا۔ اور مومن کے دل کو کسی قسم کا لالچ زخمی نہیں کرتا۔ مومن کی دانائی عقلمندی کھیل کود کے ذریعے ضائع نہیں ہوتی۔ مومن لہو ولعب سے دور ہے۔ جاہل۔ اور نااہل کے سامنے اپنا علم ظاہر نہیں کرتا۔ اور بڑے فخر سے فرمایا حضرت علی علیہ السلام نے۔ مومن ہمیشہ حق بات کہنے والا ہے۔ وہ حق اور صداقت پر عمل کرنے والا ہے۔ مومن دین کی باتیں جاننے والا ہے۔ مومن زمانہ کے نشیب و فراز سے آگاہ ہے مومن بہت ہی محتاط اور برائیوں سے پرہیز کرنے والا ہے۔ فحش اور بیہودہ باتیں نہیں کرتا۔ مومن اپنے دشمنوں اور مخالفوں پر سختی نہیں کرتا۔ دوستوں سے دوستی قائم رکھنے والا ہے۔ مومن اپنا بوجھ کسی پر نہیں ڈالتا۔ مومن بہت زیادہ بخشش کرنے والا ہے۔ مومن فضول خرچی سے بچنے والا ہے۔ مومن دھوکہ باز اور عہد شکن نہیں ہے۔ کسی انسان پر ظلم نہیں کرتا۔ ہمیشہ مخلوق کے ساتھ نیکی کرتا ہے۔ ایمانداروں کی ضرورتیں پوری کرنے کی بہت ہی کوشش کرتا ہے۔ اور مومن اللہ تعالیٰ کی بہت عبادت کرتا ہے۔ مومن ناتوانوں۔ کمزوروں کا مددگار ہے۔

مومن مجبوروں کی فریاد کو پہنچنے والا ہے۔ کسی کے عیب ظاہر نہیں کرتا۔ اور کسی کے راز۔ بھید ظاہر نہیں کرتا۔ مومن بہت ہی محنتی اور دکھ سہنے والا ہے۔ مومن اللہ تعالیٰ کی شکایت نہیں کرتا۔ مومن کسی کی نیکی دیکھتا ہے تو اس کو بیان کر دیتا ہے۔ مومن اگر کسی کی بدی دیکھتا ہے تو اس کو چھپا دیتا ہے۔ غیر حاضر اور غائب لوگوں کے ادب کا بھی لحاظ رکھتا ہے۔ کسی کی پیٹھ پیچھے برائی نہیں کرتا۔ اور جو مصیبتیں یا تکلیفیں اُس پر پڑ چکی ہیں ان کو بھول جاتا ہے۔ مومن خطاؤں کو معاف کرتا ہے۔ مومن اپنے مشہور ہونے کے لیے نصیحت نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے کرتا ہے۔ جو کچھ بھی کرتا ہے صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے کرتا ہے۔ مومن دشمنی کو نرمی سے دور کرتا ہے۔ مومن امانت دار۔ پرہیزگار نیکیوں میں مشہور ہے۔ عیب اور برائی سے دور ہے۔ مومن ایمانداروں کو خوش رکھتا ہے۔ مومن معافی مانگنے والوں کو معاف کرتا ہے۔ مومن لوگوں کو نیک نامی سے یاد کرتا ہے۔ کسی کو برا نہیں کہتا۔ مومن لوگوں کی طرف بدگمانی نہیں کرتا۔ موجودگی اور غیر موجودگی میں کسی کو تہمت نہیں لگاتا۔ لوگوں کو خوش رکھتا ہے۔ مومن کی دوستی علم اور دانائی کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہے۔ مومن کسی سے قطع تعلق بھی اللہ تعالیٰ کے لیے کرتا ہے۔ مومن غصے اور نادانی سے کوئی کام نہیں کرتا۔ خوشی میں پھولتا اتراتا نہیں۔ مومن غم اور الم میں مایوس نہیں ہوتا۔ مومن ہر وقت آخرت کو یاد رکھتا ہے۔ مومن نادانوں کو آخرت

اور دین کے علم کی تعلیم دیتا ہے۔ مومن کی طرف لغویات اور بیہودہ کاموں کی نسبت نہیں کی جاتی۔ مومن سے لوگ کسی قسم کا خطرہ محسوس نہیں کرتے۔ اس کی شرارت سے لوگ بالکل محفوظ ہیں۔ مومن سے لوگ مطمئن ہوتے ہیں۔ مومن کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ مومن کسی کو ہلاکت میں نہیں ڈالتا۔

چند بہت ہی مفید عادتیں: مومن ہر آدمی کی عبادت کو اپنی عبادت سے بہتر سمجھتا ہے اور ہر شخص کو اپنی ذات سے اچھا سمجھتا ہے۔ مومن اپنے عیبوں پر نظر رکھتا ہے۔ مومن آخرت کے رنج و غم میں لگا رہتا ہے۔ مومن اپنے رب اللہ تعالےٰ کے سوا کسی پر بھروسہ نہیں رکھتا۔ مومن نیکی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں سے قریب ہے۔ مومن صبر و استقلال، سخاوت اور مروت میں زمانہ میں یکتا ہے۔ مومن ہمیشہ اپنی عبادت کی کمی کی وجہ سے غمگین رہتا ہے۔ مومن اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق سے محبت کرتا ہے۔ اور اللہ کے دین اسلام پھیلانے میں اور اس کے قائم رکھنے میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے کوشش کرتا رہتا ہے۔ مومن اپنی ذات کے لیے کسی سے بدلہ نہیں لیتا نہ اپنی طرف سے ظالم کے ظلم کا بدلہ طلب کرتا ہے۔ بلکہ آخرت پر چھوڑ دیتا ہے۔ مومن ان کاموں کو بالکل نہیں کرتا جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہوں۔ مومن فقیروں اور درویشوں کے پاس بیٹھنے والا ہے (فقیر و درویش وہ کہلاتے

ہیں جو عبادت اور ریاضت کی وجہ سے غریب ہیں) مومن بچوں کا دوست ہے۔ حق والوں کا مددگار ہے۔ غریب اور محتاجوں کا خدمت گزار ہے۔ مومن یتیم کے لیے باپ کی مثل ہے۔ بیوہ کے نان نفقہ کے پورا کرنے میں شوہر کی مثل ہے۔ مومن دکھیوں۔ مصیبت زدوں کی پوچھ گچھ کرنے والا ہے۔ اُن کے حالات کی تحقیق اور تلاش کرتا ہے۔ مومن سے لوگ فائدوں اور اپنی مدد کی امیدیں رکھتے ہیں۔ اور تمام تکلیفوں کی آماجگاہ ہے۔ مومن دوسروں کے آرام کے لیے تکلیفیں اٹھاتا رہتا ہے۔ مومن بہت ہلکا پھلکا ہے۔ اس کی وجہ سے کسی کو تکلیف نہیں ہے۔ مومن ترش رو اور بات بات پر لڑنے والا نہیں ہوتا مومن غصہ کو پی جانے والا ہوتا ہے۔ مومن بہت ہی خندہ رُو۔ ہنس مکھ ہوتا ہے۔ مومن صرف اللہ تعالیٰ کے راضی رکھنے کے لیے عبادت کرتا ہے۔ مومن کے کاموں میں ریاکاری اور دکھلاوا نہیں ہوتا۔ مومن کے کاموں میں حیلے بہلنے اور فریب نہیں ہوتا۔ مومن اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو عبرت نصیحت حاصل کرنے کے لیے دیکھتا ہے۔ مومن کی خاموشی آخرت کے سوچ بچار کی وجہ سے ہوتی ہے۔ مومن کی باتیں اور کام دوسروں کے لیے مفید ہوتے ہیں۔ مومن لوگوں کو نیکیوں کی نصیحت کرنے والا ہے۔ اس کی گفتگو اخوت اور بھائی چارے کا باعث ہے۔ مومن لوگوں کو ظاہر اور پوشیدہ آخرت کی نجات کی طرف بلاتا ہے۔ مومن اپنے ایمان دار بھائی کو کبھی نہیں بھولتا۔ مومن کسی سے بھی مکر وفریب نہیں

کرتا۔ مومن اُس نفع کے جاتے رہنے پر افسوس نہیں کرتا جو اس کو حاصل نہیں ہوا۔ مومن اللہ تعالیٰ کے فیصلوں اور قضاء قدر پر راضی رہتا ہے۔ مومن کو جو تکلیف پہنچتی ہے اُس سے غمگین یا ملول نہیں ہوتا۔ اُس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھ کر صبر کرتا ہے۔ مومن ناجائز اور نامناسب اُمید نہیں رکھتا۔ اپنے نیک کاموں اور فرائض منصبی کے انجام دینے میں سُستی نہیں کرتا۔ مومن زمانہ کی دشواریوں ناموافقتوں کی وجہ سے مایوس نہیں ہوتا۔ خوش حالی میں زیادہ خوش نہیں ہوتا۔ مومن زمانہ کے انقلابات اور حالات کو اپنی دانائی سے خوب سمجھتا ہے۔ مومن ناموافق حالات پر صبر کرتا ہے۔ مومن محنت سے حلال روزی تلاش کرنے والا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں سُست نہیں ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ہمہ تن مصروف ہے۔ اس کے تمام معاملات قرآن و سُنت کے مطابق ہیں۔ مومن ہمیشہ خوش ہے دُنیا کے ناجائز مال و دولت کی طرف سے لاپرواہ ہے۔ اُس کی خطائیں کم ہیں۔ وہ موت کا انتظار کرتا ہے۔ اُس سے ڈرتا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت سچے دل سے کرتا ہے۔ ہر حال میں اپنے رب کا ذکر کرتا ہے۔ اس کی طبیعت قناعت کی خوگر ہے۔ (یعنی حلال طریقے سے جو کچھ اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ اس سے راضی ہے) حرص و طمع اس سے دُور ہیں۔ نادانی اُس کے قریب نہیں آتی۔ اس کے کام اچھے ہیں۔ اپنے گناہوں پر نادم، شرمندہ اور رنجیدہ ہے۔ مومن کی خواہشات مُردہ ہیں۔ اس کی طبیعت پاک

ہے۔ مومن کا ہمسایہ۔ پڑوسی اُس سے بالکل مطمئن رہے۔ اللہ تعالیٰ کے دیئے اور پیدا کئے ہوئے حالات میں خوش رہے۔ مومن کا صبر بڑے، مرتبہ کا ہے۔ اس کے عقائد اور اعمال دائمی ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کو بہت ہی یاد کرتا ہے۔ مومن وہ ہے جو لوگوں کو اچھی باتیں بتانے یا اُن سے سیکھنے کے لیے ملتا جلتا ہے۔ اور خاموش رہتا ہے تاکہ جھوٹ اور غیبت اور بُری باتوں سے بچا رہے اور سوال کرتا ہے تاکہ کہنے والے کا مطلب سمجھ لے۔ مومن خواہ مخواہ بحث مباحثہ میں وقت ضائع نہیں کرتا۔ مومن تجارت کرتا ہے تاکہ حلال اور جائز طریقے سے نفع حاصل کرے وہ ذخیرہ اندوزی کے لیے تجارت نہیں کرتا۔ مومن باتیں بھی فخر کرنے کے لیے نہیں سنتا بلکہ عمل کرنے کے لیے سنتا ہے۔ وہ اچھی باتیں لوگوں کو صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے سناتا ہے اپنی بزرگی جتانے کے لیے نہیں۔ مومن تکلیف اور دُکھ جھیل کر دوسروں کو آرام پہنچاتا ہے۔ مومن اپنے کو اللہ کی دی ہوئی تکلیف میں رکھنا عذاب آخرت سے بہتر سمجھتا ہے۔ اُسے تو ثوابِ آخرت ہی کی تلاش ہے۔ اُس نے ہمسایہ کو بالکل مطمئن کر دیا ہے۔ مومن سے کسی کو کسی ضرر اور نقصان کا خطرہ نہیں ہے۔ اگر مومن پر ظلم کیا جاتا ہے تو وہ صبر کرتا ہے تاکہ اللہ تعالےٰ سے صبر کا بدلہ پائے۔ برادرانِ اسلام یہ حضرت علی علیہ السلام کی اس تقریر دل پذیر کا ترجمہ ہے جو الصافی شرح اصولِ کافی کے صن۳۰ سے صن۳۶ تک ہے۔ اس خطبہ یا تقریر میں جو کچھ بھی حضرت حیدرِ کرار۴ نے فرمایا ہے

وہ حقیقت میں قرآنِ حکیم اور حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک ارشادات ہی کی تشریح یا تفصیل ہے یہ احکامات جو آپ نے پڑھے ایماندار کی اس زندگی کا نشان ہیں جو اس کے لیے دُنیا اور دین دونوں میں کامیابی اور سرخروئی کی دلیل ہے اور دوسری مخلوق کی زندگی اور آسائش کا بھی ذریعہ ہے۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں فرما دیا ہے۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ ج وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِہٖ وَ اَنَّہٗٓ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ پ ۱۷ سورۂ انفال۔

ترجمہ اس آیت کریمہ کا یہ ہے کہ اے ایمان والو تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کی تعمیل کر لیا کرو جب کبھی تم کو کوئی حکم دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو تم کو انہیں کاموں کی طرف بلاتے ہیں جو تمہارے لیے کامیابی اور دائمی زندگی کا ذریعہ ہیں۔ یہ بھی جان لو کہ اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے دل کے اندر جلوہ فرما ہے اور تم اسی کی طرف جانے والے ہو۔ آج کیا جب سے انسان کو عقل اور سمجھ کے نور کی جھلک ملی ہے وہ اپنی زندگی کو کامیاب بنانے کی فکر میں رہا ہے۔ لیکن چونکہ اس کو اپنی ذات اور اس کی کیفیتوں اور حالات آئندہ کا علم نہیں ہوتا اور نہ وہ کسی طرح یہ جان سکتا ہے کہ مجھ کو زندگی کے سدھار اور آئندہ زندگی کے آرام و آسائش کے لیے کیا کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے چونکہ ہر چیز کو پیدا فرمایا ہے اس لیے اس نے

اپنے فضل و کرم سے اس کی زندگی کو کامیاب بنانے اور دونوں جہان میں سُرخرو ہونے کے طریقے اپنے نبیوں اور کتابوں کے ذریعے بیان فرما دیئے۔ اور دُنیا کے سردار رحمت للعالمین صلعم نے ان تمام طریقوں اور قاعدوں کی تکمیل فرما دی۔ اب ہر عقل مند انسان کا فرض ہے کہ ان پر عمل کرے۔ اور یہ بھی یقین رکھے کہ اس عمل کو ہمارا مالک اللہ تعالیٰ بھی دیکھتا اور پورے طور سے جانتا ہے۔ اسی تعین کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرما دیا کہ میں تمہارے دلوں میں جلوہ فرما ہوں۔ تمہارے ارادے تمہاری نیتیں اور تمہارے تمام منصوبوں سے بھی واقف ہوں۔ تاکہ انسان کسی کام کے ارادہ میں اور منصوبہ تیار کرنے میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے جذبہ کو بھول نہ سکے اور اس کے تمام کام اور منصوبے ایسے ہی کاموں کے لیے ہوں جو اُس کی زندگی کو مبارک اور کامیاب بنانے میں مددگار ہوں۔ اور جب ہر آدمی اپنی زندگی کو احکاماتِ خداوندی کے ماتحت درست اور کامیاب بنانے کی کوشش کرے گا تو ظاہر ہے کہ تمام انسانوں بلکہ حیوانوں کی زندگیاں بھی اپنے اپنے صحیح عروج کو پہنچ جائیں گی۔ اور ہر چیز جس غرض کے لیے بنی ہے وہ غرض پوری ہو جائے گی۔ قربان جایئے اس مالک و خالق خدائے تعالیٰ کے کہ اس نے ہم کو کامیابیوں کے تمام طریقے صرف احکامات ہی کے ذریعہ نہیں بتائے بلکہ ان پر عمل کر کے ہماری رہنمائی کرنے کے لیے بھی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ان کے اہلِ بیت اور ان کے

اصحابِ کبار اور تمام فرمانبرداروں کو مقرر فرما دیا تاکہ ہمیں ان طریقوں کے حاصل کرنے میں کوئی دقت نہ ہو سکے۔ اور اسی خدائے تعالیٰ نے ہر زمانہ میں اپنے فرمانبرداروں کو برتری اور فوقیت عطا فرما کر ثابت فرما دیا کہ اُس کی اطاعت ہی میں کامیابی ہے۔

پاکستان کا بنیادی پتھر: تو وہی ہے جس کے متعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چھ سو برس پہلے فرما دیا تھا۔ کہ کیا تم نے کتابِ مقدس میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔ یہ خداوندِ تعالیٰ کی طرف سے ہوا۔ اور ہماری نظر میں عجیب ہے۔ اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائیگی اور اُس قوم کو دے دی جائے گی جو اس کے پھل لائے اور جو اس پتھر پر گرے گا۔ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ لیکن جس پر وہ گرے گا اُسے پیس ڈالے گا (انجیل متی باب ۲۱ آیت ۴۲ سے ۴۵ تک) آپ نے غالباً حدیثوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا وہ ارشاد بھی پڑھا ہوگا۔ کہ وہ تمثیل میری امت کے لیے تھی۔ اور خدائی بادشاہت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارشاد کے مژدہ کے موافق وہ حضور اکرمؐ کی حکومت اور بادشاہت ہے۔ جو آپ کے دستِ مبارک میں عطا کی گئی اور پھر آپ کے بعد آپ کے خلفائے عظام کو سونپی گئی۔ خدائی بادشاہت اس لیے کہا گیا کہ ہر کام اور حکومت کا قانون صرف خدائے تعالیٰ کے حکم کے مطابق اور اسی کی رضا کی

طلب کے لیے ہوا جس کی برکت سے خدائے تعالیٰ کی تمام مخلوق خوش و خرم رہی۔ اور جس کے زیرِ سایہ ہر انسان نہایت اطمینان سے فرائضِ زندگی اور تقاضا ہائے عبدیت کو آزادی سے پورا کرتا رہا کیا آپ نہیں جانتے کہ عرب دنیا کا وہ جزیرہ نما تھا جس کی بے سر و سامانی مشہور تھی۔ اور عرب کے رہنے والے اکثر و بیشتر۔ افعالِ ناپسندیدہ میں گرفتار۔ بلکہ باہمی خانہ جنگیوں کی بدولت آدمیت کے لیے بھی باعثِ ننگ و عار تھے۔ مولانا حالی نے حضور اکرمؐ کی تشریف آوری سے پہلے ان کی حالت بتائی ہے۔

چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ　　ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا اُن کا زمانہ　　نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ
بلند ایک ہوتا تھا گر واں شرارا
تو اُس سے بھڑک اٹھتا تھا ملک سارا

وہ بکر اور تغلب کی باہم لڑائی　　صدی جس میں آدھی انہوں نے گنوائی
قبیلوں کی کر دی تھی جس نے صفائی　　تھی اک آگ ہر سو عرب میں لگائی
نہ جھگڑا کوئی ملک و دولت کا تھا وہ
کرشمہ اک ان کی جہالت کا تھا وہ

جوا ان کی دن رات کی دل لگی تھی　　شراب انکی گھٹی میں گویا پڑی تھی
تعیش تھا غفلت تھی دیوانگی تھی　　غرض ہر طرح ان کی حالت بُری تھی

بہت اس طرح ان کو گزری تھیں صدیاں
کہ چھائی ہوئی نیکیوں پر تھیں بدیاں

لیکن حضور اکرم صلعم کی اطاعت کی برکت سے ان کی کایا ہی پلٹ گئی اور جس قوم اور خطہ کی اصلاح اور درستی سے دنیا کے تمام مصلحین اور سلاطین مایوس تھے وہ سب سے اچھا بن گیا۔

ہوئی ایسی عادت پہ تعلیم غالب | کہ باطل کے شیدا ہوئے حق کے طالب
منافق سے بدلے گئے سب مثالب | ہوئے روح سے بہرہ ور انکے قالب

جسے راج رد کر چکے تھے وہ پتھر
ہوا جا کے آخر کو قائم سرے پر

یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و تربیت کے فیض سے یہ امت محمدی تمام امتوں کے آخر میں قیامت تک آنے والوں کے لیے رہنما اور تکمیل عمارت ایمان و اسلام کے لیے آخری پتھر کی طرح ثابت ہوئی۔ پاکستان کی بنیاد بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین اسلام کی برتری اور فوقیت کے لیے رکھی گئی۔ اور قرآن و سنت کے مبارک ناموں سے پاکستان کی نیو پڑی۔ اور جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ کہ اے یہود و نصاریٰ۔ بنی اسرائیل خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دے دی جائے گی۔ تو حضور اکرم صلعم اور آپ کے خلفاء اور ہمارے اسلاف نے تو خدائی بادشاہت کے جلوے دنیا کو دکھا دیئے۔ جن پر ہم فخر کرتے

ہیں۔ لیکن ہم کو بھی خدائے تعالیٰ نے نصاریٰ۔ بنی اسرائیل ہی کے ہاتھوں
سے حکومت کی باگ ڈور دلوائی تھی۔ جس کو ۱۲ سال گزر چکے ہیں اور
ہم نے اس پیشین گوئی کے مطابق خدائی بادشاہت کے پھل لانے کی
کوشش نہیں کی۔ ہم نے اپنی بے عملی سے کتابِ مقدس اور حضرت
مسیحؑ کے مبارک ارشاد کی خوشخبری کی ناقدری کی ہے اور اپنی تکمیلِ دین
کی طرف سے غفلت دکھائی ہے کہ وہ پتھر ثابت نہ ہوئے کہ جو اس پر
گرے وہ پاش پاش ہو جائے۔ اور جس پر وہ گرے اسے پیس ڈالے۔
ابھی تک ہم دوسروں کی مخالفانہ جدوجہد پر لبیک کہہ کر خود پاش پاش
ہوتے جا رہے ہیں۔ اور ان پر گر کر ان کو پیسنے کی طرف تھوڑے سے بھی
آمادہ نہیں ہوئے۔ بلکہ ان کی مخالفانہ سنگ باری کے شکار ہو رہے ہیں۔
کیا یہ ہماری کسرِ شان نہیں؟ کہ ہم کو خدا کی بادشاہت کا منصب جلیل عطا ہوا مگر ہم اس کے نااہل
ثابت کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ پہلے ہمارا مطمعِ نظر حکومت
ذالاطبقہ ہے چونکہ حکومت اور ملکی نظام اسی کی نظرِ عنایت کا مرہونِ منت
ہے یہ تو ہر مسلمان اچھی طرح جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کے
ذریعے۔ انسانوں بلکہ حیوانوں کی حفاظت کے لیے دنیا میں حکومتیں قائم
کیں۔ جن کی غرض صرف محض یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی نعمتیں
اور کار آمد چیزیں ہر حقدار تک آسانی سے پہنچ جائیں اور کمزور سے کمزور
بھی اپنے پیدائشی حقوق سے محروم نہ رہے اور پھر کسی بڑے سے بڑے

قوی اور زور آور کو بھی کسی کمزور۔ بے بس پر جبر و تشدد کرنے کا حوصلہ نہ ہو۔ اسی لیے ہر حکومتِ الٰہیہ کے لیے اٹل اور کلی ضابطہ یہ تھا۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ تم کو عدل اور احسان کا حکم کرتا ہے۔ عدل کے معنی ہیں برابر کرنا۔ واقع کے مطابق صحیح اور درست فیصلہ کرنا اور احسان کے معنی ہیں خدائے تعالیٰ کو حاضر ناظر سمجھتے ہوئے اس کی رضامندی کی خاطر نیکی کرنا۔ کسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کو بھی احسان صرف اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشی کا پہلو غالب ہوتا ہے بلکہ احسان اسی نیکی کو کہتے ہیں جس کے بدلے اور اجر کی صرف اللہ تعالیٰ ہی سے امید کی جائے۔ اگر کوئی آدمی کسی کے ساتھ نیکی یا اچھا برتاؤ اس لیے کرتا ہے کہ وہ بھی اس کے بدلے اس کی عزت و احترام کرے یا اس کے ساتھ کسی وقت اچھا سلوک کرے۔ تو اس کو مدارات یا مدارا کہتے ہیں۔ یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ جو آدمی کسی کو محض اللہ تعالیٰ کے لیے آرام پہنچاتا یا اس کی جائز طرفداری یا معاونت کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے قانون اور فیصلے کے مطابق جس کے ساتھ احسان کیا گیا ہے اس کا بھی فرض ہے کہ اپنے محسن کو اچھے الفاظ سے یاد کرے اور اس کے لیے دعائیں بھی کرتا رہے۔ اور اگر اس کا کوئی کام یا ضرورت آ پڑے تو اس کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرے۔ اسی لیے فرمایا هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی بے حد و بے شمار عنایتوں اور نعمتوں کا بدلہ تو صرف سچی عبادت

اور اطاعت سے ہی ہو سکتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ احسان کرنے والا اور جس کے ساتھ احسان کیا جاتا ہے وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کا خیال رکھیں۔

احسان کی تازہ مثال: بیڈن روڈ پر دہلی کے ایک پنجابی خاندان کے فرد ہیں۔ جن کا نام میں ان کی ناراضگی کے ڈر سے لینا یا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ ان کا یہ دستور ہے کہ جب کوئی حاجت مند معاشی پریشانی میں مبتلا ان کے علم میں آجاتا ہے تو اس کے ساتھ نیک سلوک کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دوسرے ذی مقدرت بھائی بہنوں کو بھی ایسے کاموں کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اُن بیڈن روڈ والوں کے پاس ایک بڑھئی آیا کہ آج میری مزدوری نہیں لگی اب بچوں میں کیا لے کر جاؤں پیسہ پاس نہیں ہے۔ تو اُن شیخ صاحب نے اس غریب کو پانچ روپے دے دیئے وہ دعائیں دیتا ہوا چلا گیا۔ پھر ایک ڈیڑھ ماہ کے بعد آیا کہ میاں صاحب آج میرے اوزار ہی کسی نے چرا لیے ہیں اب میں مزدوری کیسے کروں؟ بچے بھوکے ہیں۔ کچھ دلوا دیئے۔ شیخ صاحب نے کہا میاں تمہارا سامان کتنے میں آئے گا؟ میں اس کے لائق بھی دیتا ہوں اور آج کا کھانے پینے کا سامان بھی لے لینا۔ یہ سُن کر وہ خوش ہوا اور جتنے روپیہ اس نے بتلائے شیخ صاحب نے دے دیئے۔ پھر چند ماہ کے بعد وہی بڑھئی بیڈن روڈ بازار میں شیخ صاحب کو مل گیا۔ تو وہیں رک کر کھڑا ہو گیا اور کہا جناب میاں صاحب میں تو

آپ کے پاس ہی جا رہا تھا اچھا ہوا آپ مل گئے۔ تو شیخ صاحب نے کہا کہو بھائی میری کیا ضرورت آپڑی۔ تو کہنے لگا کئی دن سے کام نہیں لگا۔ محلوں میں پھرتے پھرتے بھی تھک گیا۔ تو شیخ صاحب نے کچھ دے دیا۔ جب شیخ صاحب چند قدم اپنے گھر کی طرف چلے تو اپنے ساتھی سے ہنس کر کہا کہ بھیا ہم نے تو ان شیخ جی کو اُلّو بنا رکھا ہے۔ جب ضرورت ہوتی ہے کچھ نہ کچھ اینٹھ لیتا ہوں۔ یہ الفاظ شیخ صاحب نے سُنے تو دل ہی دل میں بہت خوش ہوئے۔ کہ زمانہ بہر حال ہمیں اُلّو ہی سمجھتا ہے۔ خیر اللہ تعالیٰ ہی انسان بنا سکتا ہے۔ دو تین مہینہ بعد پھر وہ بڑھئی روتا گڑگڑاتا آیا تو شیخ صاحب نے اس کی ضرورت کے لائق دے دیا۔ جب وہ جانے لگا تو شیخ صاحب نے کہا بھائی میرے لیے دعا بھی کر دیا کرو کہ اللہ پاک مجھے اُلّو ہی بنائے رکھے کہ تم جیسے بھائیوں کی خدمت کرتا رہوں۔ یہ سُن کر وہ دل میں بہت ہی شرمندہ ہوا۔ لیکن شیخ صاحب نے چونکہ وہ احسان صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کیا تھا اس کے کہنے سے بُرا نہیں مانا۔ یہ ہے احسان۔ ہاں عدل و احسان کا حکم تو ہر مسلمان کے لیے ہے مگر وہ عدل و احسان جس سے ملک کے عوام اپنے حقوق حاصل کرتے رہیں اور اپنی کمزوری اور مجبوری میں بھی حکام کی عنایات بے غایات سے فائدے اٹھاتے رہیں حکومت والے ہی کر سکتے ہیں۔ اگر حکومت کے بڑے بڑے سربراہ اور وہ صدر، گورنر، وزیر، امیر اور حکام عالی مقام عدل و انصاف اور احسان کے خوگر ہو جائیں تو پھر ظلم و ستم، جبر و تشدد کے جتنے بھی طریقے ہیں وہ بہت

ہی جلد ختم ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِہِمْ۔ یعنی لوگ تو اپنے حاکموں کے طریقے پر چلتے ہیں۔ اگر حکام دین دار اور عبادت گزار ہوتے ہیں تو عوام بھی دین عبادت اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ اور اگر حکام بے دین اور تقوے سے غافل ہوتے ہیں تو عوام بھی اُن کی اس تخریبی روش کی پیروی کرتے ہیں۔ ہاں وہ لوگ جن کے دلوں میں ایمان رچ گیا۔ اور اسلام کا جذبہ تمام بے ہودہ خیالات اور خواہشات پر غالب رہے وہ کسی بھی بے دین اور نافرمانِ خدائے قدوس کی اطاعت نہیں کرتے۔ بلکہ ایسے حاکموں کی پیروی اور ریس سے لوگوں کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ چونکہ جن حاکموں کو خدائے تعالیٰ کا خوف اور اس کے مزید انعامات حاصل کرنے کا شوق نہیں ہوتا وہ خود بھی بدکرداری کا شکار ہو جاتے ہیں اور جن کو حاکموں کے تقرب اور نزدیکی میں دنیا کے زیادہ فائدے حاصل کرنے کی خواہش ہوتی ہے وہ بھی انہیں جیسے بن جاتے ہیں۔ بلکہ بعض نادان تو حاکموں کے خلافِ دین و ایمان طریقوں کی تعریفیں کرکے ان کی مزید گمراہی کا سبب بن جاتے ہیں۔ اس لیے حاکموں کا سب سے پہلا فرض ہے کہ وہ ایسے طریقے اختیار کریں اور ایسی عادتیں ڈالیں۔ جن سے قوم اور ملک کی بھلائی اور ان کی نیک نامی ہوتی رہے اور اللہ تعالیٰ بھی ان کی مدد فرماتا رہے۔ اور اس مبارک روش اور مفید ملک و قوم عمل کی بنیاد صرف ایک ہی ہے۔

عدل و احسان کی بنیاد: صرف ایمان کی وہی تعلیم ہے جس کا

مفصل بیان جناب علی شیرِ خدا - امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے اپنے
خطبہ میں فرمایا تھا - جس کا ذکر ہم نے آپ کے سامنے کر دیا ہے - ہر شخص اپنا
کام شروع کرنے سے پہلے - ہر حاکم اپنے عہدے پر جاتے وقت ہی یہ تہیہ
کر لے کہ اپنے کام اور عمل سے لوگوں کو فائدے پہنچاؤں گا - جن حاجت
مندوں کا مجھ سے تعلق ہوگا - میں ان کی حاجتیں پورا کرنے کی انتہائی کوشش
کروں گا - اس کا یہ ارادہ ہی اس کے ایمان کی دلیل ہے - چونکہ ایمان کا
تقاضا یہی ہے کہ ہر آدمی خدا تعالیٰ کی دی ہوئی دولت طاقت یا علم و
ہنر اور اس کے دئے ہوئے مرتبے عہدے سے لوگوں کو نفع پہنچانے کا
قصد کرے تو یقیناً وہ ایمان دار ہے اور وہ مشغلہ یا عہدہ اس کے لیے
جائز ہے اور اس محنت اور خدمت کے بدلے میں جو کچھ اس کو ملتا ہے
وہ حلال ہے اور اگر کوئی آدمی کسی کاروبار، منصب، بڑی چھوٹی پوسٹ
پر صرف اس ارادے سے جاتا ہے کہ میں اس بہانے اور اس کام کے
ذریعے سے خوب روپیہ اور دولت جائیداد زمینیں اور لوگوں سے رسوخ
پیدا کروں گا - تو یہ کام کسی طرح بھی ایمان کے نظریہ سے نہیں مانا جائیگا -
اور اس کے نتائج بھی یقیناً بُرے ہوں گے - اول تو ایسی آمدنی اور تنخواہ
جو بندگانِ خدا کے فوائد اور منافع کو نظر انداز کر کے حاصل کی جاتی ہے
حرام ہے اور حرام روزی کا اثر کھانے والے کے اعمال میں نجاست اور
بدکرداری پیدا کرتا ہے اسی لیے ایمان دار کے لیے حلال روزی ضروری
ہے اور یہ بات بھی عقلمندوں پر ظاہر ہے کہ حرام مال سے نیکیاں بھی قبول

نہیں ہوتیں۔ چونکہ اسلام میں سب سے بڑی نیکی لوگوں کو نفع پہنچانا ہی ہے
حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ اَلسَّخِیُّ حَبِیْبُ اللّٰہِ
لَوْ کَانَ فَاسِقًا۔ وَالْبَخِیْلُ عَدُوُّ اللّٰہِ لَوْ کَانَ زَاھِدًا۔ یعنی
سخی اللہ تعالیٰ کا پیارا ہے اگرچہ وہ گنہ گار ہو۔ اور کنجوس بخیل اللہ تعالیٰ کا دشمن
ہے چاہے وہ زاہد اور پرہیزگار ہی ہو۔ اسی لیے وہ لوگ جو حاکموں کی
صورت میں لوگوں کے معاملات کی درستی اور حقداروں کو ان کے حقوق
پہنچانے پر مقرر کیے جاتے ہیں۔ اگر اپنے فرائضِ منصبی ادا نہیں کرتے اور
ان لوگوں کی حاجتیں پوری نہیں کرتے جن کی حاجتیں پوری کرنے کے لیے
یہ محکمہ بنا ہے۔ تو پھر ان کی روزی حلال نہیں چونکہ جس کام کے بدلے یہ تنخواہ
پاتے ہیں وہ کام نہیں کرتے۔ تو عرفِ عام میں بھی یہ لوگ حرام خور ٹھہرے۔
اور حرام خور حکام کی جس ملک میں کثرت ہو گی وہ ملک کبھی سرسبز نہیں ہوگا۔
اور وہاں کے رہنے والے مطمئن اور شاد و خرم نہیں رہ سکتے۔ بلکہ ملک میں
حرام خوری کا بازار گرم ہو جائے گا اور خیر و برکت جاتی رہے گی۔ بداعمالی
اور بے حیائی اور زر اندوزی کی طلب لوگوں کو اندھا کر دے گی کہ ایک
دن ایسا بھی آجائے گا کہ لوگوں کو حرام حلال کی تمیز بھی نہیں رہے گی۔ اسی
لیے پاکستان بنانے اور تعمیر کرنے والوں نے اس کی بنیاد قرآن و سُنّت
پر رکھی تھی۔ حضرت قائدِ اعظم محمد علی جناح اللہ تعالیٰ ان کو ان کی قومی اور
ملی خدمات کا اجرِ عظیم عطا فرماتا رہے۔ آمین۔ سب سے پہلے حاکمِ اعلیٰ
تھے۔ مگر ایک ہی روپیہ ماہانہ قبول فرماتے تھے۔ حالانکہ ہزاروں روپے

تعمیرِ پاکستان میں اپنے جیبِ خاص سے خرچ کر چکے تھے۔ اور دوسری پریشانیاں جو اٹھائیں تھیں ان کا تو لوگوں کو علم بھی کما حقہٗ نہیں ہو گا۔ لیکن ان کی نیت اور مبارک ارادہ مسلمانوں اور ان لوگوں کی نفع رسانی تھی جو پاکستان کے نظریہ کے ہمدرد تھے اور بہت سے تو نظریۂ پاکستان کی مخالفت کے باوجود بھی پاکستان آئے تو وہ بھی اس حکومت کے فیض سے محروم نہیں رہے۔ ان کو بھی رہنے کو مکان اور کاروبار کے لیے آسانیاں بہم پہنچتی رہیں۔ پھر قائدِ ملّت کا زمانہ آیا انہوں نے بھی وزارتِ عظمیٰ کے بعد ملک اور قوم کی نفع رسانی کو مقدم سمجھا۔ اور اپنی نوابی کی دولت خرچ کرنے کے باوجود بھی دولت دنیا کی طرف توجہ نہیں کی اور اہلِ پاکستان کی فلاح و بہبودی کے لیے ہمہ تن جد و جہد بنے رہے۔ لوگوں سے سنا ہے کہ ان کی وفات کے بعد اتنا سرمایہ بھی ان کے پاس نہیں نکلا جتنا کہ ان کے بعد والی حکومتوں کے گزٹ افسروں کے پاس چمکتا رہا۔ چونکہ قائدِ ملّت کی نیت اہلِ ملک کی نفع رسانی تھی۔ ان کے دورِ مسعود میں آٹا بھی پانچ سیر کا تھا اور دوسری ضرورت کی چیزیں بھی ایسی سستی تھیں کہ کم تنخواہ والے چپراسی۔ سپاہی۔ اور کم آمدنی والے مزدور بھی دونوں وقت حلال کی روزی حاصل کر لیتے تھے۔ اس زمانے میں کاریں اور سکوٹر بھی کم تھے اور سینما۔ ہوٹل اور کلب گھر وغیرہ بھی کم تھے۔ پھر پاکستانیوں میں اتحاد اور یکجہتی بھی ایسی تھی کہ کشمیر وغیرہ کے حصول کی جد و جہد کامیابی کی آئینہ دار بنی ہوئی تھی جس کی خوشی مسرت بلکہ فخر کے طور پر انہوں نے گھولنسا

بھی دکھایا تھا۔ ہاں ان دونوں بزرگوں کے دور میں یہ خوبی بھی ضرور تھی کہ حاجت مندوں کو زیادہ پریشانیاں نہیں ہوتی تھیں اور ان کے معاملات اور مقدمات بغیر رشوت اور سفارش کے جلد از جلد طے ہو جاتے تھے۔ سردار عبدالرب نشتر بھی اپنی گورنری کے دور کو یادگار ہی چھوڑ گئے۔ مہاجرین کی آبادکاری اور مجبوروں کے وظائف اور سکولوں کالجوں اور ہسپتالوں کے نظم و نسق کی خوبی بھی ان کی یاد تازہ کرتی رہے گی۔ آپ کے سامنے جو حاکم ملک اور قوم کے سچے خیرخواہ گزرے ہیں کیا قوم ان کے ذکرِ خیر سے غافل ہے؟ بلکہ ان کے بعد رشوتوں۔ سفارشوں۔ اور حکام اعلیٰ کی فرائض ناشناسی دیکھ کر اُن کے زمانوں کو یاد کرتی ہے۔ اور ان کی نجات و مدارج اعلیٰ علیین کے لیے دست بدعا ہے۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والوں میں
قیامت تک رہیگا جن کا چرچا رہنے والوں میں

میاں عبدالرب صاحب نشتر اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس عطا فرمائے۔ پورے طور پر شریعت کے پابند تھے۔ شرم و حیا کی جیتی جاگتی تصویر گیا مجسمہ ہی تھے۔ ان کے زمانۂ حکومت میں رمضان شریف کا بھی احترام ہوتا تھا۔ اور افسران اور شرفا کی بیگمات میں بھی پردہ لحاظ تھا۔ اتنے خرافات کے مراکز بھی نہیں تھے۔ مگر افسوس کہ اُن کی مدتِ حکومت کم رہی۔ خواجہ ناظم الدین بھی پابند شریعت اور ملک و قوم سے سچی محبت کرتے تھے۔ لیکن باہمی تعصبات نے ان کی حکومت میں بھی رخنہ اندازی کی اور ایسا فتنہ

کھڑا کر دیا جس کی بنا پر اُن کو حکومت سے دست کش ہونا پڑا۔

آپ کو غالباً یہ بھی معلوم ہو گا کہ اسلامی

یورپی سیاست کا جال: حکومت اور قوانین میں سب سے زیادہ اہمیت نظام کی درستی اور ملک والوں کی بہبودی کو دی جاتی ہے اسلامی نظریۂ سیاست میں اقتدار کا سہرا ان صاحبانِ فراست کے سر پر ہی مزین کیا جاتا ہے۔ جن کا ذاتی کردار قابلِ ستائش یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا طلبی کا نمونہ ہو۔ اور جن کی پیروی ملک والوں کے اخلاق و اعمال کی رہنمائی کرتی ہو۔ اور جنکے مبارک انفاس سے قوم میں شجاعت خودداری اور فیض رسانی کے جذبات برانگیختہ ہوتے ہیں۔ اور واقعی کسی زندہ رہنے والی قوم میں مذکورہ تینوں صفات ہی زندگی اور ہر مرحلہ میں کامیابی کی دلیل مانی جاتی ہیں۔ اور جن لوگوں کے ذریعہ سے قوم میں زندگی کے آثار و مہیجات بروئے کار آنے کی امید ہو انہیں کو قابلِ قدر اور مفیدِ ملک و قوم مانا جاتا ہے۔ اور ملک کے ہر فرد و بشر کی جس کے نزدیک تمام ملک والوں کی فلاح و بہبود مقصدِ حیات ہو یہی خواہش بلکہ تمنا رہتی ہے کہ ایسے ہی حضرات کو اپنا قائد اور راہنما مانتے رہیں۔ اس لیے اسلام میں اس نظریہ کو بہت ہی مضبوطی سے تسلیم کیا گیا ہے کہ جو شخص زیادہ فائدہ دیتا ہے اُس سے اُس کی ذات حمیدہ صفات کے ذریعہ ملک والوں کو فیض اندوزی کا موقع دیا جائے۔ اور یہ امر بھی مسلم ہے کہ جو آدمی کسی قسم کی خدمت کی انجام دہی میں فرض شناس اور فرائض منصبی سے عہدہ برآ

ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اُس کی خدمات سے تادیر فائدہ اٹھانا چاہئیے۔ یہ بات بھی ظاہر ہے کہ آدمی جب کسی کام میں مشاق ثابت ہوتا ہو تو یقیناً وہ خدمات کے زیادہ اوقات ملنے پر اپنے تجربے اور فرائض شناسی میں ترقی کر سکتا ہے۔ اور اُس کی اس قابلیت سے جب تک بھی فائدے پہنچتے رہیں۔ داناؤں کی شکر گزاری کا اظہار ہوتا رہتا ہے۔ اس سے اُس رہنما کی ہمّت افزائی ہوتی رہتی ہے اور وہ بھی زیادہ سے زیادہ فائدے پہنچانے کے اسباب و علل پر غور و فکر کرتا ہے اور پھر اپنے ملک اور قوم کے لیے ترقی اور فتح و ظفر کا ایسا مستحکم راستہ تیار کر دیتا ہے کہ اس کی عدم موجودگی میں بھی اس پر عمل کر کے قوم اپنا مقامِ برتری قائم رکھے۔ آہ آہ مغربی تہذیب و سیاست نے مسلمانوں کو اس قابلِ قدر اور مفید ترین طریقے سے دور ڈال دیا۔ اور خود غرضی اور منصب طلبی کے جراثیم سے مسلمانوں کے دل و دماغ کو بھی محفوظ نہیں رہنے دیا۔ انگریزوں نے اپنے زیر دست اور محکوم ملکوں کو تو اپنی قوم کی آمدنی کا ذریعہ ہی بنا لیا تھا۔ اگر ایک انگریز۔ گورنر یا صدر۔ وزیر عمر بھر اپنے منصب پر فائز رہتا تو پھر قوم کے بہت سے افراد۔ اس دولت سے محروم رہتے جو اس منصب کے طفیل میں ملتی تھی۔ اس لیے انہوں نے گورنری اور وزارت کے لیے چند سال مقرر کر رکھے تھے۔ اور اس میعاد کے ختم ہونے پر وہ عہدہ دوسرے کو دیدیا جاتا تھا۔ آپ کو غالباً یہ بھی معلوم ہوگا کہ ان کے گورنروں کی تھوڑی سی مدّتِ ملازمت بھی ان کے سامانِ

زندگی کی فراہمی کا ذریعہ ہوتی تھی۔ روپیہ تو محکوم ملک کے خزانہ کا ہوتا تھا اور مزے صاحب بہادر اڑاتے تھے۔ جب رعایا اور محکوم اقوام کو اس مغربی سیاست کی حقیقت کا پہلو نمایاں اور آشکارا ہوا تو انہوں نے اپنے ملک والوں کو بھی مناصبِ جلیلہ سے سرفراز کرنے کی درخواست کی تب انگریزوں نے الیکشن کا نسخہ تجویز کیا کہ ملک میں جمہوریت کے نام سے لوگوں سے ووٹ لیے جائیں اور جس کو زیادہ ووٹ ملیں وہ اس منصب سے سرفراز ہو سکتا ہے۔ لیکن گورنری۔ یا کلیدی عہدے کثرتِ مقبولیت پر بھی نہیں دیئے جاتے تھے۔ بلکہ الیکشن میں بہت سا روپیہ اور لوگوں کو ووٹ لینے کے لیے آمادہ کرنے میں بہت سی پریشانیاں اٹھانے کے بعد بھی اسمبلی کی ممبری ہی نصیب ہوتی تھی۔ چونکہ انگریزوں نے رعایا کی اشک شوئی کے لیے اسمبلیاں قائم کر لی تھیں جن میں ظاہر طور سے تو اہلِ ملک کی فلاح و بہبود کے لیے ممبران سے رائیں لی جاتی تھیں۔ اور جس امر پر کثرتِ رائے ہوتی اس کو قانونی یا قابلِ توجہ حکومت سمجھا جاتا۔ لیکن ہوتا وہی تھا جو گورنر صاحب بہادر چاہتے تھے۔ اُن کے قانون میں گورنر جنرل کو ملکِ مفتوحہ اور مقبوضہ کا مختارِ کل مانا جاتا تھا۔ اگر ان کی پریوی کونسل کا متفقہ فیصلہ بھی ان کی نظر میں حکومت کی پالیسی کے خلاف ہوتا تو گورنر صاحب بڑی بہادری سے اس کو ٹھکرا دیتے تھے۔ یہ مکر و فریب والی سیاست کا ایسا پیچ جس کا توڑ کسی کے پاس نہیں تھا۔ اسی لیے تو ہمارے ہمدردِ ملک و ملت علامہؒ نے فرما دیا تھا ؎

دیوِ استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو یہ سمجھا ہے کہ آزادی کی ہے نیلم پری

یہی مغربی تہذیب تھی کہ اپنے منصوبوں کی خاطر پاکستان کے بڑے بڑے امیروں کے گٹ پٹ جاننے والے لوگوں کے دلوں میں خود غرضی کے جذبات جوش مارنے لگے اور انہوں نے قوم کے جاں نثار قائدِ ملّت لیاقت علی خان کی پانچ سالہ حکومت کو بھی برداشت نہیں کیا۔ اور میں نے کئی اخبارات کے اڈیٹروں اور یورپ زدگانِ خود غرض کی زبان سے یہ الفاظ سنے کہ اس نے تو حکومت کو اپنے باپ کی میراث ہی سمجھ لیا ہے کہ چھوڑنے کا نام نہیں لیتا۔ آخر کار خود غرضی اور جاہ طلبی کے طوفان نے ان کی کشتیِ حیات کو منجدھار میں ہی ڈبو دیا اور پھر دوسری محبانِ وطن کی سرپرستی اور حکومت کو بھی قائم دیکھنا گوارہ نہ کیا اور وہی الیکشن کا طوفان اُمنڈ پڑا۔

الیکشن اسلامی نظام میں بدترین لعنت ہے :

یہ تو آپ بھی جانتے ہیں کہ قوم اور ملک والوں کے فائدے اور نفع کا خیال تو خاص دین داروں ہی کو ہوتا ہے۔ دنیا کے اکثر و بیشتر لوگ تو اپنی غرضوں کے جال ہی میں گرفتار ہوتے ہیں۔ جب یہ اعلان ہوا کہ اب کے صدارت وزارت۔ یا اسمبلی کے ممبروں کے لیے الیکشن ہوگا۔ اور فلاں فلاں لوگ اس میں کھڑے ہوں گے۔ تو پھر کیا تھا۔ ملک کے ہر طبقے

میں اپنی اپنی مرادیں حاصل کرنے کے مرکزوں کی طرف دوڑ دھوپ شروع ہوتی اور ادھر حکومت یا قربِ حکومت کے طلبگار بھی اپنی اپنی افادیت اور نفع رسانی کے وعدوں کے ڈھیر لگا دیتے یعنی اپنے دامِ فریب میں پھانسنے کی جد و جہد میں رات دن مصروف رہتے - اگر دیکھتے کہ ہماری چکنی چپڑی باتوں میں تو وہی آتے ہیں جو ہمارے وعدوں کو سچا سمجھ کر اپنی مرادیں حاصل ہونے کا یقین کر چکے ہیں - اور جن کی مرادیں اور تمنائیں بھی بڑی بڑی ہیں مگر وہ لوگ جو کم مایہ اور ضروریاتِ زندگی کے پورا کرنے کی قدرت بھی نہیں رکھتے اور جن کو ملک اور قوم کی بھلائی بُرائی کی طرف توجہ کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی - اپنی مستعار زندگی کی ادھیڑپن میں مصروف ہیں۔ تو اُن کو روپیہ کا لالچ دیا اور ان کی اس طرح مُٹھیاں گرم کر دیں کہ وہ بیچارے ایمان تو ایمان جان فروشی کے لیے بھی تیار ہو گئے - غرض یہ ہے کہ الیکشنوں کی حکومتیں آتی رہیں اور اپنی اپنی طرف دار جماعتوں اور ٹولیوں کو نوازتی اور ان کی مدد اور تعاون سے اپنی زندگی کو بھی کامیاب بناتی رہیں - یہاں تک کہ ہر محکمہ ذاتی مفاد کا اکھاڑا بن کر رہ گیا - جس وزیر، گورنر، صدر اور جس حاکم کے پاس دیکھو طرف داروں کے پرے جمے ہیں - اور ان کی مصروفیت بھی انہیں کی خدمات کے لیے وقف ہو چکی ہے - دوسرے اس محکمہ سے اپنی ضروریات کے پورا کرانے کے اُمیدواروں کو تو حاکمِ اعلیٰ کے

در دولت تک رسائی بھی ممکن نہیں - جوتیاں چٹخانے اور مہینوں پریشانی کے باوجود بھی مطلب کی صورت دکھائی نہیں دیتی - مجبور ہو کر بیٹھے رہتے - ہاں اگر کچھ دینے لینے کا بندوبست ہو گیا تو پھر اُمید کی جھلک بھی نظر آنے لگتی - دینے لینے کی بات بھی خوب رہی - بعض لوگ تو روپیہ دے کر اپنا کام نکال لیتے اور جن کے پاس روپیہ نہ ہوتا اور حاکم یا حاکم کے پی - اے ہوتے کچھ حسن پرست اور دین سے غافل تو پھر عورتوں کی پیش کش کی جاتی اور اس کی قدر و منزلت ایسی ہوتی کہ جو چاہو کروالو تیسرا طریقہ مطلب بر آری اگرچہ کچھ کمزور تھا - مگر کچھ نہ کچھ تو کبھی مطلب نکل ہی آتا تھا - وہ تھیں بڑے بڑے افسروں یا دوست احباب اور حاکموں کے قریبی رشتہ داروں کی سفارشات - یہ تین طریقے ہی مطلب نکالنے کے اکثر محکموں میں نظر آتے تھے - آپ انصاف فرمائیے کہ وہ قوم جس کی حکومت کو حضرت عیسٰی علیہ السلام نے خدا ہی کی بادشاہت فرمایا تھا - اور جس قوم کو راست بازی کا بھوکا پیاسا - اور عدل و انصاف رحم و کرم کا سرچشمہ کہہ کر مبارک بادیاں دی تھیں - کیا ایسے حکام اور افسران ان کی قوم کے افراد کہے جا سکتے ہیں؟ - ایمان پر مسلمانوں کو ہمیشہ ناز رہا کہ اپنے لیے بے ایمان کا لفظ تک گالی سمجھتے رہے ہے - کیا حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ان کے لاڈلے شیرِ خدا فاتحِ خیبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شرائطِ ایمان پر یہ پورے اتر سکتے ہیں - اِن میں

ایک نشانی بھی اُن ایمان کی نشانیوں میں سے جو اوپر بیان ہوئی ہیں۔ ثابت کی جا سکتی ہے جہاں بحقِ قرآنِ کریم اور رسول رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ان کے مبارک صحابۂ کبار اور اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم کا ستودہ اور قابلِ قدر ایمان اور اُس کی قدریں انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک قائم و دائم رہیں گی اور موجودہ مسلمانوں میں بھی اس مذکورہ ایمان کے شیدائی موجود ہیں اور رہیں گے جن کی جدوجہد ایمانی تقاضوں کو پورا کرنے کرانے میں مصروف ہے اور وہ صحیح طور پر اپنے ایمان کا ثبوت پیش کر کے اور لوگوں کو بھی اس کی طرف بلاتے رہتے ہیں سب سے پہلی چیز مسلمانوں کا باہمی اتفاق ہے وہ حضرات ہر اس شخص سے متفق ہیں جو اپنے اندر اتفاق کی صلاحیت رکھتا ہے اپنی ذاتی غرض یا فائدے کے لیے وہ کسی سے نہ ملتے جلتے ہیں نہ کسی سے قطع تعلق کرتے ہیں وہ ہر حال میں دوسروں کا فائدہ ہی چاہتے ہیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ اکثریت ایسے حضرات کی ہے جو بہرصورت اپنے ذاتی اغراض کے شکار ہیں۔ اور ان کو یہ بدگمانی بھی ہے کہ اتفاقِ کلی میں ہماری خواہشات پوری نہیں ہوں گی۔ نااتفاقی اور باہمی کشمکش ہی جاری رکھتے ہیں اُن کو آرام ملتا ہے۔ مگر یاد رکھئے کہ اسلامی نظریات کی مخالفت میں جو آرام محسوس کرتے ہیں اس میں زیادہ نقصانات پوشیدہ ہوتے ہیں اور وہ جس وقت سامنے آنے لگتے ہیں تو پھر کسی طاقت سے بھی رُک نہیں سکتے۔ ہاں راست بازی اور سچائی ایسی صفتیں ہیں کہ جن لوگوں نے ان کو اپنا

لیا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اس کا اجر پاتے ہیں اور مخلوق بھی اُن سے راضی رہتی ہے۔ آپ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے ارشادات میں بھی مسلمانوں کی یہ صفتِ نمایاں دیکھی کہ وہ راستی اور راست بازی کے بھوکے اور پیاسے ہوں گے۔ یعنی راست بازی کو روٹی اور پانی کی طرح زندگی کے لیے ضروری سمجھیں گے اور وہ اس کی تلاش میں مصروف رہیں گے۔ اللہ اللہ کیسی خوش قسمت ہے وہ امتِ محمدیؐ کہ جس کو اس کے آقا و مولا سردارِ دوجہاںؐ نے پوری اور کامل تعلیم دی ہے زندگی کا کوئی پہلو بھی ایسا نہیں جس میں راستی اور راست بازی کو فرو گذاشت کیا گیا ہو۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ کوئی نیکی ایسی نہیں جس پر عمل کر کے ہمارے آقاؐ نے ہم کو نہ دکھایا اور کوئی برائی اور نقصان دہ امر ایسا نہیں جس کے نقصانات اور مضرتیں ہم سے پوشیدہ رکھی ہوں۔ گویا ہمارے رحمت اللعالمین نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی تعلیم کو کامل فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ سے سند بھی لے لی ہے۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ○ یعنی اے انسانوں آج حضرت سردارِ دوجہاں کے ذریعہ تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر تمام نعمتیں پوری کر دیں۔ اور اسی لیے یہ بھی فرما دیا۔ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ۔ یعنی جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی کر لی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر لی۔

ایمان کی بات بھی سنئے: یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ ایمان عربی لفظ ہے جو سب سے پہلے قرآنِ حکیم کے ذریعہ سے دُنیا میں پھیلا۔ چونکہ ایمان کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ پر یقین کامل کرنا کہ وہ ہر وقت ہر جگہ اپنے بندوں کے ساتھ ہے اور ان کی تمام باتوں اور کاموں کو دیکھتا اور سنتا ہے۔ پہلے نبیوں کی کتابوں میں بھی ایمان کے ہم معنی الفاظ ضرور تھے مگر لوگوں نے جس طرح خدائے تعالیٰ کی ذات و صفات سے غفلت کی اسی طرح ایمان کے حقیقی معنوں سے بھی غافل ہوتے گئے اور ایسے ادوار انسانوں کی اکثریت پر ایسے ہی گزرے ہیں جنہوں نے یہ ثابت کیا کہ وہ ایمان حقیقی سے بہت ہی دور ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرما کر ایمان کی روشنی دنیا میں اس طرح پھیلا دی کہ بے ایمانی اور خدائے تعالیٰ کی طرف سے غفلت کا اندھیرا دور ہو جائے۔ تاریخ بیلنوں پر یہ امر روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے کہ مشرکوں اور کافروں نے بھی کفر و شرک کے وہ طریقے چھوڑنا شروع کر دیئے جو مدتوں سے چلے آتے تھے۔ گویا اس اندھیرے ماحول اور فضا میں ایمان کا چراغ جلا دیا۔ ہندو جو اپنے دعووں میں اپنی اور بت پوجا کی قدامت ثابت کرنا فخر کرتے تھے اُن میں سوامی دیانند نے اسلامی نظریات یعنی توحید کی تائید اور بت پوجا کے کھنڈن کا پرچار کیا۔ اور اس پر بہت سی کتابیں بھی لکھیں یعنی مشرک خود ہی شرک اور بے ایمانی کو بدنما داغ سمجھنے لگے۔

اور ہندوستان میں مسلمانوں کی ہزار سالہ حکومت نے اسلامی نظریات کی صداقت برتری اور مقبولیت لوگوں کے دلوں میں بٹھادی کہ خود ہندو مسلمانوں کی بدمعاملگی پر کہتے کہ میاں جی آپ مسلمان ہو کر بھی ایمان داری سے کام نہیں لیتے۔

ایک سچی مثال: میں دہلی کھاری باؤلی مسجد فتح پوری کے شمالی دروازہ کے بازار میں آم لینے گیا۔ چونکہ وہاں چھابڑی والے غریب مرد اور عورتیں بھی فصل کی چیزیں فٹ پاتھ پر بیٹھ کر بیچتی تھیں۔ ایک ہندو عورت کے ٹوکرے میں بہت ہی خوش رنگ کٹھا آم بھرے تھے۔ میں نے آموں کو دیکھ کر لینے کے ارادہ سے ان کا بھاؤ پوچھا تو اس نے کہا۔ میاں صاحب یہ آم ایک آنے سیر کے ہیں۔ میں دیکھ کر اور بھاؤ سن کر بہت خوش ہوا کہ آم بھی اچھے ہیں اور سستے بھی ہیں اس زمانہ میں کٹھا آم ایک آنے یا چھ پیسے سیر ہی بکتے تھے۔ میں نے اس غریب عورت سے کہا۔ بہن یہ آم کھٹے ہیں یا میٹھے تو کہنے لگی۔ میاں جی آم ہیں تو کھٹے۔ میں نے کہا تمہیں کیا خبر؟ تمہارے مرد منڈی سے لاتے ہیں اور تم بیچنے کو لے آتی ہو۔ صورت اور خوشبو سے تو میٹھے معلوم ہوتے ہیں۔ تب اُس نے جواب دیا۔ جو چیز ہمارے گھر کھانے کی آتی ہے ہم اس کو ضرور کھاتے ہیں۔ میں نے کھائے تھے وہ کھٹے ہی تھے! یہ سن کر میں نے کہا کہ اگر تم کہتیں کہ میٹھے ہیں۔ تو میں پانچ دس سیر لے لیتا۔ تو اُس

نے بڑی خودداری سے فخر کے ساتھ کہا کہ میاں میں آم بیچنے آئی ہوں ایمان بیچنے تو نہیں آئی۔ اور وہ اتنی غریب تھی دوپٹہ میں پیوند لگے تھے اور اس کی آستینیں بھی پھٹی ہوئی تھیں بچہ جو پاس تھا وہ بھی ننگا ہی تھا۔ اس کی وہ ایمان بھری آواز سن کر اور اپنے مالک و مولیٰ پر کامل بھروسہ دیکھ کر میرا دل تھرا گیا۔ اور اس غریب کی ایمانداری پر دل اس قدر خوش ہوا۔ کہ میرے آنسو نکل آئے۔ اور جتنے پیسے بھی میرے پاس تھے سب کے خرید لیے۔ جب گھر لاکر ایک آم کھایا تو بالکل میٹھا تھا پھر دوسروں نے بھی کھائے۔ زیادہ تو میٹھے ہی تھے۔ شاید یہ اُس عورت کی اُس نیت کا کرشمہ تھا جو اُس نے مالک و مولیٰ اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر سمجھ کر کی تھی اور اُس کی رضامندی ہی کو اپنی روزی کا ذریعہ سمجھا تھا۔ اور اس کو یقین کامل تھا کہ اُس کا خالق اور مالک حلال روزی دیتا ہے۔

اب ذرا ہمارے بڑوں کا نظریہ بھی دیکھئے:

حضرت قائدِ اعظم اور ان کے ساتھی اور بڑی بڑی قربانیاں دے کر پاکستان کی تعمیری جد وجہد کرنے والے تو ملکی انتظام اور مہاجرین کی آبادکاری میں مصروف رہے اور اپنے کردار سے اپنی قوم پر وزی اور استحکامِ پاکستان کے منصوبوں میں لگے رہے مگر قوم سے کہتے بھی رہے کہ اب ہم کو اپنے ایمانی اور اسلامی تقاضوں کو پورا کرنے کے

لیے اللہ تعالیٰ نے حکومت عطا فرمادی ہے ہم کو لازم ہے کہ ہم دینی نظریات کو اپنائیں - اور اپنے آپ کو کفار ومشرکین کے طور طریقوں سے بچا کر اپنی اسلامی زندگی کا ثبوت دیں - اللہ تعالیٰ ان سب کو اس مبارک جدوجہد کا ثواب عطا فرماتا رہے آمین ثم آمین - مگر وہ حضرات کہ جن کو اسلامی نظریات کی اشاعت وتبلیغ اولین فریضہ تھی اور وہ اس کے ذمہ دار بھی تھے اور خدائے تعالیٰ نے ان کو ملک میں قرآن وسُنّت کی ترویج کی قوت یعنی حکومت بھی دی تھی - اور یہ بھی جانتے تھے کہ ہماری عملی زندگی کا قوم پر بہت ہی اثر ہو سکتا ہے لوگ حاکموں کو دیکھ کر اُن کی پسند اور ان کی مرضی کی پیروی کرتے ہیں - مگر اس کے باوجود انہوں نے پاکستان کی باگ ڈور سنبھالتے ہی غیر اسلامی خاص کر انگریزوں کی تقلید کو اوڑھنا بچھونا بنا لیا - اور ان کے نظریات خیالات اور اعمال میں نصرانیت تو نمایاں ہوتی گئی اور اسلامی نظریات اور عقائد کی اہمیّت اور فوقیت کو اُنھوں نے مسلمانوں کے ذہنوں سے نکال پھینکنے کی جدوجہد زیادہ کردی - حالانکہ تمام حاکموں خصوصاً صدرِ پاکستان وزراء اور بڑے بڑے حاکموں کا یہ اولین فرض تھا کہ وہ غیر اسلامی - اور یورپ کے طریقِ تمدن اور معاشرت کو یک لخت چھوڑ دیتے اور اپنے آپ کو اسلامی طریقوں سے مزیّن کرتے اور اپنے اپنے محکموں کے ملازمین کو اسلامی شعائر کی پابندی کی طرف راغب کرتے رہتے - اور جس حاکم یا بڑے افسر کو غیر اسلامی کردار سے داغدار

پاتے اس کو تنبیہہ کرتے اور اگر وہ غیر اسلامی طریقوں کو نہ چھوڑتا تو اس کو حکومت سے جُدا کر دیتے۔ تو پھر عوام میں بھی دین داری اور اسلامی عقاید و اعمال کی محبت پیدا ہو جاتی۔ اور ہم اِس آفتِ اختیاری سے محفوظ ہو کر اسلامی حکومت کو مستحکم بنا لیتے اور ہمارے کاموں کی نفاست اور پاکیزگی ہم کو دین دنیا میں عزت و حرمت کے قابل بنا دیتی اور دوسری قومیں جو نظریۂ پاکستان کی مخالف تھیں وہ بھی ہم کو تعمیرِ پاکستان کا صحیح معمار مان لیتیں۔ اور ہماری تقلید اور پیروی سے تمام دنیا کے ان مسلمانوں کی بھی اصلاح ہو جاتی جو نصرانیت اور مغربیت کے مارے ہوئے ہیں۔ مگر افسوس کہ اسلام کی مخالفت ہی کو ہمارے اکثر و بیشتر حکام نے مایۂ فخر و ناز دولت سمجھا اور اس سے چمٹے رہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہماری آبائی اور دینی تہذیب و تمدن بھی ہم سے کنارہ کر گئے۔ اور سارا کا سارا ملک غیر اسلامی نظریات سے متعفن ہو گیا۔ یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ جو قوم دوسروں کی غلام ہوتی ہے اُس کا عقیدہ اور عمل خودی اور خودداری۔ بلکہ استحکام و استقلال سے محروم ہوتا ہے۔ جیسا کہ انگریزی حکومت میں ہمارا حال تھا کہ بہت سے تو قرآن و سُنت اور مسلمانوں کے قدیم طریقوں سے بیزار ہو کر جدید طریقے نکال بیٹھے اور حکومت چونکہ اسلامی رسم و رواج کو مٹانا چاہتی تھی وہ اُن کی سرپرستی کرتی رہی بلکہ ان کو ایسے اسباب بھی دیتی رہی جن سے وہ اپنی خلافِ اسلام جد و جہد میں کامیاب ہوتے رہیں پہلی

تفریق کا حال تو ہم نے لکھ دیا ہے لیکن برطانیہ کی حکومت میں جن فرقوں کو ڈھالا بنایا اور پیدا کیا گیا۔ اُن میں قادیانی خاص کر اسی کا پیدا کیا ہوا فرقہ ہے جس کا عقیدہ قرآن و سنت اور تمام ہی مسلمانوں کے خلاف ہے۔ جس کا علم ہند و پاک کے مسلمانوں کو بخوبی ہے اور علامہ اقبالؒ نے بھی تعارف کرا دیا ہے۔

ہندی مسلمان ضربِ کلیم ص ۲۰

غدّارِ وطن اس کو بتاتے ہیں برہمن
انگریز سمجھتا ہے مسلمان کو گدا گر
پنجاب کے اربابِ نبوت کی شریعت
کہتی ہے کہ یہ مومنِ پارینہ ہے کافر
آوازۂ حق اٹھتا ہے کب اور کدھر سے
مسکین و لم ماندہ دریں کشمکش اندر

حضرت علامہ مرحوم نے مختصر الفاظ میں فرقۂ قادیانی کی اصلی حالت بیان کر دی ہے کہ اس نے تمام دنیا کے مسلمانوں کے خلاف صرف دُنیا کی طمع اور مال دولت کے لالچ میں اس طرح مسلمانوں بلکہ مسلمانوں کی حکومت کے احسان شناس ہندوؤں کے خلاف انگریزوں کی طرف داری بلکہ غلامی میں کاسہ گدائی بھرنے کی رنگیک التجائیں کیں جن کی وجہ سے ہندو بھی ان کو گداگر کے لقب ہی سے یاد کرتے تھے۔ چنانچہ مرزا غلام احمد کے بہت سے خطوط بھی مرزا کی گداگری کا بھانڈا پھوڑتے

ہیں - ۲۴ فروری ۱۸۹۸ء کے خط میں مرزا غلام احمد نے لکھا - غرض یہ ایک ایسی جماعت ہے جو سرکار انگریزی کی نمک پروردہ اور نیک نامی حاصل کردہ اور موردِ مراحم گورنمنٹ ہے - اور پھر اسی خط میں یہ بھی ہے - کہ میں چاہتا ہوں کہ انڈیا کے مسلمان اپنی اس گورنمنٹ (برٹش) کی ایسی اطاعت کریں کہ دوسروں کے لیے نمونہ بن جائیں - اِس کے بعد بڑے زور سے اعلان کرتے ہیں کہ زور سے کہتا ہوں اور میں دعوے سے گورنمنٹ کی خدمت میں مَیں اعلان کرتا ہوں کہ باعتبار مذہبی اصول کے مسلمانوں کے تمام فرقوں میں سے گورنمنٹ کا اول درجہ کا وفادار اور جاں نثار یہی نیا فرقہ ہے جس کے اصولوں میں سے کوئی اصول گورنمنٹ کے لیے خطرناک نہیں - یہ ہے مرزا غلام احمد کی تحریر - پھر لکھا ہے کہ اپنی محسن گورنمنٹ کی خدمت میں کہ میں یقین رکھتا ہوں کہ جیسے جیسے میرے مُرید بڑھیں گے ویسے ویسے مسئلۂ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے - کیونکہ مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی مسئلۂ جہاد کا انکار ہے -
پھر اسی خط میں مرزا غلام احمد نے یہاں تک لکھ دیا کہ ایسے خیالاتِ غازیانہ جہاد اور جنگ جوئی کو اس زمانہ کے لیے قطعی طور پر حرام اور ممتنع سمجھنا اور ایسے (جہاد اور گورنمنٹ سے جنگ و جدل کرنے والے) خیالات کے پابند کو صریح غلطی پر قرار دینا ہمارا اولین فرض ہے - اور مرزا جی نے بہت سے پیروں - مولوی فاضلوں کو بھی اس اسلامی نظریہ کی بیخ کنی پر آمادہ کر دیا تھا - خود لکھتے ہیں کہ ہماری طرف سے اس جہاد کے برخلاف پیروں فاضل

مولویوں نے ہزاروں آدمیوں میں تعلیم کی ہے اور کر رہے ہیں جس کا بہت اثر ہوا ہے یہ کہ گورنمنٹ محسنہ کی نسبت جس کے ہم زیر سایہ ہیں یعنی گورنمنٹ انگلشیہ کوئی مفسدانہ خیالات دل میں نہ لانا اور خلوص دل سے اس کی اطاعت میں مشغول رہنا۔ یہ جدوجہد تھی مسلمانوں میں سے نیا فرقہ بنانے والے مرزا غلام احمد کی۔

یورپ پرستی کی انتہا: اسی خط میں مرزا غلام احمد نے گورنمنٹ برٹش کو درخواستیں پیش کی ہیں اُن میں سے پانچویں درخواست بھی ملاحظہ کے لیے حاضر ہے۔ لکھتے ہیں کہ اس درخواست سے جو حضور کی خدمت میں مع اسمائے مریدین روانہ کرتا ہوں مدعا یہ ہے کہ اگرچہ میں آپ کی خدمات خاصہ کے لحاظ سے جو میں نے اور میرے بزرگوں نے محض صدق دل اور اخلاص اور جوش وفاداری سے سرکار انگریزی کی خوشنودی کے لیے کی ہیں عنایت خاص کا مستحق ہوں پھر اسی میں لکھتے ہیں صرف التماس یہ ہے کہ سرکار دولت مدار ایسے خاندان کی جس کو پچاس برس کے متواتر تجربہ سے ایک وفادار جاں نثار خاندان ثابت کر چکی ہے اور جس کے متعلق گورنمنٹ عالیہ کے معزز حکام نے ہمیشہ مستحکم رائے سے اپنی چھٹیات میں یہ گواہی دی ہے کہ وہ سرکار انگریزی کے پکے خیر خواہ اور خدمت گزار ہیں۔ اس خود کاشتہ پودے (فرقۂ قادیانی) کی نسبت نہایت حزم و احتیاط اور تحقیق و توجہ سے کام لے اور اپنے ماتحت حکام کو اشارہ فرمائے کہ وہ اس خاندان کی ثابت

شدہ وفاداری اور اخلاص کا لحاظ رکھ کر مجھے اور میری جماعت کو ایک خاص عنایت اور مہربانی کی نظر سے دیکھیں۔ ہمارے خاندان نے سرکارِ انگریزی کی راہ میں اپنے خون بہانے اور جان دینے سے فرق نہیں کیا۔ اور نہ اب فرق ہے لہٰذا ہمارا حق ہے کہ ہم خدماتِ گذشتہ کے لحاظ سے سرکارِ دولت مدار کی پوری عنایت اور خصوصیتِ توجہ کی درخواست کریں (مرزا غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپور ۲۴ فروری ۱۸۹۸ء) پھر کمشنر صاحب بہادر پنجاب کی چھٹی ع ۵۷۶ مورخہ ۱۰ اگست ۱۸۵۸ء کا حوالہ دیا ہے کہ اس میں مفصل بیان ہے کہ میرے والد مرزا غلام مرتضٰی رئیس قادیان کیسے سرکار انگریزی کے سچے وفادار اور نیک نام رئیس تھے اور کس طرح ان سے ۱۸۵۷ء میں رفاقت اور خیر خواہی اور مددِ سرکار دولت مدار انگلشیہ ظہور میں آئی۔ اور کس طرح وہ ہمیشہ بدل ہوا خواہِ سرکار رہے گورنمنٹ عالیہ اس چھٹی کو اپنے دفتر سے نکال کر ملاحظہ کر سکتی ہے۔ پھر مرزا جی نے لاہور کے کمشنر رابرٹ صاحب کو وہ تحریر پیش کی ہے جس میں رابرٹ صاحب نے ان کے والد اور بھائی کی خدمات کا اعتراف کیا ہے اور مبلغ دو سو روپیہ ماہوار کا وظیفہ سرکار انگریزی کی طرف سے مقرر کیا ہے۔ غرض یہ ہے کہ مرزا غلام احمد کا پورا خاندان ہی یورپ پرستی اور حکومت برٹش کی وفاداری اور جاں نثاری میں مصروف رہا اور مرزا غلام احمد نے اسلام کی مخالفت اور نصاریٰ کی موافقت میں اپنی عمر ختم کر دی۔ مرزا کی تحریر ہے کہ میری عمر کا اکثر حصہ

اس سلطنتِ انگریزی کی تائید و حمایت میں گزرا ہے اور میں نے ممانعتِ جہاد اور حکومتِ انگریزی کی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کیے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو اُن سے پچاس الماریاں بھر سکتی ہیں (تریاق القلوب تختی خورد ص۲۵ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

مرزا غلام احمد کے اباجی کو چھٹی: مرزا جی اپنے والد مرزا غلام مرتضٰی کے نام چیف کمشنر لاہور رابرٹ صاحب کی چھٹی کی یوں نقل کرتے ہیں۔ تہور و شجاعت دستگاہ مرزا غلام مرتضٰی بعافیت باشند از آنجا کہ ہنگام مفسدہ ہندوستان موقوعہ ۱۸۵۷ء از جانب آپ کے رفاقت و خیر خواہی و مدد دہی سرکار دولت مدار انگلشیہ در باب نگاہ داشتِ سواراں وبہم رسانیِ اسپان بخوبی منصۂ ظہور پہنچی اور شروعِ مفسدہ (غدر کی ابتدا) سے آج تک آپ بدل ہوا خواہ سرکار رہے اور باعثِ خوشنودی سرکار ہوا۔ لہٰذا بجلووی اس خیر خواہی اور خیر سگالی کے خلعت مبلغ دوصد روپیہ کا سرکار سے عطا ہوتا ہے اور حسب منشاء چھٹی صاحب بہادر کمشنر نمبری ۵۷۶ مورخہ ۱۰ اگست ۱۸۵۸ء پروانہ ہذا باظہار خوشنودی سرکار و نیک نامی و وفاداری بنام آپ کے لکھا جاتا ہے (مرقومہ ۲۰ دسمبر ۱۸۵۸ء یہ ہے۔ اُن مسلمان کہلانے والوں کا کردار جن کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کے جذبات جوش مار رہے تھے۔ اور

انگریز پرستی اور یورپ زدگی کے دم خم بلکہ حوصلے بلند و قوی تھے۔ دُنیا طلبی نے دینِ اسلام اور اس کے نظریات کو بالکل پسِ پشت ڈال دیا تھا لیکن دنیا کی طمع صرف مرزا غلام احمد قادیانی تک ہی محدود نہ تھی بلکہ اکثر و بیشتر وہ لوگ بھی اس کے نشہ میں چور تھے جو انگریزوں کی نظر عنایت کے مرہونِ منت تھے یا ان کے قرب و نزدیکی کے فیض یافتہ تھے دیکھئے مرزا غلام احمد نے خود اس کا ذکر بڑے فخر سے کیا ہے۔ انگریزوں کی خدمت میں چوتھی گذارش یہ ہے کہ جس قدر لوگ میری جماعت میں ہیں اکثر اُن میں سے سرکار انگریزی کے معزز عہدوں پر ممتاز ہیں یا اس ملک کے نیک نام رئیس اور اُن کے خدام اور احباب یا تاجر یا وکلاء یا نو تعلیم یافتہ انگریزی خواں یا ایسے نیک نام علماء اور فضلا اور دیگر شرفاء ہیں جو کسی وقت سرکار انگریزی کی نوکری کر چکے ہیں یا اب نوکری پر ہیں یا اُن کے اقارب اور رشتہ دار اور دوست ہیں جو اپنے بزرگوں مخدوموں سے اثر پذیر ہیں اور یا سجّادہ نشینانِ غریب طبع غرض یہ ایک ایسی جماعت ہے جو سرکار انگریزی کی نمک پروردہ ہے۔ یہاں تک مرزا غلام احمد کی تحریر ہے۔ آپ کی خدمت میں یہ عبارت اس لیے پیش کی ہے کہ انگریزوں کے پالے پوسے ہی اکثر و بیشتر وہ لوگ تھے، جنہوں نے خوشی سے مرزا غلام احمد قادیانی کو مہدی، مسیح اور نبی مان کر قرآن حکیم کی بجائے براہینِ احمدیہ کو بھی الہامی کتاب تسلیم کر لیا۔ اگرچہ پاکستان تو قرآن و سُنت ہی کے احکامات جاری کرنے اور اسلامی معاشرے اور ثقافت

کے لیے بنا تھا مگر اکثر و بیشتر اقتدار والے وہی لوگ رہے جو انگریزوں کی غلامی کے خوگر تھے۔ یعنی ان کی حکومت کے نظریات اور سیاست کے عادی تھے اسے بھی سوئے اتفاق ہی سمجھئے کہ جو حکومت۔ یا ریاست اسلامی فضا پیدا کرنے کو خدائے تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی اس کے کرتا دھرتا اکثر وہ حضرات ہی مقرر ہوئے۔ جو غیر اسلامی بلکہ مغربی ماحول کے دلدادہ تھے۔ اور انھوں نے اپنے اقتدار کے قیام و استحکام کے لیے بھی مغربی طریقے ہی اختیار کئے۔ اور جو حضرات اقتدار کے بھوکے اور پیاسے تھے انہوں نے بھی حصول اقتدار کے لیے مغربی راستے اپنا لیے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ الیکشن ہونے لگے اور چنے ہوئے حضرات اسمبلیوں میں براجمان ہو کر اپنی پسند کے صدر۔ گورنر اور وزیر وغیرہ بنانے لگے۔ جن میں اکثر کے زیر سایہ تخریب ملک و ملّت کے جراثیم سر نکالنے لگے۔ کہیں کنبہ پروری نے عدل و انصاف کے راستے سے دور ڈالا۔ اور کہیں رشوتوں اور سفارشوں کے ذریعے لوگوں نے اپنا مطلب نکالا۔ ان زمانوں میں بھی اکثر بڑے بڑے انگریزی دان ہی اپنی قابلیت علمی اور اہلیت سیاسی کے ہم چو من دیگرے نیست مدعی بنے۔ اور ایک زمانہ ایسا ہی بھی آیا کہ طوائف الملوکی کے طوفان اُٹھنے لگے اور قوم میں افراتفری ہونے لگی۔ یہ تو آپ نے اوپر کی تحریروں سے سمجھ لیا ہوگا کہ انگریزی میں قابلیت حاصل کرنے والوں میں اکثر ایسی بودی طبیعتوں کے لوگ ہوتے ہیں جن کو اپنے عقائد و اعمال پر استحکام نہیں

ہوتا۔ جس طرف کام نکلتے دیکھا ڈھلک گئے۔ مستقل مزاج یا کسی صائب اور مفید رائے کے مالک نہیں ہوتے۔ اور بعض کی طبیعتیں اس قدر متلون اور دل ایسے کمزور ہوتے ہیں کہ کسی مفید نظریہ کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ یہ بات تو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام اور اپنے رسولؐ کے ارشادات کے فرماں داروں کے ذریعہ ہی دُنیا کے لیے نمونہ بنا دی کہ وہ اپنی رائے کی افادیت بلکہ اصابت پہ نازاں تھے جس کا ثبوت اہلِ عقل و صاحبانِ علم اپنی تحسین و آفرین سے پیش کرتے رہے ہے۔ اس کا بین ثبوت تو یہی ہے کہ پاکستانی حاکموں اور ذی اقتداروں نے نظریۂ تعمیرِ پاکستان کی تکمیل کا ذریعہ انہیں اسلاف کی پیروی کو تسلیم کیا مگر افسوس کہ صرف اپنے اقتدار اور عزّت و وقار ہی کے نشے میں چور ہو کر رہ گئے۔ بلکہ بعض نے تو اقتدار قائم رکھنے اور اپنی قدر و منزلت کے استحقاق کا ثبوت پیش کرنے کرانے سے بھی پہلوتہی کی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ کسی رات کے ایک لمحہ میں ہی محمد ایوب خان صاحب نے صدارت سکندر مرزا کے ہاتھ سے چھین لی۔ اور پھر کچھ دنوں کے بعد خود صدرِ پاکستان بن گئے۔

صدارتِ ایوّبی: ایک تو یہ بات محمد ایوب خان کی تمام محبانِ ملک کو پسند آئی کہ انہوں نے کسی طرح بھی شر و فساد کو تبدیلیِ صدارت میں داخل نہیں ہونے دیا۔ بہت

اطمینان اور سکون سے حکومت کا نظام ہاتھ میں لے لیا۔ اور صدارت یا اپنی حکومت کے اول دنوں میں چند ملک کو نقصان دینے والے جرائم کو بھی کم کر دیا۔ اور چور بازاری یا دوسرے ناجائز طریقوں سے جو مال و متاع حاصل کیا گیا تھا وہ بھی اگلوا لیا۔ اول اول ان کا نظام ایسا رہا کہ اکثر پاکستانی ان کی تعریف کرتے رہے۔ اور ہم جیسے سادہ لوحوں اور حکام سے اچھی امیدیں رکھنے والوں کو یقین ہو گیا تھا کہ اب محمد ایوب خان صاحب اپنی صدارت کو قرآن و سنت کے احکام کے نفاذ کے ذریعے مستحکم اور قابل ستائش بنا دیں گے۔ چونکہ اسلامی نظریات کی اشاعت اور احکام خداوندی کی تعمیل کے لیے ہی حکومت پاکستان وجود میں آئی تھی۔ انکے پہلے والوں کی حکومتوں کو استحکام اور مقبولیت عوام صرف اس لئے حاصل نہیں ہو سکی تھی کہ ان کے طریقے انگریزوں ہی جیسے تھے اور انہوں نے وہ برطانیہ کا قانون نافذ کر رکھا تھا۔ حالانکہ یہ بات کس قدر ظاہر تھی کہ اگر مسلمانان ہند (انڈیا) کو انگریزی قانون کی اطاعت ہی منظور رہتی تو پھر پاکستان بنانے کے لیے اس قدر قربانیاں۔ جان و مال عزت و آبرو کا ضیاع کیوں برداشت کرتے؟ قائد اعظم اور ان کے تمام ساتھیوں نے بارہا یہی اعلان کیا تھا کہ ہم کافروں کی غلامی سے نجات حاصل کرنے اور قرآن و سنت پر آزادی سے عمل کرنے کرانے کے لیے ہی پاکستان چاہتے ہیں۔ پچھلی حکومتوں میں تو اکثر وہی طریقے اور قانون چلتے رہے جو انگریزوں کے تھے۔ اسی لیے

ان میں انتشار اور مختلف نظریات ابھرتے رہے۔ چونکہ کسی انسان کے زبانی دعوؤں پر اس کا کامل اعتماد اور اعتبار نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے عمل سے ثابت نہ کرے۔ اگرچہ پاکستانی صدر۔ گورنر وزیر حکام اپنی حکومتوں کو مسلمانوں کے دلوں میں جمانے کے لیے اسلام کی پیروی اور قرآن و سنت کی احادیث پر تو بڑی بڑی تقریریں کرتے رہے مگر ان حضرات کا عمل بالکل نصارٰی کا سا ہی رہا۔ اور اکثر و بیشتر حاکموں کے اپنے اور ان کے گھر والوں کے طریقوں میں عیسائیت اور مغربیت ہی نمایاں رہی۔ جتنی چیزیں اسلامی نظریات اور عقائد اور اعمال کے خلاف ہیں وہ اُن کے ہاں ترقی کرتی رہیں۔ اکثر محکموں میں رشوتیں تھیں۔ پبلک کے معاملات اور مقدمات کی طرف سے لاپرواہی۔ ریس اور جوے کے اڈے۔ کلب گھر اور شراب خانوں ڈانس گھروں اور سینماؤں کی تعداد میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ اور چند مساجد اور عبادت خانوں کو بھی مسمار کیا گیا۔ اور سکولوں کالجوں کے اساتذہ پروفیسروں اور استانیوں نے بھی یورپی تہذیب و تمدن میں چار چاند لگائے۔ ظاہر ہے کہ جب اساتذہ اور استانی غیر اسلامی طور طریق تہذیب و تمدن کو پسند کریں گے تو ان کے شاگرد بھی ایسے ہی نکلیں گے۔ یہ تمام خرابیاں تھیں جو کسی نئے مصلح حکومت کا انتظار کرا رہی تھیں۔ ایسے وقت میں جناب محمد ایوب خان صاحب بقوت خداداد منصب حکومت پر جلوہ افروز ہو گئے۔ چونکہ ان میں کچھ خود داری

مستقل مزاجی - اور شجاعت نے رونمائی کی تھی - بڑی اُمید تھی کہ یہ ان قابلِ قدر طاقتوں سے احکام خدا و رسول جاری کر کے اپنی ایمانی طاقت اور اسلامی جوانمردی کے بھی کرشمے دکھا کر تمام پاکستانیوں کے دلوں پر حکومت کریں گے اور قیامت تک تاریخ میں اپنی نیک نامی اور درجۂ ایمانی کی مشعلیں روشن چھوڑ جائیں گے -

ہمارے علماء و محبّانِ دین: کا یہ فرض اولین تھا کہ وہ اپنے حاکموں سے قرآن و سُنّت کی ترویج کا مطالبہ اور تقاضا اسلامی اور مہذب طریقے سے متفق ہو کر اس طرح کرتے کہ اُن کو ماننا ہی پڑتا - لیکن نہ تو علماء اس پر متفق ہوئے - بلکہ بہت سے مشائخ اور علماء اپنی اپنی دنیاوی مصلحتوں کے تحت الیکشن کے طرف دار ہو گئے اور مقابلے کرنے والوں کی پشت پناہی کرنے لگے اور بعض علماء نے حکومت اور دین کو دو جدا چیزیں تصور کر کے خاموشی اختیار کی - حالانکہ ان کو علم تھا اور اب بھی ہے کہ اسلامی حکومت اور مسلمانوں کو دین یعنی قرآن و سُنّت پر عمل کرنے کے لیے اقتدار حاصل کرنا ضروری ہے - اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں صاف طور سے فرما دیا کہ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحَاکِمِیْنَ - یعنی کیا اللہ تعالیٰ تمام حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے؟ یہاں تو انسانی عبدیت کے تمام تقاضوں کو چیلنج ہے - اگر انسان اللہ تعالیٰ کو سب حاکموں سے بڑا نہیں مانتا تو اس کی انسانیت بھی ناقص

ہے۔ بلکہ قرآنِ حکیم کی رو سے وہ حیوانوں سے بدتر ہے۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ پ ۱۵ سورۂ بنی اسرائیل - یعنی کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو اپنے رب کی پاکی بیان نہ کرتی ہو مگر تم ان کی زبان نہیں سمجھتے ہو۔ جب ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کی خوشی اور رضاجوئی کے لیے اس کے ذکر اور تعریف بیان کرنے میں مصروف ہے تو پھر وہ انسان جس کے لیے تمام کائنات کو پیدا کیا ہے اس کی نافرمانی کس طرح کرتا ہے؟ پاکستان تو وہی سرزمین ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کی حکومت قائم کرنے اور جاری رکھنے کے لیے حاصل کی گئی تھی اور پاکستان کے دستور کی اساس بھی اللہ تعالیٰ کو حاکمِ اعلیٰ تسلیم کرنے کی شرط سے مزین و مستحکم کی گئی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآنِ حکیم اور نبی رسولِ رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے ہوتے ہوئے بھی وہی برطانیہ کا قانون آج تک مانا جاتا ہے یعنی ابھی تک حاکمِ اعلیٰ خدا کے غیر۔ بلکہ اسلامی اصول کے بدترین خلاف قانون کو مانا جاتا ہے۔ کیا خدائے تعالیٰ کے حاکمِ اعلیٰ ماننے کا یہی ثبوت ہے۔ ہائے افسوس اس قوم پر جس نے عہد و پیمان خداوندی سے سرتابی کی۔ اگر علمائے کرام متحدہ جد وجہد سے محروم تھے تو ان حاکموں۔ ججوں اور قانون دانوں کا بھی فرض تھا کہ وہ خدائے تعالیٰ کے خلاف کسی قانون کی خدمت اور بالادستی سے راضی نہ ہوتے۔ مگر میں نے تو کسی جماعت کو بھی یہ اہم ترین فریضہ ادا کرتے نہیں پایا۔

مولوی بیچارے تو معاشی پریشانیوں اور باہمی فروعی یا خود پیدا کردہ اصولی اختلافات ہی میں اُلجھے رہے۔ لیکن جو پاکستان کے طفیل بڑی بڑی تنخواہیں اور رقمیں حاصل کرتے رہے اُن کو تو اپنی روزی حلال کرنے اور خدائے تعالیٰ کے جاہ و جلال کی عزت و عظمت ہر دل میں متمکن کرنے کا شرف حاصل کرنے کا سنہری موقع تھا۔ اگر ہم سب کی نظریۂ تعمیر پاکستان سے غفلت دور ہو جاتی تو تمام قسم کے اختلافات اور شر و فساد کے دروازے مسدود ہو جاتے۔ جیساکہ خود اللہ تعالیٰ ہی نے فیصلہ فرما دیا ہے۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ج فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ط ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ۵۹ سورۃ نساء۔ یعنی اے ایمان والو تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی۔ اور ایمان دار حاکموں کی پھر اگر کسی مسئلہ یا معاملے میں تمہارے حاکموں میں اور تم میں اختلاف رائے ہو تو اس مسئلہ کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے پوچھ لیا کرو۔ یا ان کے احکام سے اس کا فیصلہ طلب کر لیا کرو۔ اگر واقعی سچ مچ تم ایماندار ہو اور اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتے ہو۔ یہ طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اس کا انجام بھی مفید ہے۔

پاکستان کے سیاست دان: اللہ تعالیٰ کے فضل سے

پاکستان میں بھی ہر طبقہ میں سیاست اور ملکی نظام سے واقفیت کے مدعی تو برابر ہوتے رہے۔ لیکن ہم نے اس معاملہ میں اُن کو قرآنِ حکیم کے طریق مبارک سے بالکل ناآشنا ہی پایا۔ کسی کے عروج یعنی سرداری اور ابتدائے حکومت میں اکثر و بیشتر تو تعریف کرنے اور جدید اقتدار کی کرسی کی مبارک بادیاں پیش کرنے والے ہی دیکھنے میں آئے۔ لیکن چونکہ ان میں بھی حکومت اور اقتدار حاصل کرنے کے جذبات کروٹیں بدلتے رہتے تھے۔ دوسروں کی حکومت بطیب خاطر زیادہ دیر برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ تو اس میں کیڑے ڈالنے لگتے اور اس کے معزول کرنے کی کوشش میں غیر اسلامی بلکہ انسانی تہذیب کے خلاف طریقے بھی اختیار کرنے میں تامل نہیں کرتے تھے۔ اسی لیے یہاں بڑے بڑے منصب اور عہدے پا بر کاب ہی رہے۔ اطمینان اور سکون تو صرف اللہ تعالیٰ کے کلام اور احکام سے ہی نصیب ہو سکتا ہے۔ چونکہ پاکستان کا قانون مغربی تھا اس کے چلانے اور منوانے والے بھی مغربی طریقوں پر رہے اور پھر جو لوگ اس ناپائیدار طریق کارِ حکومت کے لالچی اور حریص تھے وہ بھی اسلامی اخوت اور راست بازی سے محروم تھے ان میں سے بعض نے تو پاکستان کے صوبوں کے لیے خود مختاری کی جد و جہد بھی کی اور بعض ابھی تک مشرقی اور مغربی پاکستان کو جدا جدا خود مختار بنانے کے خواب دیکھ رہے ہیں غرض یہ ہے کہ مغربیت کی تعلیم اور تہذیب کا اثر ملک میں افراتفری کا سبب بنتا رہا۔ صدر محمد ایوب خان نے

پہلی حکومتوں کے وزیروں اور اسمبلی کے ممبروں کو سیاست اور حکومت کا بالکل نااہل قرار دے کر ان کی زبانوں پر تالے ہی ڈال دئے تھے اور کئی برس تک ان کی زبانیں بھی مافی الضمیر کے اظہار کو ترستی ہی رہیں یہ ہے ہمارا وہ بہادر طبقہ اور جماعت جو مناصبِ حکومت پر جلوہ فرما تھا۔ یہ بات ضرور ہے کہ صدر محمد ایوب خان کی حکومت سے پہلے جو وزیر اور گورنر حضرات تھے۔ وہ اکثر مسلم لیگ کے معاونین تھے اور پاکستان بنانے والی محسن جماعت مسلم لیگ کی برتری اور کامیابی کے لیے ان کی مساعی جمیلہ فراموش نہیں کی جاسکتیں۔ اور ان کی حکومتوں میں عوام اپنی مرادیں حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہوتے رہتے تھے۔ چونکہ وہ خود عوام سے ملتے جُلتے تھے اور عوام کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے احکام بھی بآسانی جاری کر دیتے تھے۔ مگر افسوس اس امر پر ہے کہ اُنہوں نے اسلامی شجاعت بہادری اور اخوت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اور اپنی اپنی مخصوص جماعتوں کے ساتھ اپنی پسپائی کے معترف ہوگئے۔ ہاں یہ امن پسندی۔ حلم اور بُردباری ان کی قابلِ ستائش ہے کہ انہوں نے اس وقت ملک میں انتشار اور فتنہ و فساد کی چنگاریاں نہیں چھوڑیں۔ صدر محمد ایوب خان کی حکومت سے رقابت کا اظہار بھی نہیں کیا۔

بہادر قوم کا طریقِ کار: تو اسلامی نظریات اور تعلیم میں یہ ہے

کہ اپنے ملک اور قوم کے لیے نقصان دہ طوفانوں کا انسداد کریں۔ اور اس کا اسلامی طریقہ یہ ہے کہ جس طاقت اور قوت کو ملک کی بربادی اور ملک والوں کی ایذا رسانی کا ذریعہ سمجھیں اُس کو برسر اقتدار نہ آنے دیں۔ اور نہایت پُر امن طریقوں سے اس کے پنجۂ استبداد کو کمزور کر دیں۔ لیکن اس بہادری اور خودداری کا ثبوت وہی قوم پیش کر سکتی ہے جس میں باہمی اتفاق ہو۔ اور سب ایک ہی نظریہ کے دلدادہ اور ایک جذبہ سے سرشار ہوں۔ اس کی نظیر میں خود پاکستان کی تعمیر کافی ہے۔ جبتک ہندوستان میں مسلمانوں کی اکثریت میں نا اتفاقی تھی وہ نہ انگریزوں کے پنجۂ ظلم سے نجات پا سکی اور نہ ہندوؤں کی اکثریت کے دباؤ سے ہی محفوظ رہ سکی۔ اگرچہ سینکڑوں برس سے جد و جہد کرتے رہے مگر یہ اتفاق ہی کی برکت تھی کہ پاکستان اُن دونوں سے آزادی کی دولت سے سرفراز ہوا۔ تعمیرِ پاکستان میں نقص۔ یعنی باقی ماندہ مسلمانوں کی حفاظتِ جان و مال عزت و آبرو کے حتی پہلو سے غفلت تھی یا جدید حکومت اور آزادی سے ہمکنار ہونے کے شوق میں عجلت تھی۔ لیکن اب بھی بہادرانِ پاکستان کے لیے کچھ مشکل نہیں کہ وہ اپنے پس ماندہ غیروں کی نظرِ عنایت سے محروم مسلمانانِ ہند کی آزادی کی مہم سر کر لیں۔ اس کام کو اور دوسرے دینی اور قومی فلاح و بہبود کے مراحل طے کرنے کے لیے خلوص اور بے لوث خدمت کی ضرورت ہے۔ جن لوگوں پر خود غرضی اور جاہ پرستی اور دولت اندوزی کی بدترین عادتیں

مسلط نہ ہوں وہی ایسا کر سکتے ہیں۔ افسوس ہے کہ پاکستان۔ پاکستان بنانے والے قائد اعظم کی رحلت کے بعد ہی خود غرضی کا شکار ہونے لگا۔ اور لوگوں میں انگریزی زمانہ کے حصول کرسی کے جذبات غالب آنے لگے۔ یہ تو ہر آدمی جانتا ہے کہ پاکستان کے پہلے اکثر و بیشتر رئیس امیر اور گٹ پٹ کے جاننے والے سرمایہ دار کرسیوں کے لیے آپس میں زمانۂ الیکشن کے قریب ہی جنگ و جدل۔ اور مقابل کو زیر کرنے کے ہتھکنڈے شروع کر دیتے تھے۔ اور کرسی کے لیے کرسی کی بدولت جلب منافع کی تمنا میں ہزاروں روپے بھی خرچ کرتے تھے۔ پھر ہوا یہ کہ نظریۂ پاکستان کو بالائے طاق رکھ کر اکثر و بیشتر حضرات اس قمار بازی کے دنگل میں کود پڑے۔ اور ملک میں تفریق و انتشار سے فضا کو مکدر کرنا شروع کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں ایوبی حکومت قائم ہو گئی۔ اول اول تو ہر طرف سے تعریفوں کے پل باندھے گئے۔ ہر طرف سے مبارک بادیوں کے تار اور پیغامات کی بھرمار ہو گئی۔ مگر چونکہ ان کی طبیعتوں کو کسی پر اعتماد نہیں تھا اس لیے مخالفانہ چہ میگوئیاں بھی شروع ہو گئیں۔ محمد ایوب خان صاحب نے ان کا دروازہ کئی سال کے لیے تو مسدود کر دیا تھا۔ مگر پھر کسی مصلحت سے کھول دیا۔ مغربی سیاست کی پالیسیاں بھی رازدارانہ مصلحت کی حامل ہوتی ہیں۔ ان سے تو ہم کو زیادہ آگاہی نہیں۔

اسلامی اخوت و مروّت کا تقاضا: تو یہی تھا کہ دانایانِ

ملک اور ماہرین سیاست صدر صاحب کی خیر اندیشی کے لیے اس طرح مفید مشورہ دینے کی تکلیف گوارہ کرتے کہ وہ اپنی حکومت کے نظام کو ہر دلعزیز بنا سکتے۔ مگر یہ تو نہ ہو سکا۔ ہاں حکومت یا نظام کی خرابیوں کو اول اول تو درپردہ اعتراضات کا نشانہ بنانا شروع کیا گیا۔ حالانکہ اسلام میں یہ طریقہ جائز نہیں۔ مسلمان کا فرض ہے کہ جس بھائی میں کوئی بات بھی اس کے منصب کے منافی اور عوام کو متنفر کرنے والی پائے تو پہلے کسی ایسے مفید اور کارآمد طریق سے اُس کے گوشگذار کر دے کہ وہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے اور پھر لوگوں کو بدظنی کا موقع نہ دے۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا اسلام میں مخرب قوم و ملک جذبات یا اعمال کے انسداد کا کوئی طریق حتمی نہیں ہے؟ میرے خیال بلکہ عقیدہ کے تو یہ بالکل خلاف ہے کہ اسلام شخصی یا قومی نظریات و اعمال کی اصلاح کے مواد سے قاصر ہے۔ ہاں انسان میں حق گوئی اور قوم اور ملک کی حفاظت کا جذبہ بے لوث ہو نا شرط ہے ؎

آئین جوانمرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

اس شجاعت اور بہادری کے طفیل ہی مسلمانوں نے وہ حکومتیں کیں جن کے متعلق آسمانی کتابوں میں خدائی حکومت اور آسمانی بادشاہتیں کہہ کر مبارک بادیاں دی گئی تھیں۔ ان کا عدل و انصاف رعایا پروری خودداری۔ غیر اللہ سے لاپروائی۔ اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل ہی تمام دنیا میں ان کی بزرگی فوقیت اور غلبہ کے اسباب تھے۔ اگرچہ

پاکستانیوں نے انہیں اسلاف کے مبارک طریقے جاری کرنے کے لیے پاکستان حاصل کیا تھا۔ مگر یہ دعوے اور اللہ تعالیٰ سے ان کے وعدے سارے کے سارے غلط نکلے کیا کوئی پاکستانی بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ پاکستان میں کسی وقت بھی خدا کی اور آسمانی یعنی اسلامی حکومت کا نقشہ نظر آیا۔ وہی برطانیہ کا پاسبانِ جرائم قانون اعلیٰ حاکم رہا اور وہی نصاریٰ اور انگریزوں کے طور طریقے ترقی برتری۔ اور فوقیت حاصل کرتے رہے۔ اگر ان پاکستانیوں میں آبائی خودداری اور اسلاف کی سی راست بازی ہوتی تو ایک دن بھی اللہ تعالیٰ کی حکومتِ عالیہ سے سرتابی نہ کرتے۔ اور غیر اسلامی نظام کو برداشت نہ کرتے۔ میں نے اپنی معاشی الجھنوں کے باوجود بھی بڑے بڑے پوسٹروں۔ اور رسالوں کے ذریعہ قوم کو اس مبارک راستے کی طرف لانے کی کوشش کی مگر ملک کے کسی طبقے میں حرارت پیدا نہیں ہوئی سب سے اول تو مسلم لیگ کا فرض تھا کہ وہ اپنے وعدوں کو پورا کرنے کرانے کی کوشش کرتی اس کے کرتا دھرتا۔ اکثر و بیشتر دوسرے ہی کاموں میں مشغول رہے اور بعض اغراضِ ذاتیہ کا شکار ہو کر زر۔ زمین۔ زن کے پھندوں میں پھنس گئے۔ اور اُن کے دورِ اقتدار ہی میں رشوتیں۔ چور بازاریاں۔ گراں فروشیاں اور ملاوٹیں۔ فریب کاریاں شروع ہو گئیں اور ان کی غفلت سے نظریۂ پاکستان کے بدترین دشمن بھی کرسی اقتدار پر جلوہ افروز ہونے لگے۔ اور نتیجہ

جو کچھ ہوا وہ آپ کے سامنے ہے ۔ اور مجھ کو ان پاکستانی گٹ پٹ جان کر بڑے بڑے منصبوں اور عہدوں پہ ممتاز ہونے والوں پر تعجب ہے کہ انھوں نے قرآن وسنت اور اسلامی طریقے کے بدترین دشمنوں کو اسلام کی تخریب کے لیے آزاد کر دیا ۔ قادیانیت ۔ یہودیت اور الحاد اور بے دینی کے گمراہ کن طریقوں کے جاری کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کی گئی اور ابھی تک کی جا رہی ہے ۔ انگریزوں نے جتنے طریقے بھی لوگوں کو اسلامی نظریات سے دور ڈالنے کے لیے ابھارے تھے اور مسلمانوں میں نا اتفاقی منافقت اور باہمی جنگ و جدل کے جاری کئے تھے ان میں روز بروز ترقی ہی ہوتی جاتی ہے ۔

اِن یورپ زدوں کی تصویر کشی علامہ اقبالؒ نے خوب کی ہے ۔

ترا وجود سراپا تجلیِّ افرنگ
کہ تو وہاں کے عمارت گروں کی ہے تعمیر
مگر یہ پیکرِ خاکی خودی سے ہے خالی
فقط نیام ہے تو زر نگار و بے شمیر
تیری نگاہ میں ثابت نہیں خدا کا وجود
میری نگاہ میں ثابت نہیں وجود تیرا
وجود کیا ہے فقط جوہرِ خودی کی نمود
کر اپنی فکر کہ جوہر ہے بے نمود ترا

موجودہ حکومت : یہ تو میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ محمد ایوب

خان صاحب نے اپنے خیال میں صرف اس لیے بزور بازو حکومت چھینی تھی کہ وہ سابقہ اُن تمام بدعنوانیوں اور بدکرداریوں کو دور کر دیں گے جن کی وجہ سے وہ برسرِ اقتدار آئے ہیں۔ لیکن کچھ اصلاحات اور ترقی پذیر معاملات کا ظہور ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی نظریات بلکہ احکامات صریحہ کی خلاف ورزی بھی دھڑلے سے ہونے لگی۔ اور امریکہ اور یورپ کے اشاروں یا تاکیدوں سے وہ اصول اسلامی بھی مجروح ہونے لگے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے اُمت کو ورثے میں ملے تھے۔ اگرچہ اسلامی نظریات کے ہمدردوں نے مخالفت بھی کی مگر چونکہ اکثریت یورپ زدوں کی ہے وہ سب جوں کے توں جاری رہے۔ لیکن فطرتی طور پر وہ دیندار طبقہ جو اس جدید خلافِ اسلام عمل کو بُرا اور مداخلت فی الدین سمجھتا تھا برگشتہ خاطر ہوگیا۔ اتنی شجاعت اور دلیری تو تھی ہی نہیں کہ اُن کی سرے سے بیخ کنی کی جاتی اور یہ عوام اور بنیادی حقوق کے طلبگار جن کی رایوں اور ووٹوں سے الیکشن جیسی لعنت کا وجود زندگی پاتا ہے۔ دینداروں اور اسلامی اقدار کے قائم رکھنے والوں کا ساتھ دینے پر بھی تیار نہیں ہوئے پھر بھی یہ عوام بہر صورت طرف داری کے بڑے پکے حقدار سمجھے جاتے ہیں۔ پھر وہ علمائے کرام جن کو اسلامی عقائد و اعمال کی حفاظت کا ذمہ دار سمجھا جاتا ہے اپنی باہمی تفریق کی وجہ سے وہ قوت بھی ضائع کر بیٹھے جو کام آتی۔ بلکہ علمائے دین کی بدولت تمام مسلمانوں میں بھی جذباتِ تفریق و بیگانگی زیادہ ہی ہوتے گئے۔

ہائے افسوس

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی
آج کیا ہے فقط اک مسئلۂ علمِ کلام
روشن اس ضو سے اگر ظلمت کردار نہ ہو
خود مسلماں سے ہے پوشیدہ مسلماں کا مقام
میں نے اے میرِ سپہ تیری سپہ دیکھی ہے
قُلْ ہُوَ اللہ کی شمشیر سے خالی ہیں نیام
آہ اس راز سے واقف ہے نہ ملا نہ فقیہ
وحدت افکار کی بے وحدتِ کردار ہے خام
قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام

اگر یہ ہمارے بزرگانِ دین خود اس قوت اتفاق کو قائم رکھتے تو اپنے سر فروش عقیدت مندوں کے ساتھ ڈٹ جاتے۔

بقول مولانا ظفر علی مرحوم

کرتی رہے گی پیش شہادت حسین کی
آزادیٔ حیات کا یہ سرمدی اصول
چڑھ جائے کٹ کے سر ترا نیزے کی نوک پر
لیکن تو فاسقوں کی اطاعت نہ کر قبول

قانون کس کو کہتے ہیں؟

لغت میں قانون کے معنی ہیں ہر چیز کی اصلی۔ ہر چیز کا اندازہ۔ اور یہی معنی حقیقی ہیں۔ مجازاً اس دستور اور قاعدے کو بھی کہتے ہیں جو کسی ملک یا قوم کو نظام ملکی کے لیے۔ یا کسی فن اور ہنر کے بآسانی پھیلانے کے واسطے بنایا گیا ہو۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہر ملک میں مختلف مزاجوں اور مختلف خیالات کے لوگ ہوتے ہیں اور ہر قوم بلکہ ہر آدمی چاہتا ہے کہ وہ اپنی خواہشات کو پورا کرتا رہے اور اپنے نظریات کو عملی جامہ پہناتا رہے۔ وہ ذات اور طاقت جس نے تمام مخلوق کو پیدا فرمایا ہے سب کی اصلیت اور حقیقت کی بھی خالق ہے۔ ہر چیز کو حدِّ اعتدال پہ رکھنے کا علم صرف اسی کو ہو سکتا ہے اور وہی ہر چیز کی بقا کے صحیح اسباب بھی پیدا کرتی ہے اور پھر اس کو ان چیزوں سے بھی پوری واقفیت ہوتی ہے جو کسی جنس یا نوع کے نقصان اور ہلاکت کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔ اس لیے ہر انسان بلکہ حیوانات اور اُن تمام چیزوں کے لیے فائدے حاصل کرنے یا دوسروں کو اُن سے فائدے پہنچاتے آسان ہونے اور جن کاموں اور طریقوں سے ملک والوں کو نقصانات پہنچتے ہوں یا ان کی جانی مالی اور شرافتِ انسانی کی حفاظت کے لیے خطرات ہوں ان کو کلی طور پر بیان کرنا یہ اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے اسی لیے اُسی کا حکم اور فیصلے قانون کہے جا سکتے ہیں۔ انسانوں کا بنایا ہوا طریقۂ کار یا کسی قوم اور ملک کے لیے قائم اور نافذ کیا ہوا دستور و قانون کسی دانا کے

بھی اصلی قانون نہیں ہو سکتا چونکہ انسان اپنی خواہشات اور اغراض سے پاک نہیں ہے اسی لیے تو انسان کو ظَلُومًا جَهُولًا فرمایا گیا ہے۔ اسی لیے پاکستان کے دستورِ اساسی میں بھی خدائے تعالیٰ جلّ وعلیٰ کی اعلیٰ حکومت کو اصل قرار دیا گیا تھا۔ لیکن افسوس کہ کسی زمانہ میں بھی پاکستانیوں نے اس کو پورا نہیں کیا اور وہی ناجائز اور ناپاک خواہشات انسانی کا بنایا ہوا نظام قائم رکھا۔ مجھ کو تو تعجب اس امر پر ہے کہ پاکستان کے حکام اور جج بیرسٹر اور قانون کے وزیر بھی مسلمان کہلانے والے مسلمانوں کے فرزندانِ ارجمند ہی رہے ۔ کیا اس پاکستان میں خدائے تعالیٰ کی اعلیٰ حکومت اور اس کے دینِ اسلام یعنی نظامِ اسلامی سے ناآشنائی ممکن ہے جس کے ایک غیر مسلم کہلانے والے جج مسٹر کارنیلی اس اسلامی قانون کے مداح رہے اور ابھی تک وہ تمام انسانوں کے حقوق کی نگاہ داشت اور تمام قسم کے جرائم کے انسداد کا ذریعہ صرف اسلام ہی کے نظام کو ثابت کرتے رہتے ہیں۔ کیا مسلمانوں کے لیے یہ امر شرم اور عبرت حاصل کرنے کے لیے کچھ کم ہے ؟ کہ ایک غیر مسلم تو اسلامی دستور کی خاطر جد و جہد کرتا رہے اور مسلمانوں کے بچے پاسبانِ جرائم غیر اسلامی قانون کے غلام اور فرمان دار بنے رہیں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ ان مسلمانوں کے لیے باعثِ شرم بد اطواری ہے کہ جسٹس کارنیلی اس کی تائید و تعریفِ نظامِ اسلامی پر ناک بھوں چڑھائیں ۔

اِن مسلمانوں کی حقیقت : تو وہی ہے جو ہمارے محسن اللہ تعالیٰ

کے دین کے. داعی حضرت علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے بیان فرمادی ہے۔

ہاتھ بے زور ہیں الحاد سے دل خوگر ہیں
اُمتی باعثِ رسوائیِ پیغمبرؐ ہیں
بُت شکن اُٹھ گئے باقی جو رہے بُت گر ہیں
تھا براہیم پدر اور پسر آذر ہیں
قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذبِ باہم جو نہیں محفل انجم بھی نہیں؟
کون ہے تارکِ آئینِ رسولؐ مختار!
مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار؟
قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں
کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعارِ اغیار
ہو گئی کس کی نگاہ طرزِ سلف سے بیزار؟
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود
یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟
ہر کوئی مست مئے ذوقِ تن آسانی ہے
تم مسلماں ہو؟ یہ اندازِ مسلمانی ہے؟

حیدری فقر ہے نہ دولتِ عثمانی ہے
تم کو اسلاف سے کیا نسبتِ روحانی ہے؟

پہلے سچے مسلمان ایسے تھے :

وہ زمانہ میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر
تم ہو آپس میں غضب ناک وہ آپس میں رحیم
تم خطا کار و خطا بیں وہ خطا پوش وکریم
تختِ فغفور بھی اُن کا تھا سریرِ کَے بھی
یوں ہی باتیں ہیں کہ تم میں وہ حمیت ہے بھی
خودکشی شیوہ تمہارا وہ غیور و خوددار
تم اُخوت سے گریزاں وہ اخوت پہ نثار
تم ہو گفتار سراپا وہ سراپا کردار
تم ترستے ہو کلی کو وہ گلستاں بکنار
اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت ان کی
نقش ہے صفحۂ ہستی پہ صداقت اُن کی

پاکستان بن جانے کے بعد یہ حالت ہے : کہ

چند حضرات پاکستان کے حصے بخرے کرنے کی گپ شپ کرتے نظر آتے ہیں۔ کئی ابھی تک اس تقسیم ہی کے دل سے قائل نہیں ہیں حالانکہ

اُن کو پاکستان میں وہ فائدے حاصل ہوئے ہیں جو بھارت میں خواب میں بھی نہیں دیکھے تھے۔ اور ہمارے بنگال کے رہنے والے بھائی بھی بعض اس خیال کی نمائش میں لگے ہوئے ہیں کہ مغربی پاکستان سے مشرقی پاکستان خود مختاری کے ذریعے جدا ہو جائے۔ کیونکہ ہندو اپنے خیالِ باطل میں یہ منصوبہ بنانے میں کوشاں ہیں کہ اگر مشرقی پاکستان دفاع بیت المال۔ اور عدلیہ وغیرہ میں مغربی پاکستان سے علیحدہ ہو جائے تو ہم اس پر غالب آ سکتے ہیں۔ پھر مغربی پاکستان کے لیے ہمارے پشت پناہ امریکہ۔ روس وغیرہ ہمارے ساتھ مل جائیں گے اور مغربی پاکستان کسی نہ کسی دن ہمارے قبضے میں آ جائے گا۔ دشمنوں کو ایسے ناپاک ارادے جنم دینے کا موقع بھی ہماری مغرب پرستی نے ہی دیا۔ کیونکہ دنیا کی ہر قوم کو یہ ثابت ہو چکا کہ پاکستانی مسلمان بھی دوسرے ملکوں کی طرح اسلامی نظریات و عقائد کا پابند نہیں رہا اور مذہب کی آغوش میں رہ کر جو غیر مسلموں اور مخالفوں پر غالب آنے کی قوتیں تھیں۔ وہ اُن سے محروم ہو چکا ہے۔ اس دینِ اسلام سے بے تعلقی اور غیر قوموں کی تقلید کی شکایت یوں کی ہے۔ علامہ اقبالؒ کا ارشاد :

مثلِ انجم افقِ قوم پہ روشن بھی ہوئے
بُتِ ہندی کی محبت میں برہمن بھی ہوئے
شوقِ پرواز میں مہجورِ نشیمن بھی ہوئے
بے عمل تھے ہی جواں دین سے بدظن بھی ہوئے

اُن کو تہذیب نے ہر بند سے آزاد کیا
لا کے کعبہ سے صنم خانہ میں آباد کیا

ہم اللہ تعالیٰ کا جس قدر احسان بھی مانتے کم تھا کہ ہم کو صرف اسلام کے طفیل اور قرآن و سنت کے نام کی برکت سے انگریزوں اور ہندوؤں کی غلامی سے آزادی نصیب ہوئی ہے۔ الحمد اللہ جن مبارک ناموں نے ہم کو آزاد کرواکر ایک قابلِ قدر ملک کی حکومت دلوادی۔ اگر ہم اسلام کے پابند ہو کر قرآن و سُنّت پر عمل کر لیتے تو کیا مشکل تھا کہ اپنے آباؤ اجداد کی ہزار سالہ میراث بھارت کو آغوشِ اقتدار کی زینت بنا لیتے علامہؒ نے اس کا بھی فیصلہ فرمادیا ہے

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر از بر ہو
پھر پسر قابلِ میراثِ پدر کیونکر ہو

مستقل صدارت کی نعمت: یہ تو ہر آدمی جانتا اور مانتا ہے کہ بڑا عہدہ اور مرتبہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اسی لیے لوگ ہزاروں روپیہ خرچ کر کے اپنی اولاد اور عزیز و اقارب کو اعلیٰ تعلیم دلواتے اور ایسے ایسے ہنر اور فنون میں قابل بنانے کی کوشش کرتے ہیں جو بڑی پوسٹوں اور عہدوں کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت ہی کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ ہم دنیا میں یہ بھی دیکھتے ہیں کہ لوگ نعمت دینے والوں کا احسان مانتے اور ان کی نعمتوں کا شکر کرتے ہیں اور

محسن شناسی بھی قابلِ قدر صفت مانی جاتی ہے۔ اور اللہ تبارک تعالیٰ نے تو اپنے شکر کرنے والوں کو زیادہ نعمتوں کا وعدہ بھی فرمایا ہے۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ۔ یعنی اے بندو اگر تم میری نعمتوں کا شکر کروگے تو میں تم کو زیادہ نعمتیں دوں گا اور ہم کو تو دُنیا کے حیوانوں بلکہ وحشی جانوروں میں بھی محسن شناسی کے جلوے نظر آتے ہیں۔ کتّے بلّی اور ادنیٰ سے ادنیٰ پالتو جانور بھی اپنے دانا پانی دینے والے کو پہچانتا اور اس قدر ممنونِ احسان نظر آتا ہے کہ اس کو چومتا چاٹتا اور اس کے خوش کرنے لیے اس کے پاؤں میں بھی لوٹتا ہے۔ چڑیا گھروں میں بھی آپ نے دیکھا ہوگا کہ شیر، چیتے اور بھیڑیے جیسے خونخوار وحشی بھی اپنے راتب دینے والوں کا احترام کرتے ہیں۔ ہاتھی بھی بڑا قد آور ہے کہ بڑے سے بڑے جاندار کو پاؤں سے روندھنے کی طاقت رکھتا ہے مگر اپنے عارضی مالک کھانا پانی دینے والے کو اس قدر منزلت کی نگاہ سے دیکھتا ہے کہ اس کے بچے بھی اس پر سوار ہو کر جدھر لے جانا چاہیں دم دبا کر چلا جاتا ہے اور ان کے اشاروں پر بیٹھتا اُٹھتا ہے۔ انسان تو اشرف المخلوقات ہے کیا اس کو کسی طرح یہ جائز ہو سکتا ہے کہ اپنے ایسے خالق و مالک کو نہ مانے جس نے نیست سے ہست کیا۔ اور ضرورت کی تمام چیزیں عطا فرما کر اُس جیسوں پر اس کو برتری فوقیت اور سرداری کی نعمت بھی عطا فرما دی۔ اور لوگوں کے دلوں میں اس کی عزت و عظمت کے جذبات پیدا کر کے

اس کا اطاعت گزار بنا دیا۔ ہم نے مانا کہ بعض لوگ اپنی قابلیت یا زور و قوت کے بل بوتے پر کسی ملک یا قوم کے سربراہ یا حاکم بن جاتے ہیں مگر یہ قابلیت اور زور و قوت فہم و فراست بھی تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتیں ہیں۔ شجاعت بہادری قابلیت اور دانائی کا تقاضا تو یہی ہے کہ اپنے داتا اور منعم کو راضی رکھا جائے۔

شعر

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ — کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

آپ نیچے والا مضمون ذرا غور سے دل و دماغ کو تعصب و عناد سے پاک کر کے اور خود غرضی کو نظر انداز کر کے پڑھئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس میں مستقل صدارت اور سرداری کے اہم نکات پائیں گے۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

عدل اور رعایا پروری بالکل منشائے خداوندی کے مطابق اور حضور خاتم الانبیاء علیہ و آلہ وسلم کی پیروی کا صحیح جذبہ رکھ کر جو صدارت اور حکومت قائم ہو تو وہ مستقل اور جب تک اللہ تعالیٰ چاہے قائم رہ سکتی ہے۔ اور ایسی صدارت یا حکومت کی مخالفت وہی کر سکتے ہیں جن کے دل میں شمہ بھر بھی ایمان کی روشنی نہ ہو اور ملک کے بدترین دشمن ہوں۔ کیونکہ تمام دنیا کے عقل مند اور مفید سیاست کے ماہرین کہتے چلے آتے ہیں کہ حکومت صرف عدل ہی کے لیے ہوتی ہے۔ جس حکومت میں عدل و انصاف

ہے وہ دُنیا اور ملک والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے اس کی اطاعت اور اس کے ساتھ تعاون کرنا بھی خدائی بادشاہت کے استحکام کا ذریعہ ہے چونکہ عدل اللہ تعالیٰ کی صفتِ مبارکہ ہے اور ایسی خدا پرست اور رعایا پرور حکومت ہی صحیح معنوں میں حکومت کہلانے کی مستحق ہوتی ہے۔ آپ نے پہلے بادشاہوں کی تاریخیں بھی پڑھی ہوں گی جن میں نوشیرواں۔ یعنی کسریٰ کا ذکر بھی ہے یہ وہ بادشاہ تھا جس کے زمانہ کو حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم جیسے رحمت للعالمین کی پیدائش کا شرف حاصل ہوا۔ یعنی جس طرح سورج نکلنے کے پہلے فضائے آسمانی رات کے اندھیرے سے نجات پاکر آفتابِ عالمتاب کی کرنوں کی نمود کی برکت سے پرنور ہو جاتی ہے۔ اور لوگ کہتے ہیں کہ دن نکل آیا۔ دنیا کا آسمان پرنمودار ہو کر دنیا کو روشن کرنے والا سورج جس آفتابِ رسالت سراجِ منیر کا نمناسا پتنگا ہے اُس کی تشریف آوری اُفقِ عالم سے ظلم و ستم کی تاریکی کو دور کرکے۔ اپنی جہاں تابی کے آثارِ ظہور سے کس طرح محروم فرماتی۔

بلغ العلیٰ بکمالہٖ کشف الدجا بجمالہٖ
حسُنت جمیع خصالہٖ صلوا علیہ و آلہٖ

عدلِ نوشیروانی: نوشیروان جب کسی علاقے اور خطۂ زمین پر کسی کو حاکم بنا کر بھیجتا تو عدل کی تاکید

کرتا۔ اور یہ بھی کہہ دیتا تھا کہ تم کو جس علاقہ کا حاکم بنایا جاتا ہے، وہاں سے تمہارے متعلق شکایات نہ کی جائیں اور کسی آدمی کو بھی حکومت کی طرف سے بدگمان ہونے کا موقع نہ ملے کیونکہ حکومت سے بدگمانی کسی وقت نفرت کی صورت بھی اختیار کر لیتی ہے اور یہ ایک کامیاب اور حکومتِ عوام پسند کے لیے بدنما داغ ہے۔ ایک دفعہ ایک گورنر کو کسی علاقہ پر حاکم بنا کر بھیجا تو اُس گورنر نے شہنشاہ کسریٰ کو سالانہ خراج (ٹیکس) مقررہ سے زیادہ روپیہ بھیج دیا۔ خزانے کے حاکم نے اس کی اطلاع بادشاہ کو دی۔ بادشاہ نوشیرواں نے خزانچی محکمۂ مال کے حاکم سے کہا کہ جتنے روپے زیادہ بھیجے ہیں وہ واپس کر دیئے جائیں اور حکم دے دیا کہ یہ روپیہ جن لوگوں سے لیا گیا ہے اُن کو واپس کر دیا جائے۔ اور اپنے وزیر کو حکم دیا کہ اس گورنر کو معزول کر دیا جائے جس نے زیادہ روپیہ وصول کیا ہے۔ غرض یہ ہے کہ نوشیرواں کے متعلق عدل و انصاف کی بہت سی روایات تاریخوں میں پائی جاتی ہیں۔ نوشیرواں کے اس عدل و انصاف سے صرف اس کی بادشاہت ہی تعریف و تحسین کی محور نہیں بنی بلکہ اس کے عدل و انصاف کا اثر عام پبلک پر یہ ہوا کہ عوام بھی بڑی سے بڑی دولت بھی ناجائز طریقے سے لینا حرامِ مطلق اور قابلِ نفرت سمجھتے تھے۔ ہمارے ناظرینِ کرام اس کے زمانہ کے عوام الناس کے حالات اور باہمی معاملات بھی ملاحظہ فرمائیں۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ نوشیرواں کی حکومت کے زمانہ

میں ایک آدمی نے اپنا مکان کسی آدمی کے ہاتھ فروخت کیا جب خریدار نے اس کی مرمت یا توسیع کے خیال سے کسی حصہ کو کھدوایا تو اس میں بہت بڑا خزانہ نکلا - یہ دیکھ کر نئے مالکِ مکان نے فروخت کرنے والے یعنی پرانے مالکِ مکان سے جاکر کہا کہ جناب آپ اپنا خزانہ نکلوا کر لے آئیے اس نے کہا کیسا خزانہ؟ تو اس نے جواب دیا کہ دیکھئے میں نے آپ سے یہ مکان خریدا ہے اسی کی قیمت دی ہے - لہٰذا بہت جلد آپ اپنے خزانہ کو نکلوانے کا انتظام کیجئے جو مکان میں ہے - اس نے جواب دیا کہ جب میں مکان آپ کے ہاتھ فروخت کر چکا تو اب جو چیز بھی مکان میں ہے وہ آپ ہی کی ہے - لیکن وہ کسی صورت بھی اس خزانہ کی طرف متوجہ نہ ہوا - اور کہنے لگا کہ کیا آپ مجھے اور میرے خاندان کو تباہ کرنا چاہتے ہیں - حرام اور ناجائز مال تو بہت بڑا وبال اور تباہی کا پیش خیمہ ہے - مگر مکان بیچنے والا بھی اس خزانہ کے متعلق یہی کہتا رہا کہ میں اس ناجائز خزانہ کو جو آپ کے مکان میں نکلا ہاتھ نہیں لگا سکتا - دونوں میں تکرار کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ نوشیرواں عادل سے درخواست کرنی پڑی کہ آپ فیصلہ فرما دیجئے - کچھ دیر تو بادشاہ خاموش رہا - پھر فرمایا کہ میاں آپ دونوں کے اولاد بھی ہے؟ تو دونوں میں سے ایک نے کہا جی ہاں میرا لڑکا ہے اور دوسرے نے کہا میری بھی ایک لڑکی ہے تو بادشاہ نے حکم دیا کہ دونوں کی آپس میں شادی کر دو - اور وہ روپیہ ان کی

شادی میں خرچ کر دو۔ اس حکم کو سن کر دونوں فریق نے اس پر عمل کیا اور جھگڑا ختم ہو گیا۔ دیکھا آپ نے کہ بادشاہ اور صدر یا حاکمِ اعلیٰ کے عمل کا پبلک اور ملک والوں پر کس قدر اثر پڑتا ہے۔

حضرت شیخ سعدی صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اگر ز باغ رعیت ملک خورد سیبے
بر آورند غلامانِ او درخت از بیخ

یعنی اگر کوئی بادشاہ۔ حاکمِ اعلیٰ رعایا کے باغ سے ایک سیب بھی لے کر کھالے گا تو اس کے نوکر چاکر تو درخت جڑ سے اکھاڑ لیں گے۔

اب ذرا پاکستانی حکومت کے عمل کردار۔ عدل و انصاف کا اندازہ بھی کیجئے۔ میرے خیال میں تو شہیدِ ملت لیاقت علی خان کے بعد ہی سے کنبہ پروری، سفارشات، رشوتوں اور احباب نوازیوں کا سلسلہ شروع کیا گیا تھا اور جو لوگ ان مذکورہ ذرائع کے بہم پہنچانے سے قاصر تھے وہ کامیابی سے بھی محروم رہتے تھے۔ اور عوام الناس میں بھی خود غرضی۔ لالچ۔ فریب کاری۔ گراں فروشی۔ کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹیں۔ چوری ڈاکے۔ اغوا۔ لائسنس فروشی وغیرہ جرائم بھی ترقی کرنے لگے تھے۔ جو چیزیں دیدہ و دانستہ حرام اور بدکاری۔ بدکرداری۔ بے شرمی بے حیائی کے ناپاک جذبات کو ابھارنے والی تھیں وہ آزادی سے استعمال ہونے لگیں۔ اور حکومتیں شراب۔ زنا کے اڈوں پر ٹیکس وصول کرنے لگیں۔ اور وہ طور طریقے جو محرمات کی طرف گھسیٹ کر

لاتے ہیں۔ اکثر برسرِ اقتدار حضرات کی نظرِ التفات سے عوام کے لیے فخر کا سبب بنتے رہے نتیجہ یہ نکلا۔ کہ شراب خانے۔ ڈانس گھر۔ کلب ناچ گانے کے لیے بڑے بڑے ہوٹل قائم ہو گئے۔ سینما جو بداخلاقی اور بدکرداری کے پیدا کرنے اور نوجوانوں کی انسانی شرافت کا ستیاناس کر کے حیوانیت کی طرف لانے والے ہیں وہ سرمایہ داروں کی زراندوزی کا بہترین ذریعہ بن گئے۔ وہ خاندان جو پاکستان بننے سے پہلے اپنی پردہ داری۔ عصمت و پاکدامنی پر نازاں تھے اُن کی پالی پوسی لڑکیاں اپنے حسن و جمال کی نمائش کے ذریعے روپیہ کمانے میں مشغول ہو گئیں۔ کیونکہ تمام کاموں اور پیشوں سے زیادہ قدر و قیمت ناٹک سینما اور ڈانس گھروں کی عفت فروشی میں سمجھی جاتی ہے۔ سب سے زیادہ آمدنی کا ذریعہ وہی کام سمجھے جاتے ہیں جو قوم کی تباہی میں سب سے زیادہ پارٹ ادا کرتے ہیں۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ ایک مومن اور مسلمان کے عقیدے میں مذکورہ تمام بدکاریاں حرامِ مطلق ہیں اور اس اُمت کے لیے نہایت ہی شرم و عار کا باعث ہیں۔ جن کے نبیؐ کے متعلق حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا ہے:

عـ۱ مبارک ہیں وہ جو دل کے غریب ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہی اُنہیں کی ہے۔ آسمان کی بادشاہی تو صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہی کو دی گئی کہ آپ معراج شریف کے لیے آسمانوں پر تشریف لے گئے اور آسمان کی تمام چیزوں کو دیکھا اور انہوں نے آپ کی اطاعت

اور فرمانبرداری کا شرف حاصل کیا اور آپ کے بعد آنے والوں کے لیے آسمان پر آنے جانے اور وہاں کی چیزوں سے فائدے حاصل کرنے کے راستے کھل گئے حضور اکرم سے پہلے تو کسی نے بھی چاند وغیرہ کی طرف جانے کا ارادہ نہیں کیا تھا۔

بقول علامہ اقبالؒ

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

ع۲ مبارک ہیں وہ جو غمگین ہیں کیونکہ وہ تسلی پائیں گے۔ آپ نے حضرت امیر المومنینؑ کی زبان کی ہوئی ایمان والوں کی نشانیوں میں پڑھ لیا کہ مومن ہر وقت آخرت کے لیے غمگین رہتا ہے۔ ع۳ مبارک ہیں وہ جو حلیم ہیں۔ کیونکہ وہ زمین کے وارث ہوں گے۔ بردبار اور ناموافق حالات کو برداشت کرتے ہیں۔ ع۴ مبارک ہیں وہ جو راست بازی کے بھوکے اور پیاسے ہیں۔ کیونکہ وہ آسودہ ہوں گے۔ ع۵ مبارک ہیں وہ جو رحم دل ہیں۔ کیونکہ ان پر رحم کیا جائے گا۔ مبارک ہیں وہ جو پاک دل ہیں کیونکہ وہ خدا کو دیکھیں گے۔ ع۶ مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے ع۷ مبارک ہیں وہ جو راست بازی کے سبب ستائے گئے ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہی اُنہیں کی ہے۔ دُنیا جانتی ہے کہ اسلام کی اشاعت و تبلیغ یعنی خدائے تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کی طرف

بلانے میں خاتم الانبیاء سردارِ دو جہانؐ اور ان کے اہلِ بیت اور صحابہ نے بے حد تکلیفیں اٹھائیں۔ یہاں تک کہ مکہ شریف سے ہجرت کرکے مدینہ آنا پڑا اور پھر مکہ کے کافروں اور مدینہ کے یہودی دشمنوں نے بھی تکلیف پہنچانے میں کمی نہیں کی لیکن اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو آسمانی بادشاہت عطا فرمائی اور زمین کی سرداری بھی عنایت فرمادی کہ تمام دُنیا کے دشمنوں نے دیکھ لیا کہ آپ مکہ اور مدینہ اور آس پاس کے دوسرے شہروں کے بادشاہ بھی مانے گئے اور پھر دُنیا کے اطراف و جوانب میں بھی آپ کے فرماں بردار مسلمانوں کی نہایت شاندار حکومتیں قائم رہیں اور بفضلہ تعالیٰ اس وقت بھی ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک رہیں گی۔

بہت ہی کسر شان ہے: اُس قوم کی جس کو خدائے تعالیٰ نے تمام دُنیا کی اصلاح کے لیے پیدا کیا ہو اور وہ تمام بُرائیوں کا مرکز بن جائے۔ میں نے جو حالاتِ پاکستان آپ کے سامنے پیش کئے ہیں کیا وہ غلط ہیں؟ اور اگر دُرست اور سچ ایسا ہی ہوا۔ تو جن حکومتوں میں ایسا ہوا یقیناً وہ اس کی ذمہ دار تھیں اور خدائے تعالیٰ کے ہاں اُن سے باز پُرس ہوگی۔ کیونکہ پبلک اور رعایا کے عقائد و اعمال نتیجہ ہوتے ہیں، صدر، گورنر، وزیر اور ان بڑے حاکموں کے عقائد اور اعمال کا جن کی ہر ادا پیاری اور قابلِ تقلید سمجھی جاتی ہے۔ آج موجودہ حکومتِ ایوبی کو بدلنے کی جان توڑ

کوشش کر رہے ہیں اُن میں اکثر و بیشتر حضرات صاحب اقتدار رہ چکے ہیں کیا انہوں نے اپنے اقتدار کے زمانہ میں بھی کبھی قرآن و سُنّت پر عمل کیا یا اپنے ماتحتوں کو عمل کرنے کا حکم دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے مرتبے دئے تھے اُن میں سے اکثر لوگ قرآن و سُنت کے اوپر ایمان نہیں رکھتے تھے اگر قرآن و سُنّت پر ایمان ہوتا تو پھر ان کے زمانے پاک بازی کے زمانے ہوتے۔ ایک خلافِ شریعت عمل بھی خاص کر اقتدار پر سرفراز رہنے والوں سے نہ ہوتا۔ اور پھر عوام کو بھی اپنا کردار درست کرنے کی طرف توجہ ہو جاتی۔ کیا اُن کے زمانوں میں علماء کرام اور محبانِ دین نے قرآن و سُنّت کا مطالبہ نہیں کیا تھا؟ مگر یہ لوگ اپنی طرف بھی دیکھتے تھے اور ان کو یقین کامل تھا کہ اگر شریعت کے قانون نافذ ہو گئے تو ہماری گردنیں بھی ناپی جائیں گی اقتدار تو رہا بالائے طاق احتسابی پنجے کی گرفت سے بھی چھٹکارہ مشکل ہو جائے گا۔ اس وقت بڑے زور شور سے ہر گذشتہ اقتدار والا گلے پھاڑ پھاڑ کر اسلامی نظام کی رٹ لگا رہا ہے۔ مسٹر بھٹو۔ چودھری محمد علی۔ ایئر مارشل اصغر خان اور محمد اعظم خاں صاحبان تو خدا کے فضل سے بہت دنوں تک بڑی پوسٹوں پر تشریف فرما رہے کیا انہوں نے اس زمانہ میں حکومت کو یہ مشورہ دیا تھا کہ برطانیہ کا قانون ہٹا کر قرآن و سُنّت کے قوانین نافذ ہوں۔ پھر ہمارے موجودہ صدر بھی حکومت کی طرف سے ایسے مضبوط اور بہادری کے عہدہ پر تھے

جس کی طاقت سے منٹوں میں صدرِ پاکستان مسٹر سکندر مرزا سے اقتدار چھین لیا تھا۔ اس خداداد طاقت کے زور پر کبھی خدائے تعالیٰ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی رضامندی کے لیے تو نہیں لگائے۔ اب چونکہ الیکشن۔ یعنی اقتدار حاصل کرنے کے کرتوت کے لیے اقتدار طلب طبیعتوں نے مجبور کیا ہے تو ہر طرف سے قرآن و سُنّت کی آوازیں آ رہی ہیں جیسی کہ پاکستان بنانے کے لیے آیا کرتی تھیں۔ ایمان کی بات تو یہ ہے کہ یورپ زدوں۔ نصاریٰ کے نقالوں نے اپنی حکومتوں کے مستحکم کرنے کو ایسے پُرکشش نعرے لگائے تھے اور یا چھوٹی ہوئی گدیوں کی طرح میں ایسا کر رہے ہیں۔

صدرِ موجودہ کا اعلان بھی قابلِ غور ہے:

ایمان کی بات تو یہ ہے کہ ہم کو پاکستان پیارا ہے کیونکہ مدتوں کی غلامی کے بعد ملا ہے۔ اور خدا کے فضل و کرم سے برسرِ اقتدار بھی وہی بھائی ہوتے ہیں۔ جن کو مسلمان کہا جاتا ہے۔ اگر وہ شریعت کے خلاف کوئی حکم یا آرڈر نافذ کرتے ہیں تو ہم اُن سے احتجاج ضرور کر لیتے ہیں۔ اور وہ ہمارے احتجاج اور مطالبہ کو کافروں کی طرح نہیں ٹھکراتے بلکہ اس کی مطابقت کی کوشش کا وعدہ کر لیتے ہیں۔ اور کفرستان اور پاکستان میں بفضلہٖ تعالیٰ یہ بھی قابلِ فخر و اطمینان فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ میری قوم اور ملک کا اُنہیں لوگوں کو اقتدار عطا فرماتا رہے

جو اس کے احکام کے مطابق اس کے بندوں کی حفاظت کرتے رہیں اور دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا ذریعہ مسلمانثابت ہوسکیں مجھ کو کسی سے دشمنی اور عداوت نہیں۔ میں پاکستان کے ہر مسلمان کہلانے والے بلکہ پاکستانی غیر مسلم کو بھی ملک کی تق... کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو باہمی الفت محبت کے ساتھ ... کر اپنے دین اور ملک کی خدمت کا موقع دیتا رہے۔ آمین۔ ہاں بے تکی باتیں جب اقتدار والوں کی طرف سے اخبارات کے ذریعہ معلوم کرتا ہوں تو مجھے ذہنی تکلیف ہوتی اور شرم بھی آتی ہے کہ یہ باتیں غیر ملکی سنیں گے تو ہمارا مذاق بنائیں گے۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۶۹ء منگل کے دن کے اخبار میں صدر ذی قدر کا ایک مضمون پڑھ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی! فرمایا ہے کہ جمہوریت میرا ایمان ہے۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ پھر وہ جمہوریت کونسی ہے جس کے لیے ملک میں برساتی کیڑوں کی طرح بے شمار جماعتیں اور فرقے عالم وجود میں آتے رہتے ہیں؟ یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ آپ کی صدارت کے لیے ہر محلہ میں ووٹ لیے گئے تھے اور ہر علاقے کے لوگوں نے ووٹ دیئے ہوں گے۔ جن اپنے علاقے والوں کو لوگوں نے ووٹ دیئے غالباً وہی بیڈی ممبری کے خطاب مستطاب سے سرفراز ہیں۔ پھر وہ کونسی جمہوریت ہے جس کے لیے اکثر جماعتیں سر دھڑ کی بازیاں لگائے ہوئے ہیں؟ اور اسی جمہوریت کے نام پر بہت سے بوڑھے بچے نوجوان بلکہ بعض مستورات بھی طالبان و عاشقان جمہوریت کے پتھروں کا نشانہ بنتے اور پولیس کے ڈنڈوں کا مزا چکھتے ہیں؟ کسی عقل مند امام، مشہور عالم دین اور پابند شریعت ماہر علوم کی کتاب میں تو ہم نے کبھی بنیادی حقوق اور

جمہوریت کا ذکر نہیں پڑھا۔ ہاں انگریزی دانوں سے ایک ورڈ (DEMOCRACY) ڈیموکریسی تو ضرور سنا ہے۔ شاید اسی کے معنی جمہوریت کے لیے جاتے ہیں۔ انگریزی الفاظ کے مستقل اور حقیقی معنی تو غالباً نہیں ہوتے مجازی معنی ہی لیے جاتے ہوں گے۔ لیکن حقیقت ہو یا مجاز لفظ تو وہی بامعنی سمجھا جاتا ہے جو اپنے معنوں پر دلالت کرے۔ مگر مجھ کو جمہوریت کے معنی دینے والا لفظ ڈیموکریسی تو کبھی بھی شرمندۂ معنی نظر نہیں آیا۔ برطانیہ کے زمانے میں بھی جمہوری حکومتیں ووٹوں میں لاکھوں روپے خرچ کر کے بنتی تھیں مگر گورنر جنرل کو اختیار ہوتا تھا کہ پریوی کونسل کے فیصلے کو بھی رد کر دے اور سنا ہے کہ پاکستان کی اسمبلیوں میں پبلک کے ووٹوں کے طفیل جو حضرات پارلیمانی کرسیوں کی زینت بنتے ہیں اور ماشاء اللہ بڑی بڑی تنخواہیں بھی پاتے ہیں ان کے متفقہ فیصلے بھی صدر ذی قدر کی پسند پر موقوف ہوتے ہیں۔ یعنی صدر کو ان کے خلاف حکم وعمل کا اختیار ہوتا ہے! بتایئے ایسے نظام کو کون سا سمجھ دار جمہوری نظام کہہ سکتا ہے۔ بھائی انگریزی دانوں میں تو میں علامہ اقبال رح کو ڈاکٹر مانتا ہوں۔ علامہ اقبال کا نظریۂ جمہوریت کے متعلق یہ ہے ؎

متاعِ معنیٔ بیگانہ از دوں فطرتاں جوئی
ز موراں شوخیٔ طبعِ سلیمانی نمی آید
گریز از طرزِ جمہوری غلامِ پختہ کارے شو
کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانی نمی آید

(پیامِ مشرق ص۱۵۸)

مجھ کو تعجب ہے ان انگریزی داں عالموں اور علاموں۔ ڈاکٹروں اور

فدائیانِ جمہوریت پر کہ ان میں سے اکثر و بیشتر حضرات حضرت علامہ اقبال کو حکیم الامت۔ مفکرِ اسلام بھی مانتے اور بڑی دھوم دھام سے ان کے ڈنڈے بھی مناتے ہیں۔ مگر ان کی کوئی بات مانتے نہیں۔ میں تو ان مدعیانِ علمِ سیاست اور فراست میں زیادہ تر لوگوں کو علامہ رحمت اللہ علیہ کے خلاف ہی پاتا ہوں۔ وہ تو فرماتے ہیں۔ جمہوریت سے بھاگو۔ کسی کامل کے غلام بن جاؤ۔ کیونکہ دو سو گدھوں کے دماغ سے بھی انسانی فکر و نظر ظاہر نہیں ہو سکتی۔ اور ان کی نگاہ میں تو کامل ترین تمام جہانوں کے سردار حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہی ہیں کہ انہیں کی اطاعت کو دین و ایمان کہتے ہیں۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

کیونکہ ان کی نگاہ میں تو حضور اکرمؐ کا یہ مرتبہ تھا ہے

سید و سرور محمدؐ نورِ جاں — مہتر و بہتر شفیعِ مجرماں
خواجۂ دُنیا و دیں گنجِ وفا — صدر و بدرِ ہر دو عالم مصطفیٰؐ
آفتاب شرع و دریائے یقیں — نورِ عالم رحمتہٌ اللعالمین
پیشوائے ایں جہان و آنجہاں — مقتدائے آشکارہ و نہاں
خواجۂ کونین و سلطانِ ہمہ — آفتاب دین و ایمانِ ہمہ

موجودہ صدر محمد ایوب خان صاحب نے بھی اپنی تقریروں میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پیشوائی

نبوت اور رسالت پر فخر کیا اور ان کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کی تاکیدیں بھی کی ہیں۔ میرے محترم صدر صاحب اگر آپ دل سے اللہ تعالیٰ کو تمام مخلوق کا خالق مالک اور فتح و ظفر عطا فرمانے والا مانتے ہیں زبانی اقرار تو آپ نے اس وقت بھی کیا تھا جب اللہ تعالیٰ نے ۱۹۶۵ء میں آپ کی فوج اور آپ کے بہادران اسلام کو بھارت جیسی ہزار سالہ پرانی کنیز کے ظالمانہ حملوں سے محفوظ رکھ کر فتح مند کیا تھا جس کے شکر کے لیے آپ نے نمازیں پڑھنے کی تلقین کی تھی۔ ان باتوں سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کو قادرِ مطلق اور حاکم اعلیٰ تسلیم کرتے ہیں تو پھر آپ نے اس کی کتاب قرآن کے مخالف اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اُن کے اہلِ بیتِ اطہار اور صحابہ کبار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے نظام کے خلاف برطانیہ کا قانون کس طرح باقی رکھا۔ اور قرآنِ حکیم کے صحیح تاکیدی احکام ہوتے ہوئے بھی آپ نے اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی کریمؐ کی اطاعت سے روگردانی کی کیا اسی کو ایمان اور اسلام کہا جاتا ہے؟ آپ ذرا غور تو کیجئے کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے آپ کے جذباتِ ایمانی کا یہ تقاضا نہیں تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ ہی کو حاکم اعلیٰ مان کر خود بھی اس کے حکموں پر چلیں اور ملک والوں کو بھی چلائیں۔ حالانکہ تمام پاکستانیوں سے زیادہ آپ پر احسانات فرمائے۔ آپ کی عمر عزیز کا بیشتر حصہ انگریزوں کی اطاعت اور فرماں برداری اور خلافِ اسلام جدوجہد میں تعاون

کرتے ہوئے گزرا تھا۔ اور آپ فوجی خدمات انجام دیتے دیتے تھک گئے تھے اس رحیم و کریم خدائے قدوس نے آپ کو رات کے تھوڑے سے ہی حصہ میں بغیر مال و دولت خرچ کئے بغیر تکلیف اور پریشانی کے بغیر ہی پورے پاکستان کا حاکم بنا دیا اور سکندر مرزا اور ان کے تمام محافظین پر آپ کا رعب و داب اس طرح ڈال دیا کہ جس کے ذریعے آپ کو صدارت پکڑا دی اور ملک والوں نے بھی آپ کی حکومت اور صدارت میں قابلِ قدر تعاون کیا بلکہ یوں سمجھئے کہ ظاہر طور سے تو آپ نے صدارت پر ڈاکہ ہی ڈالا تھا۔ اگر ملک والے چاہتے تو آپ کے ساتھ لڑتے جھگڑتے اور آپ کو کرسیِٔ صدارت کی طرف جانے بھی نہ دیتے۔ اگرچہ آپ کے بقول جمہوریت پر آپ کا ایمان آپ کو ان سب کی موافقت پر آمادہ ہی کر دیتا اور آپ منصب صدارت سے سرفراز نہ ہوتے۔ یہ بات بھی میرے دانائے سیاست صدر صاحب قابلِ قدر و منزلت بلکہ ممنون و مشکور ہونے کے قابل رہی کہ ہر طرف سے آپ کی صدارت غاصبانہ کو تحسین و آفرین اور لبیک کی خوش آئند آوازوں اور نعروں سے مزین مضبوط اور مستحکم کر دیا گیا۔ هل جزاء الاحسان الا الاحسان - آپ کی اولوالعزمی شجاعت اور اخوت و مروت کا تقاضا تو یہ تھا کہ آپ ملک میں ایسا نظام جاری فرماتے جس سے تمام ملک والے آپ کی صدارت کی طرف داری اور مدح سرائی کا کچھ صلہ تو پا لیتے۔ اور دنیا یہ سمجھنے پر مجبور

ہو جاتی کہ محمد ایوب خان صاحب نے صدارتِ ملکی پر ڈاکہ نہیں ڈالا بلکہ اس میں روح پھونک کر سارے صدارتی نظام کو عدل و انصاف اور قرآن و سُنت کے سانچوں میں ڈھالا ہے اور اپنا نام اس خدمت جلیلہ کی برکت سے قیامت تک سنہری حرفوں میں لکھے جانے اور تاریخ پاکستان کو اس مبارک انقلاب پر تمام دُنیا کے سامنے فخر کا موقع مل گیا ہے میں سچ کہتا ہوں اگر آپ کو اسلامی سیاست سے کچھ تھوڑا بھی لگاؤ ہوتا تو یہ موقع خدائے قدوس کی نظرِ عنایت سے آپ کی پائیدار جمہوری تحسین و آفرین کی مستحق حکومت کے قیام کا تھا۔ مجھے تو کبھی کبھی مراقبہ کے وقت یہ بھی جھلکیاں محظوظ کرتی رہتی ہیں کہ آپ کو ولی تسلیم کر لیا جاتا اور آپ کی قبرِ مبارک پر قیامت تک پھولوں کی چادریں چڑھائی جاتیں اور آپ کے عرسوں کے میلے پاکستان کے تمام میلوں ٹھیلوں پر غالب آجاتے۔ بتایئے تو ایسے آدمی کے ولی اور برگزیدۂ خدا بلکہ امامِ وقت ہونے میں کسی کو شک و شبہ کس طرح ہو سکتا ہے جو کافروں کے پاسبان جرائم نظام کو مٹا کر قرآن و سُنت کا پورا کا پورا نظام قائم اور جاری کر دے جبکہ مسلمانوں کے عقیدہ میں ایک سنت کو زندہ کرنے والا بھی بڑا شہید ہے۔

میری معروضات: میں نے موجودہ صدر صاحب کی اصلاحی جد و جہد کو ترقی ملک کا ذریعہ سمجھ کر ان کی خدمت میں چند بہت ہی قابلِ قدر معروضات صرف اسی غرض سے پیش

کیں کہ ملک سے غربت افلاس اور جرائم دور ہو جائیں چونکہ جس حکومت میں یہ تینوں چیزیں زیادہ ہوتی ہیں۔ پبلک اور عوام حکومت سے بدگمان ہو جاتے ہیں۔ اور دوسرے ملکوں میں بھی ایسی حکومت کو نااہل تصور کیا جاتا ہے۔ چونکہ اچھی اور خدائے تعالیٰ کی رضا جوئی ہی حکومت کہلاتی ہے جس میں عوام کو زندگی آرام سے گذارنے میں آسانی ہو۔ اور جان و مال عزت و آبرو کی پورے طور سے حفاظت ہو آپ کو معلوم ہے کہ مفلس دیوالیہ آدمی جس کے لیے ضروریات زندگی کا حاصل کرنا مشکل ہو جائے۔ مایوس ہو جاتا ہے اور مثل مشہور ہے کہ مرتا کیا نہ کرتا۔ کے مواقق وہ حلال و حرام کے چکر سے نکل کر بہر صورت زندگی کے اسباب تلاش کرتا ہے بہت سے کمزور طبع لوگ۔ ڈاکہ زنی۔ چوری اغوا۔ بدکاری۔ فریب دہی۔ اور مزدوری سے کر بڑے سے بڑے گناہ اور جرم پر آمادہ ہو جاتے بلکہ ان تباہ کن افعال کو اپنا پیشہ بنا لیتے ہیں۔ اور اُن کے ذریعے ملک میں برائیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور چونکہ بُری عادتوں اور کاموں کو بودی طبیعتیں پسند کر لیتی ہیں اور بُرے لوگوں کی کثرت ہو جاتی ہے اور پھر شریفوں اور نیکوں کی زندگی کے لیے بہت سی پریشانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ میں نے پاکستان میں یہاں تک دیکھا کہ بعض لوگوں نے روپیہ لے کر جھوٹی گواہیاں دینے کا پیشہ بھی اختیار کر رکھا ہے اور بدقماش لوگ شریفوں کو تکلیف دینے کے لیے بہت سے الزامی سلسلے سر دیا مقدمات اور

معاملات کھڑے کر دیتے ہیں اور ان پیشہ وروں سے گواہیاں دلوا کر شریفوں کی آبرو ریزی کرتے ہیں پھر یہ بھی معتبر لوگوں سے سُنا ہے کہ ایسے لوگ پولیس والوں کو بھی روپیہ کا لالچ دے کر اپنی طرف کر لیتے ہیں۔ میں نے تو کئی اخباروں میں پڑھا ہے کہ مجسٹریٹوں اور ججوں کے پی اے۔ یا سیکرٹری رشوتیں لیتے ہوئے پکڑے گئے ہیں۔ جس حکومت میں کسی شریف کی جان مال یقینی طور پر محفوظ نہ ہو۔ تو سوچئے کہ حکومت اور اس کے نظام سے پبلک کو نفرت ہو گی یا محبت؟ پھر بڑے بڑے پولیس افسروں کے متعلق بھی سنا ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں کے ظلم و ستم سے لوگوں کو بچانے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ اپنے محکمہ کے بدکرداروں کی طرف داری ہیں شریفوں بے قصوروں کو پیس دیتے ہیں۔ کیا یہ باتیں حکومت سے متنفر کرنے کے لیے کچھ کم ہیں؟ جس دن لاہور شہر کی کسی بنک میں دن دھاڑے ڈاکہ پڑا تھا اس کے دوسرے دن میں ایک تانگے میں دہلی دروازہ کی طرف جا رہا تھا۔ اس میں دو سپاہی بھی بیٹھے تھے میں نے اُن سے کہا کہ آپ بھائیوں کا انتظام کیسا ہے؟ کہ دن میں ڈاکے پڑتے اور کچہریوں میں فائر بھی ہو جاتے ہیں۔ تو بڑی زور دار آواز میں کہنے لگے کہ جب آدمی کو حلال روزی نہیں ملتی تو پھر حرام پر اتر آتا ہے۔ ہماری حالت خود پریشان کن ہے گھر کے خرچوں سے بے فکری ہو تو کچھ سوجھے۔ مال داروں کے لیے تو حکومت دھڑا دھڑ بنکیں اور انشورنس کمپنیاں کھولتی جاتی ہے اور ناداروں اور بے کاروں کے لیے زندگی دوبھر

ہے۔ پھر بینکوں میں روپیہ جمع کرنے کرانے کے شوق نے بھی بہت سوں کو روپیہ جمع کرنے کی دُھن دے دی ہے۔ جس طرح بھی ممکن ہو وہ روپیہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ واقعی یہ بات تو بڑے پتے کی کہی۔ پاکستان میں جو اکثر چور بازاریاں اور گراں فروشیاں اور فریب کاریاں زوروں پر ہیں اس کی بڑی وجہ بینکوں کا وجود بھی ہے۔ پھر لنڈی کوتل وغیرہ مقامات کے لوگ خلافِ قانونِ حکومت بھی بڑے بڑے خان صاحبان زر جمع کرنے کے کرتب کرتے رہتے ہیں۔ بعض ملوں۔ فیکٹریوں نے بھی اپنے تیار کردہ مالوں سے بنکیں بھرنے میں کچھ کسر نہیں چھوڑی۔ حکومت کی قدر و منزلت چند سرمایہ داروں کو نوازنے یا ناچنے گانے اور تعریف کے قصیدے پڑھنے والوں پر رحم و کرم کی بوچھاڑ کرنے سے عوام کے دلوں میں نہیں بڑھتی بلکہ نفرت ہو جاتی ہے۔ میں نے ان امور پر صدر محترم کی توجہ مبذول کرنے کی بہت کوشش کی اور رجسٹری شدہ بہت سے خطوط بھی ارسال کئے مگر وہ ایک غیر مشہور۔ انگریزی سیاست اور موجودہ نظام سے غیر مطمئن کی درخواست کو خاطر خاطر میں نہیں لاسکے۔

حکومت کے قلعہ کی بیخ کنی : کے چند اسباب ہوتے ہیں۔ سب سے پہلا سبب تو ان لوگوں کی دلشکنی ہے جو برسرِ اقتدار رہ چکے ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہر ملک میں آج کل اقتدار پر انہیں کا تسلط ہوتا

ہے جو موجودہ قابلِ قدر علوم میں مشہور اور مالدار ہوں۔ یا الیکشن کے اکھاڑوں کے جیتنے والے ہوں۔ کیونکہ الیکشن میں جیتنا ووٹوں کی کثرت پر موقوف ہے اور جس ملک میں اخلاس کا دور دورہ ہو وہاں مالداروں کو جیتنا آسان ہوتا ہے پھر قابلیت اور اہلیت کا سوال بھی نہیں ہوتا۔ جس الیکشن کو روپیہ خرچ کر کے جیتا جائے ظاہر ہے کہ اس کی حکومت سب سے پہلے تحصیل زر کی فکر کرے گی اور زر اندوزی کے لیے اپنے اور اپنے خاندان یا دوست احباب کی خاطر ایسے جتن بھی کرنے پڑتے ہیں جو غرض کے مظہر ہوں۔ بڑوں اور قوم کے سربراہوں کی طرف سے نفرت پیدا کرنے میں خود غرضی کو بھی بڑا دخل ہے۔ یہ بات بھی ظاہر ہے کہ جب کسی قوم یا فرد سے اس کی حکومت اور تحصیل زر کا ذریعہ چھین لیا جائیگا تو اس کو عداوت کے جذبات انتقام کی طرف لائیں گے اور وہ حکومت کے تمام شاکیوں۔ اور معترضوں کو تلاش کر کے در پردہ مخالف محاذ قائم کرنے کی کوشش کرتا رہے گا۔ اسی لیے عقلمندوں نے کہا ہے کہ لوگوں کو دشمنی کرنے کا موقع دینا تدبر اور دانائی کے خلاف ہے۔ ہندو کہا کرتے تھے کہ بیری چیونٹی کا بھی بُرا ہوتا ہے۔ ہاں ایک چیز مخالفت اور نفرت پیدا کرنے کی دوسری بھی ہے اور اُس کو سیاست داں لوگوں نے حکومت کے زوال کا بڑا ذریعہ تصور کیا ہے وہ ہے دین اور مذہب کا معاملہ یعنی حکومت کی طرف سے اگر کسی اکثریت کے دین میں مداخلت ہوتی ہے یا ان کے دینی نظریات اور مذہبی جذب

کو کمزور کرنے یا مٹانے والی کوئی بات بھی ہو جاتی ہے تو اس سے بھی دین دار عوام میں بدترین نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ جذبات نفرت چونکہ ثواب اور اللہ تعالیٰ کے خوش کرنے کا ذریعہ سمجھے جاتے ہیں۔ اس کا دور کرنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ بعض نامُساعد حالات تو ناتجربہ کار۔ اور حقیقی سیاست سے ناآشنائے محض حکام کی طرف سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ یعنی صدر یا حاکم یا امیرِ قوم ایسے لوگوں کو اپنے گرد جمع کر لیتا ہے جو صرف جی حضوری ہی کو اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اور دن رات حاکم کے مزاج کے موافق اس کے خوش کرنے میں ہی لگے رہتے ہیں۔ انہیں اس سے غرض نہیں کہ پبلک خوش ہو یا ناخوش۔ ملاں کو تو اپنے حلوے مانڈے سے کام ہے مردہ دوزخ میں جائے یا بہشت میں انہیں تو انعام و اکرام سے غرض ہے۔ یا اپنے دوست احباب کے خوش و خرم رہنے کے اسباب کی فراہمی کا خیال رہتا ہے لہذا اس کے لیے بہت سی ایسی کارروائیاں کرنے میں بھی دریغ نہیں کرتے جن سے ملک میں ابتری پھیلنا یقینی ہو۔ یہ مختصر سی وہ سرنگیں ہیں جو حکومت کے قلعہ کیلئے بارود کا کام دے سکتی ہیں۔

کیا یہ دانائی ہے؟ میرے ایمان دار بھائی بہنوں آپ نے اپنے رب۔ مالک و مولیٰ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد تو یقیناً قرآنِ حکیم میں پڑھا ہو گا کہ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ پ۲ ع۸ بقرہ۔ یعنی اے ایمان والو تم اپنے کو ہلاکت میں نہ

ڈالو۔ وَ اَحۡسِنُوۡا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ اور احسان کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ موجودہ صدر ذی قدر نے صدارت کی کرسی پر جلوہ افروز ہوتے ہی اُن میں سے اکثر حضرات کو حکومت سے نکال پھینکا جو صاحبانِ اقتدار اور مسلم لیگ کے طرف دار اور بعض قائدِ اعظم کے خدمت گزار بھی تھے۔ کیا صدر صاحب کے پاس دلوں پر حکومت کرنے کا بھی زور تھا؟ اُن کے اس حربے نے صرف برسرِ اقتدار والوں کے دلوں کو زخمی نہیں کیا بلکہ ان کے تمام ہواخواہوں کو بھی اپنا دشمن بنالیا۔ اور ان میں آخر مسلمان اور عزت و آبرو کے خاندانی مالک بھی تھے جن کے تعلقات دینی پیشواؤں۔ پیروں اور علمائے کرام سے بھی تھے وہ بھی صدر کی طرف سے ناراض ہو گئے۔ گویا صدرِ محترم نے اپنی طاقتِ حکومت سے اپنی حکومت کے لیے بم کا گولہ تیار کر لیا۔ میں نے اس جذبہ کے تحت کہ ملک میں فتنہ و فساد کی فضا پیدا نہ ہو اور صدر سے صدارت کے جرائم جنم نہ لے سکیں ان کی خدمت میں ایک خط ڈالا تھا اور عرض کر دیا تھا کہ یہ طریقہ کار قرآنِ حکیم کے مخالف ہے۔ قرآنِ حکیم میں تو مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ بروں کو اچھا بنانے کی اور راہِ راست پر لانے ملک و قوم کے لیے مفید بنانے کی کوشش کریں۔ میں رجسٹرڈ خطوط ہی روانہ کیا کرتا ہوں انہیں کی حکومت کی پوسٹ کے ذریعہ سب کچھ کیا لیکن صاحب سے شرفِ دستبوسی حاصل ہوا۔

یا نہیں اس کا کچھ پتہ نہیں چلا۔ پھر غالباً ۱۹۵۱ء میں تمام علمائے کرام نے اپنی اتفاق رائے سے اسلامی دستور کے اجراء کی سفارشات بھی پیش کی تھیں مگر ان پر بھی عمل نہیں ہوا۔ اسلامی سیاست میں قیام امن و امان کے لیے تو مفید یہی طریقہ تھا کہ صدر علمائے کرام اور مدبرین ملک کو بلاتے اور اُن سے باقاعدہ صلاح و مشورہ کے بعد ایسی راہ ضرور نکل آتی جس سے دولتِ اتفاق ہاتھ سے نہ جاتی اور نہ مخالفت کا راستہ ہی کھل سکتا۔ پھر صدر نے علماء اور اسمبلی کے ممبروں کے منع کرنے کے باوجود عائلی قانون اور ضبط تولید کی سکیم تیار کر کے نافذ کر دی۔ اور سکولوں میں بچیوں کو ناچنا گانا بجانا اور مختلف اسلامی تہذیب کے خلاف چیزیں بھی جاری کر دیں۔ حالانکہ ان غیر اسلامی طریقوں کے خلاف تقاریر اور تحریرات کے ذریعہ کافی احتجاج بھی ہوتا رہا۔ میرے نزدیک اہلِ ملک اور دین کے خلاف احکام کا اجراء اور نفاذ صرف صدر کے ارادہ ہی سے نہیں ہوا بلکہ ان کے مشیروں میں اکثر و بیشتر حضرات مغربی ذہنیت اور غیر اسلامی معاشرے کے دلدادہ تھے۔ ان کی نگاہ میں اسلامی نظریات کی بالکل قدر و منزلت نہیں تھی۔ اور بعض ایسے بھی تھے کہ جن کو پاکستانی نظریات اور اسلامی عقاید سے دلی عداوت ہے اور وہ تخریب پاکستان کے لیے جو ممکن ہوا کرتے رہے اور ابھی تک باز نہیں آتے۔ مجھ کو بہت ہی افسوس ہے کہ صدر نے اپنے رفقائے کار اور مشیروں کے انتخاب میں اپنی خداداد فراست سے کام نہیں لیا۔ آخر کار مخالفت کا لاوا

جو اندر ہی اندر تیار ہو رہا تھا وہ یک لخت ابل پڑا اور ملک میں افراتفری اور فتنہ و فساد میں بہت سا جانی مالی اور باہمی اتفاق و یکجہتی کا ضیاع ہونے لگا۔

عید سعید پر صدر کی تقریر: یکم شوال ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۲ دسمبر ۱۹۶۸ء اتوار کو صدر ذی قدر نے راولپنڈی میں نمازِ عیدِ فطر کے بعد جو تقریر فرمائی اس کے چند جملے مذکورہ تاریخ کے نوائے وقت اخبار سے تیمناً حاضر ہیں۔ ہمیں ہر حالت میں اپنے تمام امور نہایت پُر وقار انداز میں اسلامی اصولوں کے مطابق طے کرنے چاہئیں کیونکہ یہی ارشاد ہمارے محبوب پیغمبر محمد خاتم النبیین کا ہے۔ ہمیں رسول پاک کے اسی پیغام کی روشنی میں اپنی زندگیاں استوار کرنی چاہئیں۔ اگر یہ مبارک خیال۔ اور محبّ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جذبۂ ایمانی صدر محترم کے دل سے بلا غش و غل میں نور افگن تھا تو پھر انہوں نے اپنے معاملات سالبقۂ مذکورہ میں کیونکر دبائے رکھا؟ اپنے اسلامی بھائیوں یعنی اپنی حکومت کے پہلے اقتدار والوں سے ایسا طریقہ اختیار کیوں نہیں فرمایا کہ ان کو اپنی بشری کمزوریوں کا احساس ہو جاتا اور آئندہ کے لیے وہ ملک اور قوم کی خدمات کے صحیح اور اسلامی طور طریق اپنا لیتے اور قوم اور ملک والوں کے نزدیک خفیف بھی نہ ہوتے یہ شرعی طریقہ تو ان کی غلطی کے ازالے اور آئندہ اُن میں خدمات و حفاظتِ ملک کے صحیح جذبات زندہ کرنے کا تھا اور قرآنِ حکیم اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک

آپ کا احسان مانا جاتا اور وہ بھی آپ کے مشکور ہو کر منقاد بن جاتے۔ پھر علمائے کرام یا دینی جذبات والوں نے آپ کو خلافِ اسلام معاملات اور آپ کے وقتی آرڈیننس پر آپ کو آگاہ کیا اُن کی پوری نشاندہی بھی کرادی مگر آپ اپنی ڈگر پر ہی چلتے رہے! آپ کے ضمیر میں اگر تنویرِ شریعت کی تجلیاں تھیں تو پھر آپ نے اسلامی اصول اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک پیغامات کے خلاف حکم یا آرڈر کس طرح صادر فرمایا؟ اب آپ کس طرح دوسروں کو اسلامی اصولوں اور خاتم النبیین ص کے پیغام نجات انجام کی طرف دعوت دے رہے ہیں؟ پھر اس سے زیادہ آپ کا وہ مضحکہ خیز اعلان ہے جو ۱۰ شوال سن مذکور ۳۱ دسمبر ۱۹۶۹ء منگل کے دن کا مشرق اخبار کی زینت بخشی کر رہا ہے کہ میں آنکھیں بند کر کے شرعی قانون پر دستخط کر دوں گا۔ حالانکہ میں نے انہیں حالیہ اخبارات میں یہ بھی پڑھا ہے کہ اکتیس ۳۱ علمائے کرام نے ایک مسودۂ قانونِ شرعی آپ کی اسمبلی میں پیش کیا تھا جس پر ممبرانِ اسمبلی نے بھی دستخط کر دئیے تھے لیکن جنابِ عالی آپ نے اس کو مسترد فرما دیا تھا! آج آپ کی زبانِ مبارک سے یہ جملہ کس اضطرار نے کہلوا دیا؟ چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی؟

لیکن صدرِ محترم کے چند جملے فکر و غور کے لیے مہمیز کا کام دیتے ہیں۔ جن پر علمائے ناقدین نے اپنے فہم فراست کے گھوڑے بھی دوڑائے ہیں۔ فرمایا ہے صدرِ ذی قدر نے کہ آئین کے بارے میں اکثر یہ کہا گیا ہے کہ اگر ہم اسلامی مملکت سے تعلق رکھتے ہیں تو یہاں شرعی قوانین کا نفاذ

ہونا چاہیئے۔ ہم سب کے لیے اسلام سے زیادہ کوئی چیز اہم نہیں۔ اگر اس ملک میں اسلامی قانون نافذ ہوسکیں تو ہم سب کو بے حد اطمینان اور خوشی ہوگی۔ لیکن یہ سب کو معلوم ہے کہ یہ مسئلہ نہایت نازک اور پیچیدہ ہے۔ اس کے حل کے لیے ضروری ہے کہ علماء وکلاء اور جج صاحبان عوام کے مشورے سے کوئی ایسا قابل عمل مسودۂ قانون تیار کریں جو تمام فرقوں کے لیے قابلِ قبول ہو۔ اسمبلیاں اس کی منظوری دے دیں تو میں آنکھیں بند کر کے اس پر دستخط کر دوں گا اور مجھے اس سے زیادہ کسی اور بات سے خوشی نہیں ہوگی کہ پاکستان میں مکمل طور پر شرعی قوانین کا نفاذ عمل میں آ گئے (نوائے وقت مجریہ ۳۱ دسمبر ۱۹۶۸ء صا کالم آخری زیرِ تصویر صدر صاحب تقریر) یہ جملے تو آپ نے پڑھ لیے اب ذرا ان کو بنظرِ تعمق ملاحظہ فرمائیے ــــ اسلامی مملکت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسلامی مملکت تو وہ کہلا سکتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے قوانین باتّباعِ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمل ہو رہا ہو۔ وہ کونسی مملکت ہے جس میں غیر اسلامی قوانین بحکمِ قطعی کی حیثیت سے نافذ ہوں اور کہا جائے۔ اُس کو اسلامی؟ برعکس نہند نام زنگی کافور۔ جناب اسلامی مملکت تو وہی ہو سکتی ہے جس میں احکامِ اسلامی نافذ ہوں۔ بلکہ اس کو مسلمانوں کی حکومت بھی کہنا محلِّ نظر ہے چونکہ مسلمان بھی اسی کو کہتے ہیں جو دل و جان سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ اور ان کے علمائے اُمت کی اکثریت کے مسلمات کو تسلیم کرتا ہے۔ یہ اجماعِ اُمت کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کے پاکستان

میں کونسا قانون ایسا ہے جس پر قرآن و سُنّت اور اجماع کی مُہرِ تصدیق یا تصویب ہو؟ یہ جملہ بہت ہی زیادہ حقیقت سے محروم ہے کہ یہ مسئلہ نہایت نازک اور پیچیدہ ہے۔ یعنی احکامِ شرعیہ کے نفاذ کو مسلمانوں کے ملک کے لیے بھی نازک اور پیچیدہ کہنا اسلامی قوانین کو ناقابلِ عمل قرار دینا ہی ہے۔ میرے نزدیک یہ اسلام کی بڑی توہین ہے کہ اس کے احکام کو ناقابلِ عمل سمجھا یا کہا جائے۔ چونکہ ان کا براہِ راست تعلق اللہ تعالےٰ اور اس کے شارع حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہی سے ہے۔ مخالفینِ اسلام تو یہ ثابت کرنے کے لیے کروڑوں روپے خرچ کر رہے ہیں کہ اسلامی نظام ناقابلِ عمل اور بے کار ہے!! اور ذرا زیادہ تعمق سے سوچئے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ کریمؐ پر بہت قبیح اور رکیک الزام ہے کہ ایسے قانون اور احکام واجب العمل کر دئے جن پہ عمل کرنا دشوار ہے آپ جانتے ہیں کہ ناقابلِ عمل احکام جاری کرنے والا کون ہوتا ہے؟ آپ شاید یہ بھی جانتے ہوں گے کہ پاکستان کے سابق چیف جسٹس مسٹر کارنیلیس صاحب جنہوں نے ابھی تک اپنے کو مسلمان بھی نہیں کہا! وہ تو انگریزوں کی حکومتوں کے کسی بڑے اجتماع میں یہاں تک فرما چکے ہیں کہ دنیا میں امن و امان قائم کرنے اور تمام قسم کے جرائم سے مخلوقِ خدا کو بچانے اور باز رکھنے والا صرف اسلامی نظام ہے۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجا است تا بکجا

علامہ اقبال نے خوب فرمایا ہے

تیری نگاہ میں ثابت نہیں خدا کا وجود
میری نگاہ میں ثابت نہیں وجود ترا

جو آدمی خدائے تعالیٰ کو تمام مخلوق کا خالق و مالک مانتا ہے اس کے خیال میں کبھی خدائے تعالیٰ کے احکام یا قوانین ناقابلِ العمل ہونے کا تصور نہیں آ سکتا چونکہ وہ اپنی زندگی میں خدائے تعالیٰ کی جانب سے رحم و کرم اور انتہائی آسانیاں دیکھ چکا ہے۔ اول تو اسلام میں فرقہ ممکن نہیں تفریق حرام ہے لیکن اکتیس ۳۱ علمائے کرام نے جو مسودۂ قانون پیش کیا تھا اس میں تو مسلمان کہلانے والے ہر فرقے کے عالم صاحبان شامل تھے۔ پھر صدر صاحب کا نازک اور پیچیدہ فرمانا کیا معنی رکھتا ہے؟

احکامِ الٰہیہ: اللہ تعالیٰ کے احکام کی یہ صفت ہے کہ وہ کسی انسان کی پسندیدگی کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ تمام انسانوں کو ان کا ماننا ضروری ہوتا ہے۔ علمائے کرام کی رائے کے یہ معنی سمجھے جاتے ہیں کہ چونکہ ان کو احکامِ الٰہیہ اور ارشاداتِ نبویہ سے واقفیت ہوتی ہے وہ صحیح نشاندہی کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ لیکن اُن قوانین کا نفاذ اور عدم نفاذ کسی بندے کی رائے یا تصدیق پر موقوف نہیں ہوتا۔ اور جو آدمی اللہ تعالیٰ کے احکام کو بندوں کی تصدیق یا تصویب کا محتاج سمجھتا ہے۔ علمِ سیاست اور حکومت سے مطلق کورا ہے۔ کیونکہ قانون وہ ہے جس کی پابندی ملک والوں پر لازم ہو۔ اور جو اس قانون سے سرتابی کرتا ہے۔ اُس کو مخالفِ قانون یا قانون کی خلاف ورزی کرنے والا کہتے ہیں اور وہ ہر حکومت کے

نزدیک باغی اور مجرم قرار دیا جاتا ہے۔ کیا آپ کے پاکستان میں قانون شکنی جرم نہیں؟ جب صدر صاحب پبلک سے اپنے ذاتی احکام آرڈیننس بھی منواتے رہے۔ اور جس نے ان کی خلاف ورزی کی وہ سزا کا حقدار بھی مانا جاتا رہا۔ اور ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ سٹی مجسٹریٹ کوئی حکم وقتی مصلحت سے دیتا یا دفعہ ۱۴۴ لگاتا ہے تو اس کی تعمیل کو بھی ضروری سمجھتا ہے اور جو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ پولیس کی زدوکوب سے سرفراز ہوتا ہے اور پھر جیل کی ہوا بھی کھاتا ہے۔ کیا اس انسان کے نزدیک خدائے تعالیٰ کی اتنی حکمرانی بھی متصور نہیں جتنی کہ ایک انسانی حکومت میں مجسٹریٹ کی حکومت ہے؟ کیا صدر ذی قدر کی حکومت میں وہی احکام ہیں جن سے علماء یا عوام متفق تھے؟ کیا ایسے حکم آپ نے نہیں منوائے جن سے عوام متفق نہیں تھے۔ ہم تو ابھی تک بہت سے احکام کی مخالفت میں احتجاجی جلسے اور جلوس بھی دیکھ رہے ہیں۔ مگر صدر صاحب ان کو بھی تبدیل کرنے پر مائل نہیں۔ پھر انہوں نے احکام شریعت کے قانون کی صحت کی یہ شرط کس طرح لگا دی کہ وکلاء۔ جج اور عوام اور اسمبلیاں بھی پاس کر دیں کیا یہ لوگ خدائے تعالیٰ پر حاکم ہیں کہ ان کی مرضی کے مطابق ہوں۔ ہمیشہ قانون وہی کہلاتا ہے جس کی پابندی اور تعمیل محکوموں پر لازم ہوتی ہے اس میں کسی کی رائے کو دخل نہیں ہوتا اور اگر کسی کے ذہن میں یہ منصوبہ بھی ہے کہ محکموں کی رایوں اور مشوروں پر قانون حرکت کرے تو وہ قانون کو محکوم اور مشورہ اور رائے دینے والوں کو حاکم مانتا ہے

اور یہ خلافِ عقل ہے۔

پاکستان کے وکلاء اور جج: اللہ تعالیٰ پاکستانیوں کو ان کے نیک اور مفید ملک و قوم مقاصد میں کامیاب فرماتا رہے۔ آمین۔ واقعی وکیلوں اور ججوں کے ذریعہ پبلک صحیح طور پر قانون سے فیض حاصل کرتی ہے اور مجبوروں لاچاروں کے حقوق حاصل ہونے میں وکیلوں اور ججوں کے تعاون کو بہت بڑا مرتبہ حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ ان وکیلوں اور ججوں کو ان کی نیکیوں کا اجرِ عظیم عطا فرماتا ہے جنہوں نے قانون کی قوت اور طاقت سے ملک والوں کے ساتھ ہمدردی کی اور ان کو ان کے جائز حقوق دلوادئے لیکن ججوں اور وکیلوں کی جدوجہد کا محور قانون ہی تو ہے۔ اگر قانون ہی میں معاشرہ کو ظلم وستم۔ جبر و تشدد اور جرائم سے پاک کرنے کی طاقت نہ ہو تو بے چارے وکلاء اور جج کیا کر سکتے ہیں؟ کیا آپ کے پاکستان میں وکیل اور جج لوگ کم ہیں؟ میں تو اکثر و بیشتر گلی کوچوں میں بھی وکیلوں اور ججوں کے سائن بورڈ پاتا ہوں۔ پھر کوئی گلی اور کوچہ ایسا نہیں جو جرائم کی دست برد سے محفوظ ہو۔ قانون ملک سے لڑائی جھگڑے شر و فساد بھی مٹانا چاہتا ہے لیکن اس کے باوجود پاکستان میں پارٹیشن سے زیادہ لڑائی جھگڑے اور ظلم وستم عروج پر ہیں۔ اس کو قانون کی کمزوری سمجھا جائے یا وکیلوں ججوں اور بیرسٹروں کی فرائض سے عدم توجہی؟ بہر حال موجودہ قانون اور سارے وکیل جج بیرسٹر پاکستان سے جرائم اور خلافِ اسلام

نظریات دور کرنے سے قاصر ہیں۔ بلکہ موجودہ قانون اور اس کے علماء اور اس کے ذریعے بڑی بڑی رقمیں حاصل کرنے والوں کے لیے بہت ہی شرم اور غیرت کا مقام ہے کہ جس کو پاکستان کے نام سے قابلِ قدر قربانیاں دے کر حاصل کیا تھا وہ نجستان بنتا جا رہا ہے۔ اگر واقعی قانون میں یہ طاقت اور نفاست نہیں کہ وہ پاکستانیوں سے قابلِ نفرت اعمال چھڑا سکے تو پھر یہ وکلاء اور جج اور بیرسٹر حضرات اُس کے اشاروں پر کیوں ناچ رہے ہیں؟ جب وہ جسم باڈی ہی مُردہ ہے جس کے یہ حضرات دست و پا اور اعضائے عمل ہیں تو پھر ان کی زندگی کس طرح ثابت ہو سکتی ہے۔ اس کی ایک تازہ مثال آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں کہ میں ایک بڑے مشہور و معروف جج صاحب مدظلہٗ کی خدمتِ شریف میں حاضر تھا۔ اثنائے گفتگو میں اُن سے عرض کی آپ جیسے بزرگ ماہرین قانون ججوں نے بھی کبھی پاکستان میں اسلامی قانون یعنی اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ حاکمیت جاری ہونے کی کوشش نہیں کی حالانکہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے آپ کا فرض تھا تو جج صاحب نے فرمایا کہ آپ کی کیا غرض ہے؟ میں نے کہا کہ اسلامی سزائیں نافذ ہوتیں۔ یعنی چور کا ہاتھ کاٹا جاتا زانی کو رجم کیا جاتا اور دوسری قرآنی سزائیں بھی دی جاتیں تو جرائم کی کثرت نہ ہوتی تو جج صاحب نے بڑی متانت سے فرمایا کہ جناب آج کل مہذب اقوام کے نزدیک یہ سزائیں وحشیانہ کہی جاتی ہیں تو میں نے آسمان کی طرف دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے نہایت عاجزانہ درخواست کی کہ خدایا زمین

پھٹ جاتی اور میں اس میں سما جاتا تو اس زندگی سے بدرجہا بہتر تھا کہ میں تیرے ایسے بندے سے جس پر تو نے اپنی رحمتوں کی بارش فرما کر نہایت عیش و آرام سے پالا پوسا ہے یہ سن رہا ہوں کہ تو وحشی ہے اور تیری مقرر فرمائی ہوئی سزائیں وحشیانہ ہیں اور جو قوم تجھ کو اے بار الٰہ! وحشی اور تیرے قانون کو وحشیانہ جانتی ہے اس کو بھی یہ تیرا نازو نعم سے سرفراز بندہ مہذب مانتا ہے۔ اس پر جج صاحب اور حاضرین نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ کر توبہ توبہ کہنا شروع کیا۔ تب میں نے کہا کہ آپ کو ذرا سوچ سمجھ کر بات کہنی چاہیئے! کیا آپ کے اس جملہ کا مطلب یہ نہیں تھا کہ یہ سزائیں وحشیانہ ہیں تو بتائیے ان کا حکم دینے والا کیا ہوا؟ (نعوذ باللہ من ذالک الھفوات القبیحۃ) اس پر مسٹر جج صاحب اور حاضرین بہت سمجھے کہ معاملہ کیا ہے؟ اس حکایت سے میری غرض صرف یہ ہے کہ ہمارے پاکستان کے بعض ججوں اور وکیلوں کے خیالات بلکہ عقائد ایسے بھی ہیں۔ کیا ان خیالات سے بھرے ہوئے دماغ اسلامی قوانین کے نافذ ہونے کے لیے لیے نافل تیار ہوں گے؟ اب رہے اسمبلی کے ممبر لوگ جن کی مقبولیت بھی آپ نے اسلامی قانون کے قابل نفاذ بلکہ اپنے دل کے اطمینان کا ذریعہ تصور کی ہے کیا انہوں نے کبھی بالاتفاق کسی وقت کے صدر یا حاکم سے قانون خداوندی کے اجراء یا نفاذ کی درخواست کی ہے؟ یہ حضرات بھی عوام ہی کے نمائندے سمجھے جاتے ہیں۔ اور دوسرے عوام کے متعلق بھی میں نے کبھی نہیں سنا کہ وہ

اسلامی نظام جاری کرانے کے لیے صدر یا گورنر یا اسمبلی کے دروازے پر دھرنا دے کر بیٹھے ہوں اور یہ نعرہ لگایا ہو کہ جاری کرا کے اٹھیں گے۔ اسلامی قانون جیسے پاکستان بنوانے کے لیے کہتے تھے۔ لیکے رہیں گے پاکستان۔ بن کے رہے گا پاکستان!! ہائے افسوس صد افسوس اس انسان پر جو خدائے تعالیٰ کی نعمتوں اور رحمتوں کو بغیر کسی شرط کے لگے تلے سے اڑاتا رہا۔ آج وہ اس کے احکام اور قوانین کے نفاذ کو غیروں کی رضا پر قربان کرتا ہے!! اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْکَمِ الْحَاکِمِیْنَ۔ کیا اللہ تعالیٰ سب سے بڑا حاکم نہیں ہے؟ کدھر ہے عقل؟

کتنے صاف احکام ہیں: لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَکُمْ خَشْیَۃَ اِمْلَاقٍ۔ یعنی اپنی اولاد کو بھوک کے خوف سے قتل نہ کرو۔ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓی۔ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ وَاَوْفُوْا بِالْعَھْدِ۔ اِنَّ الْعَھْدَ کَانَ مَسْئُوْلًا۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ۔ یعنی زنا کے قریب مت جاؤ۔ یتیم کے مال کے نزدیک نہ جاؤ۔ اور اپنا عہد۔ وعدہ پورا کرو کیونکہ اس کے متعلق سوال ہوگا۔ اور جس امر۔ بات کام کی تم کو تحقیق نہ ہو اس پر عمل نہ کرو۔ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ نہ گناہ اور ظلم و زیادتی کرنے والوں کی مدد کرو۔ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ۔ اور ایسے لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو ہماری آیتوں پر ایمان نہیں لاتے

اور نہ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ اور بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ چاہے ظاہر بے حیائی کا سبب ہوں یا پوشیدہ۔ اور ناپ تول پوری انصاف کے ساتھ کرو۔ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوا اور اللہ تعالیٰ سے جو اقرار کر چکے ہو اس کو پورا کرو۔ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا۔ چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ۔ اگر تم حکم کرو تو لوگوں میں انصاف سے حکم کرو۔ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ۔ زنا کرانے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد کو سو، سو کوڑے مارو۔ وَلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ اور تم کو ان زانیہ اور زانی کے اوپر رحم نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتے ہوئے (یعنی یہ سزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے) اگر تم اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔ اور ان دونوں کے سزا پانے کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت موجود ہونی چاہیئے وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰئِكَ هُمُ

اَلْفَاسِقُوْنَ پ۱۸ رکوع ۷ سورۂ نور۔ اور وہ لوگ جو پاکدامن عورتوں کو زنا کی تہمت لگائیں پھر چار گواہ بھی نہ لائیں تو اُن کو اسّی کوڑے مارو۔ اور ان کی کوئی گواہی بھی قبول نہ کرو۔ یہ لوگ بدکار ہیں۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ پ۷ رکوع ۲ سورۂ مائدہ۔ اے ایمان والو یقیناً خمر (شراب) اور جوا اور بُت وغیرہ اور قرعہ کے تیر پھینکنا۔ یہ سب گندے شیطانی کام ہیں تم اُن سے بچو۔ تاکہ تم فلاح پاؤ۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطَانُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ۔ شیطان چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعے سے تم میں باہمی دشمنی اور بغض کے جذبات پیدا کردے وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ ج فَھَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَ۔ اور تم کو اللہ تعالیٰ کی یاد اور نماز سے روک دے۔ بتاؤ تو تم ان کاموں کو چھوڑو گے؟ وَلَا تَنْکِحُوا الْمُشْرِکَاتِ حَتّٰی یُؤْمِنَّ ط اور تم مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ۔ اے ایمان والو تم تمام اُمّتوں سے بہتر ہو۔ تم نیکی اور اچھے کاموں کا حکم دیتے ہو اور بُرے کاموں سے روکتے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔ وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔ اللہ تعالیٰ

نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔ لَا یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا۔ کوئی کسی کی چغلی نہ کرے۔ لَا تَحَاسَدُوْا وَ لَا تَبَاغَضُوْا۔ نہ حسد کرو اور نہ کینہ رکھو۔

کفر است در طریقۂ ما کینہ داشتن
آئین ماست سینہ چو آئینہ داشتن

وَ لَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ۔ اور کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کرو۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَکُمْ۔ اے ایمان والو۔ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں حلال کی ہیں اُن کو حرام نہ کرو۔ پ ۲ قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ پ ۱۱ اُن لوگوں سے جہاد کرو جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان نہیں لاتے۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے حرام کیا ہے اس کو حرام نہیں مانتے۔ وَ لَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ۔ اور اللہ تعالیٰ کے دین کو دین نہیں سمجھتے۔ یعنی اسلامی نظریات اور معتقدات کے خلاف ہیں۔

ماشاء اللہ صدرِ محترم تو: قرآنِ حکیم سے خوب واقف ہیں۔

گڑھی شاہو کے ایک بس اسٹاپ پر بس کے انتظار میں کھڑا ہوگیا تین آدمی صدر محمد ایوب خان صاحب کے متعلق مصروفِ بحث تھے۔

ایک صاحب نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ ہمارے صدر محمد ایوب خان صاحب فجر کی نماز کے بعد قرآنِ پاک کی تلاوت ضرور ہی کرتے ہیں دوسرے نے کہا کہ میں نے تو سُنا ہے کہ بلا ناغہ تہجد کی نماز بھی پڑھتے ہیں اور وہ بھلا تہجد گزار کیوں نہ ہوں جبکہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر اس قدر فضلِ عظیم فرمایا ہے کہ سردار دو جہان خاتم الانبیاء شفیع الانس و جان صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی قبرِ اطہر تک پہنچا دیا۔ دنیا کے بڑے بڑے شہنشاہ بھی یہ مرتبۂ عظیمہ حاصل نہیں کر سکے تھے۔ خدا کے فضل سے انڈیا پر ایک ہزار برس جن بادشاہوں نے حکومتیں کیں وہ بھی اس بزرگی سے محروم رہے۔ تیسرے نے کہا لیکن اکثر بادشاہ تہجد گزار گزرے ہیں۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ کا اُن پر جب ہی تو فضل رہا کہ شان بان سے حکومتیں کرتے رہے۔ شاہ جہان کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ وہ کبھی بھی تہجد کی نماز سے غافل نہیں رہے۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ جب دہلی کی جامع مسجد کی نیو پڑی تو بادشاہ نے کہا کہ نیو کا پہلا پتھر وہ صاحب رکھیں جنہوں نے ایک دن بھی تہجد نہ چھوڑی ہو سیکڑوں مسلمان موجود تھے مگر کوئی بھی آگے نہیں آیا۔ تہجد تو اکثر بزرگ اور دیندار حضرات ہی پابندی سے ادا کرتے ہیں۔ لیکن عمر میں کبھی بھی قضا نہ ہو۔ مشکل ہے تو شاہ جہان بادشاہ نے خود ہی اپنے ہاتھ سے وہ بنیادی پتھر رکھا۔ یہ دیکھ کر مسلمانوں کو بہت ہی خوشی ہوئی کہ اَلحمدُللہ کہ ہم ایسے تہجد گزار بادشاہ کی رعایا ہونے کا شرف رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ

نے تہجد کی نماز بھی اپنے قرب اور بندوں کے مرتبے بڑھانے کا بہترین ذریعہ بنائی ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھ کو اور میرے بھائی بہنوں کو بھی نمازِ تہجد کا شوق عطا فرمائے۔ یہ ساری باتیں مفید بھی ہیں اور اپنے صدر ذی قدر کے متعلق حسنِ ظنی کا ثبوت بھی ہیں اللہ تعالیٰ انہیں سچ مچ تہجد گذار ہی بنا دے۔

لیکن میں تو صدر صاحب سے یہ درخواست کر رہا ہوں کہ جب آپ نے بفضلہ تعالیٰ قرآن کریم پڑھا ہے اور اس کی تلاوت کا شرف بھی حاصل کرتے رہتے ہیں تو پھر وہ چند آیات جو میں نے تحریر کی ہیں آپ کے علم میں ہیں انہیں کو احکام الٰہی کہتے ہیں۔ جب آپ بیت اللہ شریف کی زیارت سے مشرف ہوئے ہوں گے تب بھی اللہ تعالیٰ سے اس کی فرمانبرداری کا اقرار کیا ہوگا۔ اور جب آپ اصل وحقیقت کائنات کے روضۂ مبارکہ سے اپنی آنکھیں منور کر رہے ہوں گے اس وقت بھی اگر زبان سے نہیں تو دل میں ضرور تہیہ کیا ہوگا کہ میں اللہ تعالیٰ اور حضور اکرم ؐ کے ارشادات ہی کی تعمیل سے اپنے پاکستان کو خوش بخت اور اسلامی سچ مچ پاکستان بنادوں گا۔ ہاں اور لیجئے میں تو بھولا ہی جا رہا تھا۔ جب مرحومہ فاطمہ جناح کے ساتھ الیکشن میں آپ کی بازی لگی تھی اس وقت تقریروں میں بھی فرمایا تھا۔ اور صاحب زادے فیض الحسن پیر دیول شریف وغیرہ علمائے کرام سے بھی آپ نے احکام شریعہ۔ قرآن وسُنّت کے اجراء اور نفاذ کا پکا ہی وعدہ کیا تھا۔ اگر آپ

کو وعدہ خلافی اور عہد شکنی مکہ وہ معلوم ہوتی۔ اور آپ یہ سمجھتے کہ وعدہ خلافی اور عہد شکنی کی خدائے تعالیٰ کے ہاں سخت باز پرس ہے اور دنیا والے بھی جھوٹے اور وعدہ خلاف کو حقارت بلکہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں تو یقیناً آپ اس کو اپنی شان کے شایاں نہ جان کر بھی قابلِ ارتکاب تصور نہ فرماتے۔ اور اللہ تعالیٰ جل و علیٰ کے قوانین مذکورہ بالا ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک طریقوں سے جاری کر دیتے۔ تو آپ کی حکومت دلوں پر ہوتی دلوں پر کسی طرح بھی جرائیم سیاست کو پاکستان کی ہوا پر نہ مارنے دیتی۔ اگر مخالفینِ ملک اور اقتدار پرست حاسد مخالفت کا خیال بھی کرتے تو قدرت و حفاظت خداوندی اُن کو نامرادی اور ناکامی کے غم میں گھلا گھلا کر مار دیتی۔ دشمن چہ کند چو مہربان باشد دوست۔ مثل مشہور ہے کہ خدا جس کا ہو گیا تمام عالم اس کا ہو گیا۔ خدائے تعالیٰ کی اطاعت اور حضور اکرمؐ کی پیروی کی برکت سے انسان بالکل پاک ہو جاتا ہے۔

تو پاک باش برادر مدار از کس باک
زنند جامۂ ناپاک گازراں بر سنگ

اور اچھی طرح یاد رکھئے کہ تمام نعمتیں دینے اور تمام فتنوں سے بچانے والا بھی وہی خالق و مالکِ کل اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے ہم کو مسلمان بنایا اور رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرح ہمارے بدترین دشمنوں سے نجات دی کیا اتنے بڑے محسن اللہ تعالیٰ کا ہم پر اتنا حق

بھی نہیں کہ ہم اس کے مبارک احکامات پر عمل کریں؟ اور اپنی خداداد طاقت سے اپنے ماننے والوں سے اُن پر عمل کرائیں؟ خدا کی قسم میں نے آپ کو بہت سے خطوط لکھے۔ آپ کے گورنروں کو بھی آگاہ کیا کہ آپ پاکستان کو انگلستان بنانے کی کوشش نہ کیجئے۔ اور نہ کسی شخص کو اجازت ہی دیجئے کہ ملک میں بدکرداریوں کی راہ جاری کرے۔ چونکہ مسلمان کا کام خدائے تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنا اور جن پر حکومت ہو ان کو بچانا ہے مگر آپ نے اپنی حکومت کے زعم میں کسی نیک مشورہ کو قبول نہیں کیا اور مجبور ہو کر میں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر عرض کیا اور ابراہیمؑ روزانہ منت مانتا ہوں کہ یا اللہ تو اپنے فضل سے ہمارے صدر ذی قدر کو سچا مسلمان بنا دے تو میں ایک سَو رکعات نفل نہایت خلوص اور عاجزی سے ادا کروں گا مجھ کو ہر آن اس کی رحمت سے اُمید رہتی ہے اور ہر وقت اخبارات کو لوٹ پلٹ کر بڑی غور سے پڑھتا ہوں کہ کیا صدر صاحب نے قرآن حکیم اور اسوۂ حسنۂ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے احکام نافذ کر کے اپنے مسلمان ہونے کا ثبوت دے دیا ہے کہ میں اپنی نذر پوری کر دوں۔ اگرچہ ظاہر میں تو کمزور ہوں مگر دل میں اس مبارک آرزو اور تمنا نے اس قدر طاقت پیدا کر دی ہے کہ ایک ہی بار سَو رکعت پڑھنے کے لیے تیار ہو جاتا ہوں۔ پھر میں یہ کارستانی اپنے اور تمام پاکستانیوں کو خدائے تعالیٰ کے اُس شدید عذاب سے بچانے کے لیے بھی ضروری سمجھتا ہوں جو خدائے تعالیٰ کے نافرمانوں اور حضور اکرمؐ

کو شرمندہ اور بدنام کرنے والوں پر یقیناً نازل ہوتا ہے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً ج وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔ پ۹ رکوع ۱۷ سورۂ انفال۔ یعنی اے انسانوں اُس فتنہ اور فساد سے ڈرتے رہو جو صرف ظالموں اور بدکرداروں ہی کو تباہ نہیں کرے گا بلکہ وہ لوگ بھی اُس کی لپیٹ میں آجائیں گے جو اس میں شریک اور مرتکب نہیں تھے۔ اور اچھی طرح جان لو کہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو بہت ہی سخت سزا دیتا ہے۔ آہ آہ آپ بہت ہی جلد خوابِ غفلت پر لعنت بھیج کر شیروں کی طرح اُٹھئے اور فوراً قرآن و سُنت کے احکام جاری کرنے کا اعلان فرما دیجئے۔ پہلے آپ انہیں احکام کو جاری کر دیجئے جو بالکل صاف اور ظاہر ہیں اور جن سے کسی بھی مسلمان کہلانے والے کو اختلاف کرنا ممکن نہیں۔

سب سے پہلے آپ اعلان کیجئے کہ ہماری یہ تو ظاہرہ احکام ہیں: قلم رو پاکستان میں ہر مسلمان کہلانے والے کو پانچ وقت نماز کی پابندی کرنی لازم ہے جو نماز نہیں پڑھے گا وہ سرکاری محکموں سے فوراً نکال دیا جائے گا اور اُس کو بر سرِ عام دُرے مارے جائیں گے۔ ۲ آپ پاکستان میں شراب کی دوکانیں فوراً بند کرا دیجئے کہ کسی آدمی کو تلاش کرنے پر بھی شراب نہ مل سکے۔ شراب میں کسی بیماری کے لیے شفا ممکن نہیں یہ قرآنِ حکیم لانے اور پڑھانے اور ذہن نشین کرانے

والے مُعلّم قرآن صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا اعلان ہے۔ ہائے افسوس ہے کہ عرب میں تو آپ کا مسلمان بھائی ابنِ سعود اپنے ملک والوں کو اللہ تعالیٰ کے فریضۂ نماز ادا کرنے کا تاکیدی حکم دے دے اور تمام شہروں سے شراب خانوں کی لعنت کو دور کر دے۔ اور آپ صدر محمد ایوب خان صاحب جیسے اسلامی سب سے بڑی حکومت کے کرتا دھرتا کے سامنے نمازیں چھوڑی جائیں اور شرابیں آزادی سے ہر شہر بازار اور گلی کوچوں میں بکتی رہیں اور آپ کی حرارتِ ایمانی ان کو دور کرنے پر آمادہ نہ کرے یہ کیا بات ہے؟ آپ اپنے ذاتی حکموں کو منوانے کے لیے تو بڑے بہادر ہیں کیا اللہ تعالیٰ کے حکموں کی آپ کے دل میں اپنے آرڈیننس کی برابر بھی قدر نہیں ہے؟ عـــ۳ تمام ملک سے ناچ گانے خصوصاً عریاں ناچ اور بے حیائی کے عریاں حسن اور اعضائے نسوانی کی نمائش کرنے والے کافرانہ لباسوں کی فوراً ممانعت فرما دیجئے۔ اور حکم دیجئے کہ جوان عورت کسی وقت بھی برقعہ کے بغیر ایسی جگہ نہ جائے جہاں نامحرم مرد موجود ہوں۔ زنا کاری کے اڈے کلب گھر اور ایسے ہوٹلوں کو بالکل بند کرا دیجئے جہاں اسلام یعنی خدائے تعالیٰ کے خلاف حرکات اور مشاغل ہوں۔ جزاک اللہ میاں تو سچ کہتا ہوں کہ آپ کے یہ تین اعلان اور مبارک کام مخالفت اور اقتدار کے بھوکے جراثیم سیاسی کو مٹا دیں گے۔

عـــ۴ زنا کی قرآنی سزا آج ہی سے جاری کر دیجئے۔ جس عورت مرد کے متعلق زنا کی شہادتیں مل جائیں ان کو سرِ عام لوگوں کے سامنے دُرّے

لگائے جائیں۔ اور شرابیوں کو بھی سرِ عام ہی دُرّے لگائے جائیں۔
۵۔ جوا بھی حرام ہے اس کی بندش کا فوراً حکم دے دیجئے۔ اور ریس
اور ہوٹلوں یا کلبوں میں انگریزی کھیلوں کے ذریعے ہار جیت کی بازیاں
لگائی جاتی ہیں وہ بھی حرام و قابلِ بندش ہیں۔ اور جو احکام ہم نے اوپر
قرآنِ حکیم کی آیات سے بیان کئے ہیں ان کو آپ خود بھی بفضلہ تعالےٰ
خوب جانتے ہیں جن کی قوتِ نفاذ آپ کو خدائے تعالیٰ نے دے دی ہے
اور اکثر کیا؟ تمام مسلمانوں کا بھی تقاضا ہے اور ہونا بھی چاہیئے۔ آپ اگر
قرآنِ حکیم کی جزاؤں اور سزاؤں کی قدر کریں اور ان کو جاری کر دیں تو پھر آپ
کی مخالفت کا امکان بھی نہیں رہتا۔ آپ کو غالباً یاد ہو گا۔ کہ گذشتہ اس
الیکشن کے وقت جس میں فاطمہ جناح مرحومہ کو سیاسی پارٹیوں نے صدارت
کے لیے آمادہ کیا تھا۔ آپ کو میں نے ایک چھپا ہوا خط ارسال کیا تھا۔
اگرچہ اُس خط کے مضمون پر علمائے کرام بہت خوش تھے مگر دستخط کسی
صاحب نے ڈر کے مارے نہیں کئے تھے۔ سی آئی ڈی اور پریس
برانچ والوں نے بھی اجازت نہیں دی تھی۔ مگر میں نے آپ کی مخالفت
کے سر نہ اٹھانے اور آپ سے ملک والوں کو جن فوائد کی مجھے امید تھی
ہے اُن سے مستفید ہونے کے خیال سے بھیجا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل
سے حق باتیں ہی لکھی تھیں۔ مگر آپ نے ان حق معروضات کو بھی اپنے حلم
اور تدبر سے پسند فرمایا اور مجھ کو شکریہ کے ساتھ جواب مرحمت فرما کر
ممنون فرمایا تھا جس کا میں بھی ممنون ہوں اُس میں عرض کیا تھا کہ آپ ایک

اعلان کر دیجئے کہ برادران ملک پاکستان آپ بھائیوں کی قابلِ قدر جدو
جہد سے بنا ہے۔ اس کی حفاظت اور سرپرستی اور ترقی بھی آپ سب
کی مرہونِ منّت ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ سب حضرات اپنے اپنے
علاقوں سے خدا ترس اور محبِّ ملک و ملّت ملک کے نظام کی درستی
اور ہر طرح کی فلاح و بہبود کے طریقوں کے جاننے والوں کو بھیج دیجئے تاکہ
اُن کے مفید مشوروں سے استفادہ کیا جائے۔ اور جو خرابیاں موجودہ
نظام میں ہوں اُن کو سب سے رائے لے کر دور کیا جائے۔ ظاہر ہے
کہ اس اعلان پر تمام محبانِ ملک مدبرین خوش ہو جاتے اور تمام پبلک
بھی مطمئن ہو جاتی۔ اور الیکشن اور اکھاڑے بازی کی پریشانی سے نجات
مل جاتی۔ لیکن افسوس آپ نے میری مخلصانہ درخواست کو قابلِ توجہ نہیں
سمجھا۔ میں تو ابھی تک اسی قسم کے ایک اعلان کو سیاسی ذاتی۔ اور
حاسدانہ مخالفتوں کے انسداد کا بہترین ذریعہ سمجھتا ہوں چونکہ اسمیں اللہ تعالےٰ
اور حضور اکرم صلعم کے فرمان اتفاق و اتحاد کی پوری تعمیل ہے۔ اس میں آپ کو
ثواب بھی ہے اور آپ کی مقبولیت کا بھی بہترین پہلو ہے اور اگر اس کو
آپ کسی مصلحت سے مناسب نہیں سمجھتے تو پھر پاکستان کے علمائے
کرام ہی کو ایک دعوت نامہ اخبارات کے ذریعہ بھیج دیجئے۔ کہ آیئے
اور اسلامی قانون کی اُن گتھیوں کو سلجھایئے جو اصولِ قرآنی اور حدیثی
میں پوشیدہ ہیں۔ یہ دعوت صرف علماء ہی کو مطمئن نہیں کرے گی بلکہ تمام
مسلمانوں کے اطمینان کا باعث ہوگی۔ اور سب علماء کی رائے سے جو

لائحہ عمل مرتب ہوگا یقیناً وہ اسلامی ہی کہلائے گا۔ لیکن یہ ضرور ملحوظِ خاطر رہے کہ وہ علماء کرام جو قرآن وسنت کے صحیح نظریات کو عملی جامہ پہنائیں۔ یورپ زدہ۔ اور اسلام کو عیسائیت میں ڈھالنے کے فنونِ لطیفہ کے ماہرین نہ ہوں۔ یہودی اور عیسائیوں کے شاگرد۔ اگرچہ عربی۔ فارسی۔ تفسیر۔ حدیث اور فقہ کی لاکھوں ڈگریاں بھی رکھتے ہوں تب بھی وہ نہ تو سچ مچ قابلِ اعتبار ہیں اور نہ مسلمانانِ پاکستان ہی اُن پر اعتماد اور بھروسہ کر سکتے ہیں۔ علمائے کرام سے مراد وہی علماء ہوتے ہیں۔ جنہوں نے باعمل مومن اور مسلمان عالموں سے علومِ دین حاصل کیے ہیں اور مشہور یا مسلمہ مدارس اسلامیہ کے فارغ التحصیل ہیں۔ اور یہ بھی یاد رکھئے کہ اکثر و بیشتر یورپ زدہ قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کو اُسی نظریہ سے پڑھتے پڑھاتے ہیں جس نظریہ سے یہودی اور عیسائی پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ اگر آپ تمام مکاتیب خیال دینی عالموں کو جمع کر کے قانونِ اسلامی کے نفاذ کی کوشش شروع کر دیں تو مجھ کو یقین ہے کہ ملک سے موجودہ مسموم اور فتنہ انگیز فضا اس طرح ختم ہو جائے گی۔ جس طرح بیکار بدلیوں کے لیے آپ ٹکڑے ہوا کے ایک جھونکے سے فضائے آسمانی سے رفوچکر ہو جاتے ہیں۔ آپ یقین کامل رکھئے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر کاربند ہونے سے آپ کی حیثیت ایک صدر کی ہی نہیں ہوگی بلکہ آپ خدائی حکومت اور اُس سلطنت کے سربراہ ہوں گے جس کی حفاظت کا ذمہ دار خود اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔

إِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ - اور خدا کی قسم پھر آپ کے
دل و دماغ میں کسی طاقت اور قوتِ مخالف کا بھی اندیشہ نہیں رہیگا۔
چونکہ آپ جس خدائے تعالیٰ کی بندگی کے شرف سے سرفراز ہوں گے
اس کا ہی یہ ارشاد بھی ہے۔ لَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ
الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ - اپنے کو کمزور مت سمجھو اور
نہ کسی طرح کے رنج و ملال اور غم و فکر کو پاس آنے دو اور تم ہی تو
غالب آنے والے اور سب سے افضل ہو اگر تم ہم پر کامل یقین رکھتے
ہو۔ دیکھئے اور ایمان کے جذبہ سے ملاحظہ فرمائیے کہ جن پیغمبر اسلام
خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی پر آپ فخر کرتے ہیں۔
ان کی کس طرح مدد فرمائی تھی اور جو مخالفین ظاہرہ بے سروسامانی اور
قلت نفوس کی وجہ سے کمزور سمجھے ہوئے تھے ان پر کیسی شان دار فتح
عطا فرمائی تھی جس کا ذکر یوں فرمایا ہے۔ وَاذْكُرُوْا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ
مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ
فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ پ ۹ ع ۱۷ سورہ انفال - اس وقت کو یاد کرو جب کہ تم
تھوڑے سے تھے اور دنیا بھر میں کمزور سمجھے جاتے تھے اور تم (میں سے
بعض) ڈرتے تھے کہ لوگ تم کو لوٹ کھسوٹ اور نوچ کر کھا جائیں گے
ایسی حالت میں تم کو آرام سے امن کے ساتھ رہنے کی جگہ دی۔ اور
تم کو اپنی مدد سے طاقت دی اور بہترین پاک غذائیں بھی عطا فرمائیں تاکہ

تم شکر کرتے رہو۔ اور پھر ایسا نسخہ بھی بتا دیا جس کے استعمال سے تمام قسم کی کمزوریوں اور آفتوں سے بچے رہو۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِکُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ؐ کی امانتوں میں خیانت نہ کرو یعنی اُن کے حقوق ادا کرتے رہو۔ اور انسانوں کی امانتوں میں بھی خیانت نہ کرو اگر تم سمجھ دار ہو۔ اور خیانت کے گناہ کے عذاب کو جانتے ہو!! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امانتیں تو ان کے فرائض وواجبات ہیں اور اسلام کی تبلیغ۔ نیکیوں کو پھیلانا اور برائیوں کو مٹانا ہے اور لوگوں کی امانتیں وہ مال و متاع یا کرائے ٹیکس اور واجب الادا چیزیں ہیں جن کا ادا کرنا لازم ہوتا ہے اور قرآنِ حکیم میں امانتوں کی ادائیگی کا حکم کئی جگہ ہے۔ اور خیانت کرنے والوں کی مذمت اور اُن کی سزا کا بھی بیان ہے۔ حاکم اور گھر کے سردار کے پاس یا قبضے میں ملک والے۔ زیر دست نوکر چاکر بھی اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں ان کی نگاہ داشت وحفاظت اور ان کے حقوق بھی واجب الادا ہوتے ہیں۔ زیر دستوں۔ اور ملک کے عوام کے لیے ایسے حالات اور مواقع بہم پہنچانا جن کے سبب ان کی زندگی آرام سے گزرے اور پریشانیوں سے محفوظ رہیں حکومت کے لیے لازم ہیں۔ اور اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ خود ہر جماعت اور طبقے کے لوگوں کی ضروریات کا پورا احساس ہو۔ مثلاً ہر گھر میں ماں باپ بڑے اور سر

براہ ہوتے ہیں تو وہ اپنے لیے اپنے متعلقین کی زیادہ سے زیادہ حمایت اور رضامندی چاہتے ہیں۔ اور کسی فرد کی ضروریات سے آگاہی نہیں ہوتی تو اُس سے دریافت کر لیتے ہیں۔ ایسے گھر میں کبھی نااتفاقی اور لڑائی جھگڑے نہیں ہوتے ہر شخص خوش و خرم رہ کر اپنے اپنے فرائض ادا کرتا رہتا ہے اور نظامِ خانہ داری میں فرق نہیں آتا۔ اور گھر والے دوسروں کی نگاہوں میں بھی قابلِ عزت تصور ہوتے ہیں۔ صدرِ محترم آپ یہ مضمون ذرا تدبّر کی نظر سے ملاحظہ فرمائیے۔ کیا آپ کے زیرِ دست پبلک کے حضرات آپکی حکومت کے نظام سے مطمئن ہیں؟ اور ان کو آپ سے شکایات نہیں ہیں؟ اگر جائز شکایتیں آپ کی گوش گذار ہوئیں تو پھر آپ نے اُن کے رفع کرنے کا کونسا معقول انتظام فرمایا؟ اگر کچھ شکایتیں اُن میں غلط تھیں تو شکایت کرنے والوں کو آپ نے مطمئن کیوں نہیں کیا؟ میں نے کسی خط میں یہ بھی عرض کیا تھا کہ عوام میں آپ کی جانب سے خیر سگالی کے جذبات بہت ہی کم ہوتے جارہے ہیں۔ اور آپ کے حوارین آپ کو اس کا احساس دلانے سے مطلق قاصر رہے ہے نہ تو آپ عوام پرسی کی زحمت گوارہ فرماتے ہیں اور نہ آپ کے مصاحبین ہی۔ آپ جانتے ہیں کہ وہی آدمی دانا اور اپنے فرائض سے کماحقہٗ سبکدوش ہونے کے لائق مانا جاتا ہے جو اپنے زیرِ دست ماتحت اور پبلک کے حالات و معاملات سے واقف ہو۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ بہت سے محکموں کے افسران یا کام کرنے والے اپنے

فرائض کی غفلت کی وجہ سے حکومت کے اعتماد کو عوام کے دلوں سے نکال دیں اور بدگمانی بلکہ نفرت کے خیالات ان کے دماغوں میں بھر دیں۔ بعض ملازمین سرکار ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جو صدر گورنر اور بڑے بڑے ذمہ دار حاکموں کو مال و دولت کے چکر میں ڈال دیتے ہیں یا ان کی اولاد اور عزیز و اقارب کے ساتھ ایسے حسن سلوک بلکہ مراعات کے جال تان دیتے ہیں کہ اس کے دھندلکے میں عدل و انصاف کی نظریں خیرہ ہو کر رہ جاتی ہیں۔ مگر نتیجہ اس کا بہت ہی بُرا ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرما دیا ہے۔ وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَّ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ اَجْرٌ عَظِيْمٌ۔ یعنی اے ایمان والو جان لو اور اچھی طرح سمجھ لو کہ تمہارے مال اور اولاد فتنہ ہے اور فتنہ کے معنی عربی میں آزمائش کے بھی ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا مقصد اس ارشاد سے یہ ہوگا کہ تمہارے مال اور اولاد تمہاری آزمائش کا ذریعہ ہیں کہ تم مال اور اولاد کی طرف داری اور محبت میں اللہ تعالیٰ اس کے رسول ؐ اور بندگانِ خدا کی امانتوں اور حقوق کا خیال کرتے ہو یا نہیں۔ یہ دونوں نشے ایسے ہیں کہ بسا اوقات آدمی ان کی سرمستی سے ٹھوکریں کھاتا ہوا کہیں سے کہیں نکل جاتا ہے اسی لیے یہ بھی تاکید فرما دی۔ يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ يُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ پ۹ رکوع ۱۸۔ انفال۔ اے ایمان والو اللہ

تعالیٰ اسے ڈرتے رہوگے تو تم کو اللہ تعالیٰ ایک فیصلہ کی چیز یا قوت عطا فرمائے گا اور تمہاری غلطی اور قصور بھی معاف فرمادے گا اور اللہ تعالیٰ بہت ہی فضل کرنے والا ہے۔ لیکن فضل و کرم اسی پر فرمایا جاتا ہے جو اس کے بندوں پر فضل و کرم کرتا رہتا ہے۔

کروگے اگر رحم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

آپ کے فضل و کرم کی بارش: یہ تو میں اور بہت سے لوگ مانتے ہیں کہ بڑے بڑے لیڈروں۔ سرمایہ داروں پر آپ کے فضل و کرم خاص ہیں۔ اور گانے بجانے ناچنے اور قوم کے انسانی احساس کو فنا کرنے والے اور حیوانی جذبات سے دل و دماغ کو پُر کرنے کی کوشش کرتے والے شاعروں اور قوالوں پر بھی آپ کی عنایات کے بادل گھرے رہتے ہیں۔ لیکن کبھی کسی قوم ملک کی صحیح خدمت کرتے اور مسلمانوں میں اتفاق کی جدوجہد میں مصروف رہنے والوں کی طرف تو آپ کی نظرِ سخاوت نے بھول کر بھی توجہ نہیں فرمائی۔ بلکہ خود آپ کے دعاگو۔ حکومت کے استحکام اور ملکی نظام کی زندگی پر جو اپنی جانیں تک قربان کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں وہ بھی دونوں وقت اطمینان سے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ نہیں بھر سکتے۔ اگر کھانے کو ہے تو پہننے کو نہیں اور پہننے کو ہے تو کھانے کے لالے پڑے ہیں۔ یہ مانا کہ آپ کی کوتاہی دستِ عنایت

سے رشوتوں کے ہاتھ دراز ہو گئے ہیں۔ لیکن آپ کے ملازمین میں کچھ حلال خور بھی تو ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل و کرم سے ہمیشہ حلال روزیاں اللے تللے سے عطا فرماتا رہے۔ آمین۔ مگر میں کوئی ایسا پہنچا ہوا ولی تو نہیں ہوں کہ تیرِ دعا فوراً ہی نشانۂ اجابت سے ہم کنار ہو جائے۔ آخر ان بے چاروں کی زندگی تو دو بھر ہے مانا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی کبھی نہ کبھی فریادیں ضرور سنتا ہے۔ لیکن آپ کی بے التفاتی بھی تو عدل و انصاف کے دامن پر بدنما داغ۔ اور معدہ کا حکومت کے لیے ذریعۂ استفراغ ہو سکتی ہے۔ معدہ کسی کا بھی ہو تو اذیں اغزیہ چاہتا ہے۔ اناپ شناپ کھا لینے سے تو اسہال کا خطرہ بھی رہتا ہے ہاں کسی کے ماں باپ کی مامتا کا یہ تقاضا کبھی نہیں دیکھا کہ بعض بچوں کو تو حلق تک بھر دیں اور بعض بیچارے روکھی روٹی کے لیے بھی بلکتے رہیں۔ حکومت تو حقیقت میں ماں باپ سے بھی زیادہ ملک والوں کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ چونکہ بہت سے ماں باپ اپنی اولاد کو حسب منشا پروان چڑھانے کی لائق نہیں ہوتے اور حکومت کو اللہ تعالیٰ لوگوں کی فلاح و بہبود کے اسباب کا خزانہ عطا فرما دیتا ہے۔ یاد رکھئے۔ بچہ جب ہی روتا ہے جب بھوکا یا تکلیف میں گرفتار ہوتا ہے اور اس کے آنسو یا بلاتی آواز صرف دودھ کی طلب یا اپنی تکلیف کی طرف توجہ دلانے کا ذریعہ ہوتی ہے۔ کیونکہ

تا نگرید ابر کے خندد چمن ۔۔۔ تا نگرید طفل کے جوشد لبن

کیا عقل مندوں اور مامتا سے بھرے دلوں کو یہ گوارہ ہو سکتا ہے کہ رونے چلانے کے راستے ہی بند ہوں ہر حیثیت والے آدمی کے آپ صدر ہیں۔ قوم کے لوگ بچوں کی مثل ہیں اگر اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کو آپ کے سامنے پیش نہ کریں تو پھر کدھر جائیں؟ اور بے طلب ہی ان کی ضرورتیں پوری کر دی جائیں اور ان کی تکلیفیں دور ہو جائیں۔ تو پھر طلب کے یہ ناخوشگوار طریقے دیکھنے میں کیوں آئیں؟ مثل مشہور ہے کہ جب سیدھی انگلیوں سے گھی نہیں نکلتا تو ٹیڑھی ہی کرنی پڑتی ہیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ آپ نے فیض رسانی کے بہت سے چشمے جاری فرمادئے ہیں۔ لیکن افسوس آپ نے یہ کبھی غور سے نہیں دیکھا کہ ان کے منافذ کوڑے کرکٹ سے بند تو نہیں ہوئے۔ اے میرے محترم صدر۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کے چشمہ ہائے عنایت کو نالیاں بہہ گئی ہیں۔ اور چند نے اپنا رُخ گندگی کی ڈھیریوں کی طرف کر لیا ہے تاکہ کوئی گلی کوچہ بدبو سے بچ نہ سکے۔

حکومت کی بدنامی: آپ کو معلوم ہے کہ حکومت مختلف محکمے پبلک کی آسانی اور مطلب برآری کے لیے قائم کرتی ہے۔ اگر ان محکموں کی جانب سے وہ خدمات انجام نہ پائیں جن کے لیے ہیں تو ان کی عمارتوں، سازوسامان اور تنخواہوں پر جو خزانہ کا روپیہ صرف کیا جاتا ہے۔ وہ بالکل فضول خرچی اور اسراف ہی مانا جائے گا۔ اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ کسی کا ایک پیسہ بھی ضائع

کرنا خیانتِ مجرمانہ ہے۔ خصوصاً ملکی خزانہ جو ہر حیثیت والے آدمی کے خون پسینے کی آمدنی سے بھر اگیا ہے اس کا ضائع کرنا کتنی بڑی خیانت ہے؟ اگر یہ محکمے اپنے فرائض منصبی ادا کرتے تو اتنی رشوتیں چور بازاریاں۔ ملاوٹیں۔ فریب کاریاں۔ اور بدکرداریاں نہ ہوتیں کہ لوگوں کو پاک صاف اور حلال روزی حاصل کرنی محال معلوم ہونے لگی ہے۔ اللہ اللہ۔ ایک تو وہ عورت ہندنی تھی جس کی مثال پہلے پیش کی ہے کہ اپنی غربت و افلاس کے باوجود حرام روزی سے متنفر تھی اور آج پاکستان میں مسلمانوں سے یہ سُنا جاتا ہے کہ میاں پاکستان میں حلال روزی نہیں مل سکتی۔ جو حلال تلاش کرے گا بھوکا مرے گا۔ بقول بعض اگر یہ کہا جائے کہ حکومت کے محکمے تو بہت کوشش کرتے ہیں لیکن لوگ بُرائیوں سے باز نہیں آتے تو پھر میں کہوں گا کہ حکومت کا کیا فائدہ ہے؟ ملک کی حفاظت کے لیے صرف ایک محکمۂ فوج ہی کافی ہے۔ جہاں جلبِ منفعت اور تحصیلِ زر کی خاطر تو بڑی تندہی سے کام ہوتا ہے وہاں پبلک کی پریشانیوں کی کثرت کیوں ہے؟ اور اس کے حقوق کی ادائیگی اور اس کی جانی مالی۔ دینی اور اخلاقی حفاظت کیوں نہیں کی جاتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قانون کی بالادستی نہیں ہے۔ قانون کی بالادستی تو جب ہو کہ کسی بالادست اور بڑے قابلِ قدر حاکم کا قانون ہو۔ تمام پاکستانی خوب جانتے ہیں کہ قانون تو وہی ہے جس سے نجات حاصل کرنے کے لیے بڑی بڑی قربانیاں دے کر پاکستان بنوایا تھا۔ یہ بھی سوئے اتفاق یا ہم پاکستانیوں کے

نصیبوں کی کمزوری ہی ہے کہ بہرصورت غیر اسلامی نظام کے زیر دست رہے۔

قانون کی اہمیّت:

تو اسی وقت سمجھی جاتی ہے جب کہ قانون پورے طور پر ملک کی بہتری جرائم سے نجات اور عوام الناس کی ضرورتوں کے مطابق ہو۔ یہاں میری غرض یہ نہیں کہ ہر طبقہ اور ہر گروہ کی خواہشات نفسانی کا تابعدار ہو۔ بلکہ قانونی حیثیت ملک کی ایسی اصلاح کر سکے جس سے بشریت اور انسانیت مقصدِ حیات میں کامیاب ہوجائے۔ بعض قانون کے معنی سے بے خبر حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ زمانے کی ضرورتوں اور موجودہ دور کے ناہنجار اور زندگی کو اجیرن بنانے اور نفسِ امارہ کو کھل کھلا کر اپنی امنگیں پوری کرنے میں معاون ہو۔ اس کو کوئی عقلمند بھی قانون نہیں کہہ سکتا بلکہ شیطانی اور گمراہ کن پروپیگنڈہ ہی سمجھا جائے گا جو لوگوں کو تکلیفِ مالایطاق کے گڑھے میں دھکیل دے گا جیسے کہ آج کل مغربی ممالک میں قوانین موجود ہیں اُن کی خرابی اور انسانی تہذیب کو فنا کر کے حیوانیت کی طرف راہنمائی کی لعنت سے دنیا تباہ ہو رہی ہے۔ اور اپنی بھلائی برائی کا احساس کرنے والے بھی اُس قانون کی دست بُرد اور تخریبِ معاشرہ سے گھبرا رہے ہیں آج دنیا میں جنگ و فساد اور کمزور قوموں کو ظلم و ستم کی دھکتی ہوئی بھٹی میں جھونکنا اس قانون کا شاہکار ہے۔ جس کو بادشاہوں کے دماغوں کی عیاش مزاجی کا بر ستار کہنا درست ہے۔ میری تحقیق تو یہ ہے کہ یہ قانون جن دماغوں میں رہتا۔ گھومتا پھرتا ہے اُن کو بھی دانائی اور راست بازی سے کوسوں دور پھینکنے کی کوشش کرتا ہے

قوی اور بہادر طبیعتیں تو اس کے پھندوں سے بچی رہتی ہیں لیکن کمزور دل دماغ تو اپنا توازن بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ اور اس قانون کے نافذ کرنے والے بھی لاقانونیت کے دام فریب میں قید ہو جاتے ہیں اس کی مثال بھی بالکل زندہ آپ کے سامنے پیش ہے۔ ذرا انصاف سے ملاحظہ فرمائیے۔

اللہ تعالیٰ ہماری حکومتِ پاکستان کو ہمیشہ دنیا کے لیے مفید ترین راستوں پر چلا کر اُس کو تمام جہان کی اصلاح کا ذریعہ بنائے۔ اور اس کو بنیادی اصول سے منور فرما کر دنیا کے لیے روشنی کا مینار اور مصیبت زدہ انسانیت کے لیے جائے پناہ اور زندگی اور روحانی مسرتوں کے لیے مرکزِ پائیدار بنا دے آمین۔ یہ بڑی ہی خوشی کا مقام تھا اور حکومت کے ہمیشہ ممنونِ احسان رہنے کا کام۔ کہ اُس نے لاکھوں روپیہ خرچ کر کے اسلامی نظریات کی اشاعت یا دلوں میں اسلامی اقدار کے اختیار کرنے کے جذبات کو زندہ اور قوی کرنے کے لیے اسلامی ریسرچ۔ تحقیقات اسلامیہ اور اسلامی مشاورتی کمیٹی قایم کر دئے۔ اللہ تعالیٰ دین کی قدر دان اور سرمایہ کی قلت کے باوجود استحکام دین کی خدمت کے لیے سرگرداں حکومت کو جزائے خیر عطا فرماتا ہے۔ حقیقت میں دین ہی انسانی زندگی کے لیے روح رواں ہے اور مشکل سے مشکل مقاصد میں کامیابی حاصل کرنے کا طریقہ آسان ہے۔ غالباً آپ نے اخبارات میں پڑھا ہوگا کہ اس ادارہ کے سربراہ ہزاروں کی تنخواہ پانے والے ڈاکٹر فضل الرحمٰن تھے۔ اگرچہ بفضلہ تعالیٰ اُن کا نشوونما ایسے مبارک آغوش میں ہوا جس

کو بہت سے مسلمانوں نے صحیح اسلامی درس گاہ کا خطاب دیا بلکہ ان کی درس و تدریس سے بہت سے تاریک دل بھی منور ہو گئے۔ یعنی مولانا شہاب الدین صاحب ان کے والدِ بزرگوار ہیں۔

پسرِ نوح با بداں بہ نشست خاندانِ نبوتش گم شد

ان کی حالتِ زار یہ ہے کہ ان کو اسلامی عقائد و نظریات سے انکار ہے چاہے تو یہ ممارست قانون موجودہ کی برکت سمجھئے یا ان کے ذہن مسحورِ یورپ و عیسائیت کی اتفاقی حرکت تصور کیجئے کہ حرام کو حلال کہنے پر بھی تادیر مُصر رہے۔ اور ان کی پشت پناہی کا سہرا بھی قانون کے سربراہ یعنی وزیرِ اعظم قانون کے سر ہی کی زینت بنا رہا۔ تمام علمائے دین کے احتجاج کے باوجود یہ محور و مرکزِ قانون طرف داری ہی کرتے رہے پھر انگریزی میں اسلام نام کتاب کے ذریعہ بھی محکمۂ تحقیقاتِ اسلامیۂ پاکستان کی خوب ہی تشہیر ہوئی۔ اور حکومتِ موجودہ پر ہر طرف سے تحسین و آفرین کے بادل گرجے اور خوب برسے۔ اور میں غریب جو نہ مشہور و معروف مولوی نہ مُلا۔ نہ کسی جماعت کا امیر نہ امام اور مفتی مفت میں ایک گراں بارِ استفتٰی کے نیچے دم بخود پڑا ہوں۔ چونکہ استفتاء بھی ایک ایسے دین کے محبِ صادق اور قوم و ملک کے ہمدرد کی جانب سے ہے جن کے معمولی اشارہ پر بھی حرکت کو خدائے قدوس کی طرف سے بے انتہا برکت کے نزول کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔ مفتیانِ دینِ مبین اور علماء وارثانِ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے جواباتِ باصواب کی غرض سے حاضر ہے۔

استفتاء ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین ان مسائل کے بارے میں ۔

(۱) ایک شخص اعلانیہ و تحریری مندرجۂ ذیل عقائد کا اظہار کرتا ہے ۔
(نقلِ کفر کفر نباشد)

الف ۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی جسمانی معراج ایک تاریخی افسانہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نمونہ پر تراشا گیا ہے
(HISTORICALFICTION)

ب ۔ حضرت جبریل علیہ السلام کا کوئی وجود نہیں ۔

ج ۔ قرآن مجید خدائے تعالیٰ اور نبی اکرم (صلعم) صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ملی جلی زبان میں ہے اور اس کے اصول اور ضوابط دائمی اور ابدی نہیں ۔

د ۔ وحی کا انداز شاعرانہ تخیل کا سا ہے ۔
(Poetic Inspiration)

ر ۔ حضور نبی کریم صلعم (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اگر گھوم پھر کر تاریخی واقعات معلوم نہ کئے ہوتے تو قرآن میں مذکورہ واقعات کو قطعًا نہ سمجھ سکتے ۔

س ۔ حضور سرورِ کائنات صلعم (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کا اسم مبارک لکھتے وقت احترام ضروری نہ سمجھے ۔ انگریزی میں سیکڑوں مرتبہ اسمِ گرامی تحریر

کرے مگر ایک بار بھی (The Holy) یا بعد از نامِ پاک (Peace be upon him) لکھنے کی تکلیف نہ فرمائیے۔

ص۔ منکرینِ ختمِ نبوّت کے مسلمان ہونے کا سرکاری طور پر اعلان کرے)
ناظرینِ کرام یہ ہیں نئے سرکاری ادارۂ اسلامیہ کے سربراہ فضل الرحمٰن ہی کی وہ خرافات لکھی ہے جو میرے بزرگ محترم نے استفتاء میں تحریر فرمائی ہے۔ اب آپ اکثر سرکاری محکموں کی حقیقت کو خوب سمجھ گئے ہوں گے۔ اسلامی تحقیقی محکمہ اور اسلامی مشاورتی کمیٹی کے ملازموں اور نوکروں کا فرض تو یہ تھا کہ وہ اسلامی یعنی قرآن و حدیث اور چودہ سو سالہ مومنین علمائے کرام کے متفقہ اور معمول بہا نظریات کو جاری کرتے یا حکومت سے جاری کراتے مگر انہوں نے اسلام ہی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی قابلِ لعنت خدائے قدوس دلائقِ مذمت و ملامت کائنات جد و جہد میں رہ کر موجودہ حکومت سے متنفر کر دیا۔ کہ آج ذرا ذرا سے بچے بھی حکومتِ موجودہ کو ہاتھ پھیلا پھیلا کر کوس رہے ہیں۔ اور بڑے بڑے دانایانِ ملک اس نظام سے نالاں ہیں جس میں اسلام کو مٹانے کی کارروائیاں کفار و مشرکین سے بھی زیادہ کی جا رہی ہیں۔ کیونکہ بڑے بڑے بے دین کافر اپنے ملکوں میں توجہ بھی کرتے ہیں مگر کسی مسلمان کہلانے والی حکومت میں ایسا نہیں کر سکتے۔ بہت سوں سے تو میرا جھگڑا بھی ہو گیا۔ صدر موجودہ محمد ایوب خان صاحب کے متعلق بڑے بیہودہ جملے استعمال کر رہے تھے۔ میں نے کہا میاں بھائی ذرا شرافت سے کام لیجئے

اپنی حکومت کے صدر کا احترام کرنا چاہیئے تو مجھ کو چھ اور زدر خرید مولوی کہہ کر غصہ کرنے لگے اور کہنے لگے کیا صدر کو یہ تمام پاکستان کے مسلمانوں کی چلتی پکار سنائی نہیں دیتی - اور اپنے ملک کے اسلامی محکمے کی بدمعاشی بھی سجھائی نہیں دیتی - دوسرے شخص نے کہا - مولوی جی آپ کو حقیقت کا کچھ پتہ نہیں ہے - تمام محکموں کی خرابی کی جڑ تو یہی اسلامی کہلانے والے محکمے ہیں - حالانکہ ان کا فرض تھا کہ حکومت کی تمام مشینری کو اسلامی جذبات اور دینی نظریات پر عمل کرنے کے لیے مجبور کرتے - جب دوسرے محکموں کو یقین ہو گیا کہ ہماری حکومت ہی اسلامی باتوں کی دشمن ہے تو پھر ہمیں اسلامی ڈھونگ رچا کر - نکو بننے کی کیا ضرورت ہے؟ اکثر محکمے رشوتوں نا انصافیوں - بدمعاملگیوں سے بدنام ہو گئے - اور حالت بایں جا رسید کہ حکومت کی مخالفت کا طوفان ٹھاٹھیں مارنے لگا - کہ حکومت سر سے پاؤں تک کا زور لگا رہی ہے مگر مخالفت بڑھتی ہی جاتی ہے - ہائے ہائے اسلام کے مبارک نام سے جو حکومت ڈیڑھ سو سالہ غلامی کے بعد میسر ہوئی - اس کی بھی یہ دُرگت ہے - خدائے تعالیٰ صدر گورنر اور دوسرے چوٹی کے حاکموں کو عقلِ سلیم دیدے کہ اللہ تعالیٰ - اُس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کرنے کا راستہ چھوڑ دیں - اور اپنی بے عزتی نہ کرائیں - اور صحیح طور سے سچے سچے مسلمان بن جائیں - اور اُسکے دربار میں توبہ تلا کر کے گناہ

معاف کرالیں اور قرآن و سنت کے سانچوں میں ڈھل کر قرآن و سُنت کی حکومت تسلیم کر لیں۔ جناب میری پریشانی اس وجہ سے بڑھتی ہی جاتی ہے۔ کہ صدر محترم کو اللہ تعالیٰ نے اتنی طاقت دی ہے کہ وہ اسلامی نظام قائم کر دیں اور مخالفوں کو اپنی بدنامی اور حکومت کو کمزور کرنے کا موقع نہ دیں۔ گرانی اور کم آمدنی بھی عوام کی پریشانی کا سبب ہے اور وہ اپنی حالتِ زار کے اظہار کے لیے مخالفِ حکومت جماعتوں میں شریک ہو کر غیر شرعی کام بھی کر بیٹھتے ہیں۔ میں نے محلوں میں عام لوگوں خاص کر مزدور اور ملازم پیشوں کو بہت ہی ناراض پایا۔ بہت سے بچے بھی روتے ہوئے دیکھے کہ اب تو ہماری پڑھائی بھی چھوٹ گئی۔ ابا کو اتنے پیسے بھی نہیں ملتے کہ دونوں ٹائم کا کھانا پیٹ بھر کے میسر ہو جائے۔ اسکول کی کتابیں کاپیاں قلم پنسلیں اور دوسری ضروری چیزیں کہاں سے آئیں۔ پھر فیس کے بغیر بھی پڑھائی ممکن نہیں ہے۔ فیس بھی پہلے سے زیادہ ہی ہو گئی ہیں۔ سکول جانے کے لیے کپڑے بھی ذرا اچھے ہی درکار ہیں۔ اگر پیوند لگا ہوا یا میلا کچیلا کپڑا پہن کر جائیں تو بچے بھی ہنسی بناتے اور حقارت سے دیکھتے ہیں۔ پھر ماسٹر اور استانیاں بھی برا مانتے اور بعض تو حقیر بھی سمجھتے ہیں۔

گرانی کیوں ہے؟

بڑا تعجب ہے کہ تمام قسم کے غلے پاکستان میں پیدا ہوتے ہیں اور کسانوں زمین داروں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ برطانیہ کے زمانہ سے زیادہ پیداوار ہے کیونکہ پاکستان

میں خاص کر موجودہ صدر کی حکومت میں کاشت کی ایسی سکیمیں جاری کی گئی ہیں جن سے بہت فائدہ ہوا ہے۔ اسی لیے صدرِ محترم اور ملک والے زرعی اصلاحات کی بڑی تعریف کرتے ہیں بلکہ نازاں ہیں۔ عقلاً تو چاہیئے تھا کہ پہلے زمانوں سے غلہ سستا ہوتا۔ بہت سے لوگوں سے سُنا ہے کہ ہمارے ملک کے اکثر وزیر لوگ اور بڑے حکام زمین دار ہیں انہوں نے اپنے فائدوں کی خاطر غلے گراں کر دئے ہیں۔ چونکہ حکومت قدرتی اور دیہات کے بھاؤ کی نسبت خود گراں خریدتی ہے تو اس طرح بیچارے کسان بھی حکومت سے خوش رہتے ہیں۔ لیکن وہ کسان جن کی اپنی زمینیں ہیں اور بڑے بڑے زمین داروں کے وارے کے نیارے جن میں اکثر حکام اعلیٰ بھی شریکِ غالب ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ہر شخص پیشہ ور ہو یا ملازمت کرنے والا غلے کا بھوکا ہے جب اس کو دال آٹا چاول وغیرہ اجناس مہنگی ملتی ہیں تو وہ بھی۔ اپنی مزدوری اور تنخواہ آمدنی بڑھانا چاہتا ہے۔ اب رہے وہ لوگ جن کو مزدوروں سے کام لینا ہے۔ وہ اپنی جیب کی طرف دیکھتے ہیں تو ان کو بھی دال آٹے کی فکر شیطان کی طرح دھمکاتی ہے کہ اگر اتنی مزدوری دوگے تو پھر گھر کے راشن کی کیا بنے گی؟ تو بیچارہ مجبور ہو جاتا ہے اور بہت سی ضرورتیں پوری نہیں کر سکتا۔ اب رہے مزدور جب ان کی اجرت کی زیادتی کی وجہ سے ان کا کام نہیں لگے گا تو پھر اُن کا گزر کس طرح ہو گا؟ اگر یہ کہا جائے میاں بڑے بڑے سرمایہ دار پڑے ہیں وہ کیا کام کرانے اور اچھی مزدوری دینے میں کچھ کم ہیں؟ بھائی مجھ کو

تو تجربہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ سرمایہ دار - زیادہ دولت والے اتنے نہیں ہیں کہ ان میں تمام مزدوروں کی کھپت ہو اور بعض مزدوروں سے یہ بھی معلوم ہوا - کہ بڑے بڑے سرمایہ دار دولت مند مزدوری دینے میں بہت ہی خسیس ہوتے ہیں - بات یہ ہے کہ آج کل ہمارے صاحب بہادر یعنی دفتر والے لوگ اور بڑی بڑی کوٹھیوں والے خود مزدوروں یا کاریگروں سے بات چیت کرنے لینے دینے کی زحمت گوارہ نہیں فرماتے یہ کام اپنی بیگمات کے سپرد کر رکھتے ہیں - اور اللہ تعالیٰ خوش رکھے ان بیگمات کو اور بڑی بڑی کوٹھیوں اور کاروں کا مالک بنائے - ان میں بعض خواتین ایسی کفایت شعار بھی نظر آتی ہیں کہ بیچارے غریب کنڈکٹروں کے لیے بھی آفتِ ناگہانی بن جاتی ہیں - مروجہ اور مشہور و معروف کرایہ دینے میں بھی ناک بھوں چڑھاتی ہیں - جو زیادہ امیر یا کسی افسر کی منظورِ نظر ہوتی ہیں وہ گالی گلوچ اور مار پیٹ میں بھی مضائقہ نہیں کرتیں - اور مزدوری - اجرت تو یقیناً" موجودہ سرمایہ داروں یا نظامِ حکومت کی برکت سے بڑھ گئی ہے کہ دو کی بجائے چار - اور چار کی جگہ آٹھ روپیہ یومیہ ہو گئے ہیں لیکن مہنگائی کا مرتبہ تو غالباً تین یا چار گنا بلند ہو گیا ہے - وہ معمولی سا اضافہ اُس کا مقابلہ کیسے کرے - پھر مہنگائی بھی فقط ایک غلے ہی کی تو نہیں ہے - بلکہ برتنے کی ہر چیز اس دورِ فیاضی صدرِ ذی قدر میں نازہ انداز دکھاتی اور کم مایہ، مفلس اور بیکاروں کو اپنے دیدار سے محروم ہی رکھتی ہے - جبھی ایسی چیزیں جو انسانی زندگی کے لیے لازم نہیں ہیں اگر پردۂ گرانی کی زینت

بن جائیں تو عوام کے حزن و ملال اور غمِ مفارقت سے نڈھال ہونے کی چنداں ضرورت نہیں۔ لیکن جن کے بغیر انسانیت ہی سے محروم اور معاشرہ کے نزدیک مزموم ہونا پڑے ان کی جدائی میں تو رونا چلانا سب ہی ہوگا۔ اب ذرا ان پردہ نشینوں اور قدر و منزلت خدمتِ خلق سے اپنے کو محروم رکھنے یعنی اپنی عزت و آبرو اور ہر دلعزیزی کو پائمال کرنے والی چیزوں کی طرف بھی آئیے۔ پہلے کپڑے ہی کو لیجئے چونکہ یہ اپنی دیدہ زیبی بلکہ پردہ پوشی اور آبرو کوشی میں سب سے آگے ہے۔ جب آدمی کہیں جاتا ہے تو لوگوں کی نظر کپڑوں ہی پر پڑتی ہے۔ اگر کپڑے اچھے ہوں تو عزت و حرمت اور شان و شوکت سب کچھ موجود اور برے ہوں تو ذلّت و حقارت ہر جگہ کو دیڑتی ہے۔ ماشاء اللہ پاکستان میں کپڑے کے بہت سے مل اور کارخانے ہر قسم کے کپڑوں کی ریل پیل میں مصروف ہیں۔ ان کو خام مال روئی پٹ سن۔ وغیرہ بھی اپنے ملک ہی میں آسانی سے مل جاتے ہیں لیکن کپڑے کی گرانی میں روز بروز ترقی ہی ہوتی جاتی ہے۔ کپڑا زندگی کے لوازمات میں بڑی حیثیت رکھنے کے باوجود کم آمدنی والوں کو ضرورت کے قابل میسر نہیں ہوتا۔ بھائیو یہ مل والے بھی ہمارے بھائی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے وہی اُمتی ہیں جن کی ایمان کی نشانیاں حضرت حیدرِ کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قابلِ قدر ارشادات سے بیان کی گئی ہیں اور پھر اسی پاک بازراستی کی بھوکی اور پیاسی رحم و کرم عدل و انصاف میں خدائے تعالیٰ کی نہایت فرمان بردار اور

مبارک بادی کے قابل قرم بتایا گیا ہے اور کسی جوتشی۔ نجومی یا رمال نے نہیں کہا بلکہ خدائے قدوس کے مقرب نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ آپ ذرا گریبانوں میں منہ ڈالکر دیکھیں کہ وہ ہمارے بھائی جو حاجی غازی اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ناموں اور درود وسلام کی تسبیحیں پڑھنے والے بھی ہیں کیا کبھی بھی اُنہوں نے اپنی قوم اور ملک والوں کی ستر پوشی اور گرمی سردی سے حفاظت کی نیت بھی کی ہے؟ اگر ان کی ایسی نیت ہوتی تو پھر ملک والے کپڑوں کو نہ ترستے۔ میں نے انڈسٹریز کے ایک افسر اعلیٰ سے سنا تھا کہ کئی امریکن اور جرمنی پاکستان میں کپڑے کے ملوں اور فیکٹریوں کی اجازت طلب کرنے آئے تھے اور کہتے تھے کہ ہم چار پانچ آنے گز وہ کپڑے دیں گے جو انسانی ستر پوشی کی بہت ہی مناسب خدمت انجام دیتے رہیں گے۔ مگر ہماری سرکارِ نامدار نے اپنے یہاں کے سرمایہ دار ملوں والوں سے مشورہ کرنے کے بعد ان لوگوں کو اجازت نہیں دی اس سے معلوم ہوا کہ سرکاری بڑے بڑے ملازمین نے خود ہی مل والوں کو گراں فروشی کی ترغیب دی ہے یا اُن کو پوری آزادی دے دی ہے کہ جس طرح چاہیں فروخت کریں۔ اگر واقعی یہ بات درست ہے تو دونوں نے غریبوں پر ظلم کیا ہے۔

کارخانوں میں سرکاری عملہ: میں نے کئی فیکٹریوں میں ایک دو سرکاری عملہ کے

لوگوں کو دیکھا اور ان کے حساب کتاب کے معاملات بھی معلوم کیے۔ بڑی تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ یہ لوگ تو صرف سرکاری واجبات اور مختلف ٹیکسوں کے پورا وصول کرنے کی خاطر ملوں اور فیکٹریوں میں رہنے کی زحمت گوارہ فرماتے ہیں۔ ان کو اس سے کچھ غرض نہیں ہوتی کہ کپڑا کس قدر نفع لے کر فروخت کیا جاتا ہے! میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ سرکاری حضرات مل والے بھائیوں کو زیادہ سے زیادہ ارزاں فروشی کی طرف مائل کرتے ہوں گے اور یا کپڑے اور دوسری مصنوعہ چیزوں کی تیاری میں خرچ کو معلوم کر کے مناسب منافع پر فروخت کرنے کے منصوبے تیار کرتے ہوں گے۔ چونکہ یہ بہت آسان ہے کہ ہر چیز کی تیاری میں جس قدر خام مال اور مزدوری کی لاگت یا خرچ ہے اس پر ملوں کے مالکوں کے واجبی منافع کو ملحوظ رکھ کر ہر چیز کی ایسی قیمت مقرر کر دی جائے کہ پبلک کی قوتِ خرید پر جبر نہ ہو۔ بعض لوگوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ حکومت کے اہل کار خود بھی چاہتے ہیں کہ ہر چیز گراں بکے تاکہ مل اور کارخانوں اور فیکٹریوں بلکہ بڑے بڑے تاجروں سے ٹیکس زیادہ وصول کیا جائے۔ خریداروں میں تو ایسے بہت ہی کم لوگ ہوتے ہیں جو حکومت کے خزانے کی مدد کرتے ہوں۔ اگر واقعی یہی نظریہ ہے تو پھر یہ تو بہت ہی بڑا ظلم ہے۔ کیونکہ حکومت کے منصبی فرائض میں چیزوں کو سستا کرنا بھی ہے۔ اُس کی جانب سے کسی عقل مند اور پہلو میں انصاف پسند دل رکھنے والا ایسی ظالمانہ حرکت کو پسند نہیں کر سکتا۔ آجکل جو ہمارے ملک میں یہاں کی مصنوعات بھی اس قدر

گراں ہیں اگر اس گرانی میں حکومت کا ہاتھ بھی ہو تو یقیناً یہ بات عوام کی نفرت کا بہت ہی خطرناک ذریعہ مانی جائے گی گویا آج کل یعنی جنوری ۱۹۴۹ء میں جو حکومت موجودہ کے خلاف شدید ترین ہنگامے ہو رہے ہیں گویا خود حکومت ہی نے ان کا مواد پیدا کر دیا ہے۔ غلے کے متعلق تو آپ نے میرا نظریۂ تحقیق پہلے ہی ملاحظہ فرما لیا ہے۔ اب لیجیے وہ سر سے بڑے بڑے اشیائے صرف کے تاجر حضرات۔ ان کا نظریۂ تجارت بھی پبلک کی نفع رسانی نہیں ہوتا۔ بلکہ چند دنوں میں لکھ پتی اور کروڑ پتی بننے کی دھن ہوتی ہے اور کوٹھیاں اور بلڈنگوں کے عشق نے اُن کو بھی عشقِ پیچاں کی طرح بنانے میں پوری کوشش کی ہے۔ اکثر و بیشتر تاجر تھوڑے ہی دنوں میں صاحبانِ جائیداد بن جاتے ہیں۔ بُری اور ملاوٹ والی چیزیں بھی مارکیٹوں اور منڈیوں میں دولتمندی کی خاطر ہی نظر آتی ہیں۔ کیا یہ حکومت کے فرائض میں نہیں کہ وہ پبلک کی قوتِ خرید کے ساتھ اس کی قوتِ کارکردگی یعنی صحت کو برقرار رکھنے کی کوشش کرے؟ میاں مالدار اور دولت مند بن جانے کے نشے نے تو ملک کا ستیا ناس کر رکھا ہے۔ وہ لوگ جن کے ذریعہ سے نظام درست ہوتا ہے اکثر و بیشتر اسی نشے میں چور ہیں۔ ظاہر ہے کہ چند بڑے بڑے افسروں کے سوا تمام سرکاری ملازموں کی تنخواہیں اتنی نہیں ہوتیں کہ وہ اُن میں تمام اخراجات پورا کرنے کے بعد اس قدر پس انداز کر سکیں کہ جائیداد۔ موٹر اور دوسری ٹیم ٹام کی امیرانہ زیب و زینت والی چیزیں لے سکیں۔ ان کو مذکورہ

حضرات کی طرف سے مٹھیاں گرم کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہوتا۔ بلکہ میں نے سنا ہے کہ بعض افسران باقاعدہ ماہانہ نذرانہ مقرر کروا لیتے ہیں۔ اب آپ ذرا ایمانی نظر سے خود ہی فیصلہ فرمائیے کہ جب محتسب اور چوری سینہ زوری کو روکنے اور بند کرنے والے ہی اس میں حصہ دار ہوں تو ظلم و ستم کا کیا ٹھکانہ ہے؟ اور کیا ایسے نظامِ حکومت کو کوئی عقل مند بھی پسند کر سکتا ہے؟ اور پبلک ایسی حکومت سے عزت و احترام سے پیش آنے کے جذبات سے مزیّن ہوگی یا اس کی طرف سے نفرت اور دشمنی کے تقاضوں کے لیے مجبور ہوگی؟ اگر یہ کہا جائے کہ حکومت تو بہت کوشش کرتی ہے لیکن جرائم پیشہ اور بدکردار باز نہیں آتے تو پھر حکومت کس لیے ہے؟ اور جب خود حکومت ہی کے نوکر چاکر چوری۔ ڈاکہ اور دوسرے جرائم میں شریک ہوں تو پھر حکومت کو کیا کہا جائیگا؟ حکومت کوئی عورت دیوی یا دوسری جاندار چیز۔ تو نہیں ہوتی حکومت تو مجموعہ ہے انہیں حضرات کا جو حکومت کے قانون اور قاعدوں کی تعمیل کر کے اپنے فرائض ادا کریں اور پبلک سے ان قاعدوں کی پابندی کرائیں۔ حقیقت میں صدر ذی قدر سے لے کر ایک ادنیٰ سپاہی بلکہ چپراسی تک سب ہی حکومت کے اعضاء اور پرزے ہیں۔ اگر یہ حضرات ہی قانون شکنی اور لاقانونیت کے آلہ کار یا ذریعہ بن جائیں تو پھر یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ظالموں اور لٹیروں کی ایک منظم جماعت ہے جو لوٹتی کھسوٹتی ہے۔

خدائے تعالیٰ کی نافرمانی: یقیناً سخت ترین عذاب کا موجب ہوتی ہے۔ اور وہ عذاب بھی صرف آخرت ہی پر موقوف نہیں ہوتا کہ نافرمان لوگ بے فکر ہو جائیں اور کہیں کہ :۔

یاں تو آرام سے گزرتی ہے عاقبت کی خبر خدا جانے

بلکہ دنیا میں بھی عذاب آکر ہی رہتا ہے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ خدائے تعالیٰ کی لاٹھی میں ایسی آواز نہیں کہ بے سمجھ اور حقیقت سے محروم کے کان سن سکیں۔ آپ غور تو کیجئے کہ حرام خوری کے طریقوں سے اپنے اعمال کو گندہ کرنا اور دنیا والوں کی لعنت اور ملامت کے تیروں کا نشانہ بن جانا کچھ کم عذاب ہے؟ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے گلے اور پیٹ کاٹنے والے ملک میں تمام برائیوں اور بدکرداریوں کے پھیلانے پر ذلیل ترین مخلوق سمجھے جاتے ہیں۔ جس قوم کی روزی حلال نہیں ہے رات دن حرام غذاؤں سے پیٹ بھرتی ہو۔ اس میں یا اس کے کاموں میں پاکی اور نفاست کہاں سے آئے۔ دیکھ لیجئے کہ شراب خانوں۔ کلب گھروں میں ناچ رنگ کی محفلوں کی ہنگامہ آرائی۔ جوے اور رلیسوں کی ہماہمی۔ زناکاری۔ بے حیائی بے پردگی سینماؤں اور ناٹکوں کی شوراشوری۔ پھر ماڈرن چوریاں اور ڈاکے اور فریب کاریاں بھی حرام خوری ہی کے کرشمے ہیں۔ ایسی اکثر چیزیں جو قوم و ملک کی بربادی کا سبب ہیں یا تو اناپ شناپ نفعوں

یا رشوتوں کے زندہ کرتوت ہیں۔ جب آدمی یہ جانتا ہے کہ وہ نہیں تھا اور نہ رہے گا۔ خالی ہاتھ آیا تھا اور خالی ہاتھ ہی جائے گا تو پھر پیٹ کو دیدہ و دانستہ انگاروں سے کیوں بھرتا ہے۔ کیا یہ کوٹھیاں۔ محل دو محلے۔ اور سر بفلک عمارتیں اس کے کسی کام آئیں گی۔ جن کے لیے بناتا ہے کیا وہ کسی جسمانی تکلیف کو بھی اس سے دور کرنے پر قادر ہیں اور جب اللہ تعالیٰ اپنی نافرمانی کی وجہ سے اس پر لوگوں کی لعنت ملامت اور دشمنی اور عداوت کے طوفان بھیجتا ہے تو کوئی بھی اُن سے بچانے کی سکت رکھتا ہے۔ آپ نے فرعون اور شداد وغیرہ پرانے ظالموں اور دُنیا کو اپنے آبا کی ملکیت سمجھنے والے جابروں کے حالات تو تاریخوں میں پڑھے ہوں گے؟ لیکن اپنے کانوں سے موجودہ زمانہ میں بھی اُن کی سزایابیوں کے اشتہارات دیکھے ہوں گے۔ یہ بات بھی پرانے زمانے سے لوگوں کی زبانوں سے برابر سُنی جاتی ہے کہ نیکی کا بدلہ نیک ہے اور بدی کا بدلہ بد۔ پھر انسان جان بوجھ کر ایسی نیکی کیوں نہیں کرتا جس کی دنیا والوں میں بھی قدر ہو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے برگزیدہ انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کی ارواحِ مبارکہ کی خوشی کا بھی بہترین ذریعہ ہو۔ یعنی خدمتِ خلق اور ایسی ظاہرہ بدی سے اجتناب کیوں نہیں کرتا جس سے دُنیا والے بھی بُرا کہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور بندگانِ دین کی ارواحِ طیبات بھی لعنت کرتی ہیں۔ یعنی مخلوق پر ظلم و ستم اپنے

فرائض پورے نہ کرنے اور رشوت لینے والوں کو کوئی آدمی بھی اچھا نہیں کہتا اور اگر کوئی اچھا کہتا بھی ہے تو وہ اپنی بدطینتی اور مردہ ضمیری کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے۔ اسی طرح جو صرف مال و دولت سمیٹنے کی خاطر ملوں فیکٹریوں یا بڑی بڑی تجارتوں اور کاروبار میں لگا رہتا اور ملک والوں کی پریشانی اور تکلیف کا ذریعہ بنتا ہے۔ تجارت اور کاروبار لین دین۔ ناپ تول اور دوسرے معاملات کے طریقوں میں غداری خیانت اور فریب کاری کی آمیزش بھی بدترین جرم اور معاشرہ کو تباہ کرنے کے کام ہیں۔ جن کی سزا دونوں جہان میں ملتی ہے۔ ان تمام برائیوں اور خرابیوں کی بنیاد حکومت کے تغافل و تجاہلِ عارفانہ سے پڑتی ہے اور پھر ملک والوں کی زبان پر ایسے جملے بھی رواں دواں ہونے لگتے ہیں کہ حلال کی روزی ملنی محال ہے۔ جب تک حرام نہ کھائے زندہ نہیں رہ سکتا۔ پھر ایسے کہنے بلکہ عقیدۂ فاسد رکھنے والے اُس ملک میں بھی موجود ہوں جس کی بنیاد ہی اللہ تعالیٰ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت اور فرماں برداری پر رکھی گئی ہو اور جس کو پاکستان بھی کہا جاتا ہو!!

خود غرضی کی کچھ انتہا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق اور انسانوں کو پیدا فرمایا۔ انسان کو چونکہ اللہ تعالیٰ کی خلافت سے مشرف فرمایا گیا اس لیے تمام روئے زمین اور اس کی چیزیں اس کے برتنے اور کام میں لانے کے لیے

ہیں - حیوانات - جمادات - نباتات اور جتنی زمینی آسمانی چیزیں اور نعمتیں ہیں تمام انسانوں کے فائدوں کے لیے پیدا کی گئی ہیں - اور ان سب کا حقیقی مالک صرف خدائے تعالیٰ ہی ہے - ان پر کسی کا ایسا قبضہ کرنا جائز نہیں کہ جس کو چاہے دے اور جس کو چاہے نہ دے - اللہ تعالیٰ نے حکومتیں تو اس لیے قائم فرمائی ہیں کہ ملک کا ہر رہنے والا ملکی پیداوار یا ذرائع پیداوار سے بلا روک ٹوک فائدے حاصل کر سکے - میں اپنے بچپن میں کچھ عرصہ ریاست رامپور کے دیہات میں بھی رہا - میں نے دیکھا کہ اکثر باغات بالکل آزاد تھے یعنی جو آدمی چاہتا ان سے پھل اور سوکھی لکڑیاں ضرورت کے وقت چھال اور پتے بھی لے لیتا اور کام نکالتا - سڑکوں پر جو پھل دار درخت ہوتے تھے اُن سے بھی ہر مسافر حسب منشا کھاتا پیتا تھا - کبھی بھی بخیل سے بخیل گاؤں والے یا جن کی زمینوں میں سڑکیں اور ان کے پھل دار درخت تھے ان کی بہار نہیں بیچتے تھے - اور بنگال اور بہار بلکہ بعض جگہ بلوچستان میں بھی میں نے سڑکوں پر درختوں کا یہی حال دیکھا - اور ان ملکوں میں شریفے - امرود - ناشپاتی اور آم جامن وغیرہ کے درخت بلکہ باغ بھی نظر آئے جن میں کوئی رکھوالا یا کسی کو منع کرنے والا نہ تھا تالاب اور نہریں ہمیشہ فری تھیں یعنی جس کا جی چاہتا مچھلی - جھینگے اور دوسری آبی چیزیں پکڑ کر استعمال کرتا - بلکہ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ برطانیہ کے زمانہ میں بھی ہر شہر اور قصبہ کے تالابوں - نہروں اور دریاؤں پر

شکار کھیلنے کی آزادی تھی اسی طرح بنگال آسام سلہٹ گوڑی پائی گوڑی بلکہ تمام اطراف ہند میں جنگل اور جنگلوں میں جانوروں کے شکار پر کسی قسم کا محصول یا ٹیکس نہ تھا۔ میں نے انڈیا کے اکثر صوبے۔ علاقے صحرائی اور میدانی دیکھے ہیں کسی قسم کے انتفاع سے رکاوٹ نہیں پائی مگر یہ ملک پاکستان جو قرآن و سنت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے وجود میں آیا یہ خدائے تعالیٰ کے تصرف سے نکال کر حکام وقت نے اپنے آباؤ اجداد کی میراث سمجھ کر ہر طرح کی بندشیں لگا دی ہیں۔ برساتی پانی خدائے تعالیٰ کا جانور جنگلی چوپائے پرندے چرندے درندے سب اور خودرو نباتات بھی اسی کی ہے پھر کسی کو کیا حق ہے کہ اس کے بندوں کو ان سے روکے؟ کیا قرآن حکیم میں آپ نے خدائے تعالیٰ کا یہ ارشاد واجب الانقیاد نہیں پڑھا۔ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ پ۱ رکوع ۲ سورۂ بقرہ۔ یعنی اے انسانو تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا ہے۔ اور ان کو بھی جو تم سے پہلے تھے۔ تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ اس آیۂ کریمہ میں تمام انسانوں کو عبادت کا حکم دیا گیا ہے۔ اور فرمایا اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ ج فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰہِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ پارہ ۱ رکوع

مذکور ہے یعنی اے انسانوں اپنی عبادت کا حکم وہ اللہ تعالیٰ دیتا ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا ہے اور آسمان کو تمہاری چھت بنایا ہے۔ (زمین تمہارے رہنے سہنے تصرف کے لیے نیچے ہے اور آسمان تم کو ڈھانکنے اور سایہ کرنے والی چھت کی طرح ہے) اور آسمان سے پانی برسایا ہے۔ پھر اس پانی کے ذریعے پھل بنائے تمہاری خوراک کے لیے۔ پھر تو تم کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ بناؤ حالانکہ حقیقت کو جانتے ہو کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ جب تمام خشکی اور تری کی چیزیں اسی خالق و مالک کل کی ہیں تو پھر کسی کو ان کے بیچنے اور صرف اپنی ذات کے لیے مخصوص کرنے کا کیا حق ہے؟
ہاں یہ تو ضروری ہے کہ ہر ملک میں جو چیزیں ہیں وہ ملک والوں کے لیے ہیں۔ غیر ملکی اگر ان میں تصرف کرنا چاہیں تو ملک والوں سے اجازت لینی ضروری ہے اور اگر کسی نے کسی سے کوئی چیز خریدی ہے یا کسی نے اپنی محنت و مشقت سے بنائی اور تیار کی ہے تو وہ بیچ سکتا ہے۔

آبادکاری کا معاملہ: سب کو معلوم ہے کہ تقسیم ملک یعنی پاکستان بنتے وقت اکثر وہ لوگ جنہوں نے پاکستان کے بنانے میں بڑی بڑی قربانیاں دی تھیں بہت سی جانوں اور سرمایۂ حیات مال و متاع سے محروم ہو کر خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم سے پاکستان میں آ گئے تھے اور یہاں سے جو غیر مسلمین چلے گئے

تھے انہوں نے بعض کی موجودگی ہی میں ان کی املاک جائیدادوں زمینوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ بہت سے بھائی بہنوں کے پاس ستر پوشی کے لیے کپڑے بھی نہیں تھے۔ اور نہ سر چھپانے کے لیے کوئی جگہ تھی۔ خدا بھلا کرے انصار یعنی مغربی یا مشرقی پاکستان کے مقامی باشندوں کا کہ انہوں نے بڑی فراخ دلی سے اپنے مجبور بھائی بہنوں کی مدد کی اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس وقت لاہور اور بعض دوسرے شہروں میں مسلمان حکام۔ کمشنر اور ڈپٹی کمشنر بھی ایسے ہمدردِ قوم اور دین دار تھے کہ ہر ممکن طریق سے لٹے پٹے مہاجروں کی مدد کرتے رہے۔ خیر خدا خدا کر کے وہ ہنگامی مصیبتیں ختم ہوئیں اور مہاجروں کو بعض مقامات پر تو حکومت کی طرف سے بسانے میں مدد کی گئی۔ اور بعض نے غیر مسلموں کی متروکہ جائیداد اور املاک پر قبضہ کر لیا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تو فرض تھا کہ حکومت خود متروکہ املاک اور مکانوں۔ جائیدادوں۔ زمینوں کو مہاجرین میں اس طرح تقسیم کرتی کہ ہر آدمی اپنے پیشہ اور کاروبار کے مطابق اطمینان کی قابل مکان دوکان زمین جائیداد لے کر اطمینان سے زندگی بسر کرتا اور پاکستان بننے سے پہلے تمام مہاجرین کو یہی امید تھی۔ لیکن ہمارے حاکموں نے سب مہاجرین کی امیدوں کے خلاف اور قرآن و حدیث کے احکام کو ٹھکرا کر حرص و ہوا کے دروازے کھول دئے اور مہاجرین پر جبر و تشدد کے نئے باب کا افتتاح کر ڈالا کہ جو لوگ جن مکانوں یا دوکانوں پر

قابض ہو چکے تھے۔ اُن سے چھیننا شروع کر دیا۔ یا رشوتیں لے لے کر ظالم مالداروں کو اُن کے پردہ دار اہل و عیال کے احتجاج کے باوجود ان میں داخل کر دیا جن کی وجہ سے لاکھوں شریفوں کی زندگیاں چوبیس گھنٹے آفت و مصیبت کا شکار رہتی ہیں، چونکہ جن ظالموں نے حاکموں خصوصاً پولیس کو رشوتیں دے کر کسی شریف کے مکان میں ڈیرا جما لیا ہے۔ وہ رات دن اُن کے نکالنے کی ایسی کوشش کرتے ہیں۔ جب سے ان بیچاروں کی زندگی موت سے بھی بدرجہا بدتر ہو گئی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ وہ ظلم و ستم ہے۔ کہ ہم نے کبھی کافر اور مشرکوں سے بھی نہیں سنا تھا۔ پھر اکثر ایسے مالدار مقامی اور مہاجر بھی ظلم و ستم پر کمربستہ ہو گئے جن کو رہنے اور کاروبار کے لئے مقامات اور مناسب مواقع حاصل تھے۔ انہوں نے رشوتوں اور جھوٹے کلیموں کے ذریعے غریبوں اور مجبوروں کی دکانوں مکانوں پر قبضے جما کر ان کو نکال باہر کیا۔ اور کئی غریب ابھی تک ان کے ظلم و ستم کے شکنجے میں کسے جا رہے ہیں۔ کہ رٹیں اور مقدموں کے چکر میں گرفتار ہیں۔ اِدھر مجسٹریٹوں اور ججوں کا یہ تساہل ہے کہ برسوں سے اُن کے فیصلے بھی نہیں کئے۔ جس کی وجہ سے غریب رات دن اُن مارہائے آستین کی پھنکاروں سے خطرات خوف و ہراس سے سہمے پڑے ہیں۔ اور تو اور بعض مسلم لیگ کے ٹکٹوں پر اسمبلی کی ممبری اور کلیدی اسامیوں پر رہ کر

بھی حرص و طمع کے خدمات سے بڑی بڑی جائیدادوں کے مالک ہوتے ہوئے بھی بس نہیں کرتے۔ غرض یہ ہے کہ بہت سے مہاجرین کے پاس بھارت میں چھوڑی ہوئی املاک کی فہرست یا مکانوں جائیدادوں کے ملکیت نامے نہیں تھے وہ پریشان ہیں۔ اور بولیس سے مل کر جعلی بیع نامے اور کاغذات کے ذریعے بہت کچھ لے لوا لیا ہے۔

زمینوں کا شرعی مسئلہ : یہ تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم اور حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معلّمِ قرآن کے ذریعے سے زندگی اور موت کے تمام مسائل کا بہترین حل فرما دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آنحضرت اور دوسرے مسلمانوں کو مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لانے کا موقع ملا۔ آپ کو معلوم ہے کہ مدینہ والے انصار نے اُن مہاجروں کو اپنی زمینوں جائیدادوں میں برابر کا شریک بنا کر اُن کی حوصلہ افزائی کی اور اپنی اخوتِ اسلامی کا ایسا ثبوت دیا جس کو دُنیا کے مورخین فخر کے ساتھ لکھتے رہیں گے۔ انصار نے اپنے ایثار و کرم کا یہاں تک ثبوت دیا کہ بہت سوں نے اپنی بیویوں کو طلاق دے کر عدت کے بعد اُن مہاجرین کے عقدِ نکاح میں دے دیا جو بیویوں سے محروم تھے۔ اور جو زمینیں اور مکانات خالی تھے۔ وہ بغیر کسی معاوضہ کے

مہاجرین کے قبضۂ مالکانہ میں دے دیئے۔ جب مدینہ کے یہود چلے گئے تو اُن کی زمینیں اور مکانات۔ دکانیں ضرورت مند مسلمانوں کو دے دی گئیں۔ اگرچہ حضور نے فرمایا تھا کہ اہلِ مدینہ انصار میں سے کسی کو متروکہ یہود کی کسی چیز کی ضرورت ہو تو وہ بھی لے سکتا ہے۔ لیکن انصار کی خودداری اور اخوت نے یہ گوارہ نہ کیا اور اکثر متروکاتِ یہود مہاجرین ہی کے پاس رہیں۔ حالانکہ مدینہ سے جانے والے یہود کو خلفائے کرام نے بیت المال سے ان کے معاوضات پہلے سے کے پیشے عطا فرما دیئے تھے۔ اور کسی یہودی کو شکایات کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ چونکہ اُن کو تو مدینہ سے ان کی شرارت اور مسلمانوں کے خلاف جدوجہد کی پاداش میں نکالا گیا تھا۔ لیکن بعض یہودی جو اپنی شقاوت اور قتل و غارت کی سزا کے خوف سے جائیدادیا مکانات چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ ان کے متعلق خلیفہ نے یہ فرمایا تھا۔ کہ یہ متروکہ چیزیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ہیں۔ اور ہر ضرورت مند کے لئے ہیں۔ چنانچہ جن مسلمانوں نے اپنی ضرورت کی لائق چیزیں قبضے میں کر لیں۔ وہ انہیں کی ملکیت بانی گئیں۔ اور ان سے اُن کا کچھ معاوضہ بھی نہیں لیا گیا۔ اور یہ دستور بنادیا کہ جو چیز جس کے قبضے میں آ چکی وہ اُسی کی ہے۔ اور اس کو کوئی شخص اس کے قبضہ سے نکال لینے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ لیکن پاکستان میں اس مبارک فیصلے کے بالکل خلاف

مہاجرین سے اُن کی وہ املاک اَور ضروری چیزیں جن پر وہ قابض تھے ان کو بلا معاوضہ نہیں دی گئیں۔ اَور جو معاوضہ نہیں دے سکے۔ اُن کو بے دخل کیا گیا اَور بہت سے کسانوں کے ساتھ ابھی تک ایسا ہی ہو رہا ہے۔ اَور کاشت کی زمینیں نیلام کی جا رہی ہیں

زمین کے تفصیلی احکام:

خدائے تعالیٰ کے فضل سے اس کے احکام جاری کرنے کرانے اَور ان کے سہل ترین طریقے بیان کرنے کے لئے بھی علماء ہمیشہ موجود رہے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ اپنی جامع و مانع کتاب حجۃ اللہ البالغہ کے صفحہ ۱۳ پر فرماتے ہیں جس کا ترجمہ اختصار کے لئے اُردو میں کیا جاتا ہے۔ اَور چونکہ انسان مدنی الطبع ہے۔ کہ ان کی روزی بغیر باہمی تعاون کے قائم نہیں ہوتی۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعاون کے واجب ہونے کا حُکم نازل ہوا۔ کہ اُن میں سے کوئی شخص اُس چیز سے جس کو تمدن (اجتماعی زندگی) میں دخل ہے۔ بغیر حاجت ضروری کے خالی نہ رہے۔ اَور نیز اصلی ذریعۂ اموال مباحہ (خدا کی طرف سے جائز کئے ہوئے) کو قبضہ میں کرنا یا اموالِ مباحہ کی مدد سے اپنی مخصوص چیز سے نفع حاصل کرنا جیسے چرا کر مویشی کی نسل کو بڑھانا اَور زمین کی اصلاح کر کے اور پانی دے کر کھیتی کرنا اَور اس میں یہ شرط ہے کہ کوئی شخص کسی پر تنگی نہ کرے۔

جس سے تمدن میں فساد لازم آئے۔ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے بے آباد زمین کو آباد کیا وہ اسی کی ہے۔ اور پھر شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ میں کہتا ہوں اس (معاملہ) میں اصل وہ بات ہے جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں۔ کہ سب اللہ تعالی کا مال ہے۔ اور درحقیقت اس میں کسی کا حق نہیں۔ لیکن جب اللہ تعالے نے زمین اور زمین کی چیزوں سے نفع حاصل کرنے کو مباح کیا۔ تو باہم جھگڑا پیدا ہوا پس اس وقت یہ حکم ہوا کہ جس نے کسی کو بلا ضرر پہنچائے۔ کسی چیز پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس چیز میں کوئی تعرض (مخالفت) نہ کرے۔ پس بنجر زمین جو نہ شہر میں ہے۔ اور نہ شہر کے آس پاس ہے۔ پس جو شخص اس کو آباد کرے گا۔ تو بغیر کسی کو ضرر پہنچانے کے سب سے پیشتر وہ اس پر قابض ہوا۔ پس اس کا حکم یہ ہے۔ کہ کوئی شخص اس سے اس زمین کو نہ چھینے۔ اور تمام زمین درحقیقت بمنزلہ مسجد یا سرائے کے ہے۔ جو مسافروں کے لئے وقف ہے۔ (مسجد سب کی نماز وعبادت اور سرائے آرام اور قیام کے لئے) اور وہ سب اس میں شریک ہیں۔ پس جو پہلے سے ہے وہی زیادہ حقدار ہے۔ اور آدمی کے حق میں ملک کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے کی بہ نسبت وہ نفع حاصل کرنے کا زیادہ حقدار ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ تمام زمین اللہ تعالی اور اس کے رسول کی

ہے پھر وہ میری طرف سے تمہارے (مسلمانوں) کے لئے ہے۔

عادی زمین:۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغہ کے ص۱۳۱ جلد ۲ میں فرماتے ہیں کہ عادی زمین اُس زمین کو کہتے ہیں جسکے باشندے ہلاک ہو گئے ہوں۔ اور اب کوئی مدعی اور مخاصم (مخالف) نہ ہو۔ کہ اب [illegible] ش کے پیشتر قبضہ کے ساتھ دعویٰ کرنے والا باقی نہ رہا ہو۔ پس جو زمینیں ایسی ہیں۔ اُن سے بنی آدم (انسانوں) کی ملکیت ختم ہو گئی وہ بالکل اللہ تعالیٰ کی ملک ہو گئیں۔ اور اُن کا حکم اس زمین کا سا ہے۔ جو کبھی آباد نہیں ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ بجز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے چراگاہ کسی کی نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ چراگاہیں وہاں کے رہنے والوں کے لئے آزاد ہیں۔ شاہ صاحب پھر فرماتے ہیں۔ کہ میں کہتا ہوں کہ گھاس کے رکھانے (رکھوالی کرنے میں) لوگوں پر تنگی اُن پر ظلم اور ضرر رسانی ہے۔ اس لئے آپؐ نے اس سے منع فرمایا اور بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مَنْ عَمَرَ اَرْضًا لَیْسَتْ لِاَحَدٍ فَھُوَ اَحَقُّ اور حضرت عروہؓ نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں اسی پر حکم دیا۔ فیصلہ کیا۔ (مشکوٰۃ ص۲۵۹ مجتبائی) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وسلم یَقُوْلُ لَاحِمٰی اِلَّا اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (بخاری مشکوٰۃ صـ۲۵۹) میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے سنا کہ چراگاہ اللہ تعالیٰ اس کے رسولؐ کے لئے ہے یعنی عام چراگاہوں سے کسی کو روکا نہیں جائے گا۔ اور ترمذی اور مسند احمد حنبل میں حضور اکرمؐ کا یہ ارشادِ گرامی بھی ہے۔ مَنْ اَحْیَا اَرْضًا مَیْتَۃً فَھِیَ لَہٗ۔ ترجمہ اس کا بھی وہی ہے۔ کہ جس آدمی نے کسی زمین غیر کاشت میں کھیتی کی وہ زمین اس کی ملک ہو گئی۔ اور تحقیق اراضی نامی کتاب صـ۵۳ پر حضرت جلال الدین تھانیسری صاحب رحمت اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث ہے کہ جس نے کسی زمین کو قابل کاشت بنا دیا ہے۔ وہ اسی کی ہو گئی۔ نیز اس لئے بھی یہ کاشتکار کی ملکیت میں آجائے گی۔ کہ یہ مال مباح ہے جس کو اس نے آگے بڑھ کر اپنے ہاتھ میں لیا جیسا کہ خشک لکڑی اور شکار کے بارے میں فقہا کا فیصلہ ہے۔ ہاں حضرت امام ابو حنیفہ نے یہ بھی فرمایا ہے۔ کہ اگر مسلمانوں کا امام ہو۔ تو اس سے اجازت بھی لینی چاہیئے۔ چونکہ ایک حدیث میں حضور اکرمؐ نے ایسا بھی فرمایا ہے۔ اور اسی کتاب کے صـ۶۲ پر فرماتے ہیں۔ کہ جس نے کسی بنجر زمین کو قابل کاشت بنایا تو وہ زمین اسی محنت کرنے والے کی ملکیت ہو جائے گی۔ اور صاحبین یعنی امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں۔ کہ اسے کاشت کے قابل

بنانے والے کو منفعت اور رقبہ دونوں کا حق حاصل ہے۔ اور پھر لکھتے ہیں۔ کہ تار تار خانی (کتاب فقہ کا نام ہے) میں لکھا ہے کہ امام نے مردہ زمین کا کوئی حصہ کسی کو دیا۔ اس میں اس کی اجازت سے کاشت کی آیا وہ اس ضرورت مند کی ملکیت ہو جائے گی یا نہیں؟ تو کہا ہاں۔ حتیٰ کہ اگر ضرورت مند اس زمین کو بیچ دے تو اس کی خرید و فروخت بھی جائز ہوگی۔ کیونکہ وہ ضرورت مند اس کا مالک ہو گیا ہے۔ اور یہی صحیح بھی ہے۔ اور یہی مضمون مفتی محمد شفیع صاحب نے بھی اسلام کا نظام اراضی کتاب کے صـ ۱۶ پر لکھا ہے۔ اور مفتی صاحب نے بھی یہ سند پیش کی ہے۔ مَنْ اَحْیَا اَرْضًا مَیْتَۃً فَھِیَ لَہٗ۔ یعنی جو آدمی کسی بیکار افتادہ زمین کو آباد کرے وہ اس کا مالک ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ سے کسی آدمی نے بیکار یعنی غیر آباد زمین کی درخواست کی تو آپ نے گورنر ابو موسیٰ اشعری کو یہ حکم تحریر فرمایا۔ فَاِنْ لَمْ تَکُنْ اَرْضَ جِزْیَۃٍ وَلَا اَرْضًا یَجْرِیْ اِلَیْھَا مَاءٌ فَاَعْطِہَا اِیَّاہٗ (اموال ابو عبید صـ ۲۷۷) یعنی اگر وہ زمین ایسی نہ ہو جس پر جزیہ لیا جاتا ہو اور نہ ایسی ہو کہ اس کو پانی دیا جاتا ہو تو آپ اس کو دے دیجئے۔ اور مفتی صاحب نے تو یہاں تک بھی تحریر فرما دیا کہ اَرضِ موات جو بہ اذن امام آباد کرنے والے کی ملک ہو جاتی ہے۔ اس میں مذہب مختار اور ظاہر الروایات

یہی ہے کہ بستی سے قریب یا بعید دونوں (زمینوں) کا حکم یکساں ہے۔

معاملہ یہ ہے :- کہ پاکستان میں بہت سے مہاجرین بہت مجبوری کی حالت میں ... آئے۔ اور جن کو سر چھپانے کو کوئی جگہ نہیں مل سکی۔ تو انہوں نے متروکہ بیکار یا خالی جگہوں پر جھونپڑیاں ڈال دیں۔ اور بعض نے قریب کی زمینوں میں کاشت بھی شروع کر دی۔ اور حکومت کی طرف سے بھی ان کو روکا یا منع نہیں کیا گیا۔ اور یہ حکومت کی طرف سے آبادکاری میں تعاون ہی تھا۔ جب وہ لوگ چند ماہ یا سال وہاں رہ چکے اور بعض نے جھونپڑیاں یا تنبو بنانے میں بھی روپیہ پیسہ خرچ کر دیا۔ تو پھر حکومت کو جائز نہیں ہے۔ کہ ان کو متبادل جگہ دیئے بغیر وہاں سے بے دخل کر دے۔ ہاں اگر حکومت نے ان کی رہائش کے لئے کہیں مکانات بنا دیئے ہوں تو پھر اُن کو وہاں رہنا درست نہیں ہے۔ اگر وہ سرکاری مکانات کرایہ پر دیئے جاتے ہیں یا کچھ قسطوں کے ذریعہ لے کر اُن کا مالک بنا دینے کا انتظام ہے۔ تو ان مہاجروں کو وہاں چلا جانا چاہیئے۔ ہاں جن میں کرایہ دینے کی طاقت نہ ہو حکومت کو اُن کی برداشت کی قابل سلوک کرنا چاہیئے۔ جبکہ آباد کی ہوئی جگہ سے بغیر ہٹانا جائز نہیں ہے۔ اور جن لوگوں نے کیمپوں یا اپنی کوششوں سے اتنی جائیدادیں اور زمینیں قبضے میں کر لی ہیں، جو

اُن کی ضرورتِ زندگی سے زیادہ ہیں۔ ان کو لازم ہے کہ اپنے مجبور بھائیوں کی مدد کریں۔ اور ان کو زیادہ مکان یا زمین سے فائدہ اٹھانے دیں۔ یہ طریقہ اسلامی نہیں ہے۔ کہ ایک آدمی تو ضرورت سے زیادہ املاک پر قابض رہ کر مزے اڑاتے اور دوسرا مجبور بھائی ضرورتِ لازمہ سے بھی محروم رہے۔ مکانوں اور دکانوں اور کاشت کی زمینوں کی تقسیم بھی شرعاً وہی جائز ہے۔ جس سے عوام محروم نہ ہو سکیں۔ جو زمینیں یہاں غیر مسلمین چھوڑ کر گئے ہیں۔ بعض عالموں نے ان کو مالِ فے میں شمار کیا ہے۔ اور اس کو مالِ غنیمت میں شمار نہیں کیا۔ میں کہتا ہوں کہ پاکستان سے غیر مسلمین کا انخلار یعنی جانا دو طرح پر ہوا ہے۔ اسی طرح ہندوستان سے بھی جو مسلمان پاکستان میں آئے۔ ان کے آنے کے اسباب بھی یہی تھے مثلاً بعض خاص کر ملازمین حکومت تو اکثر ایک منصوبہ اور تبادلہ کے حیثیت سے آئے تھے۔ اور انہوں نے پاکستان آنے اور پاکستان سے بھارت جانے کے معاہدات پر اقرار کر لئے تھے۔ اور ان میں بعض حضرات نے شاید جائیداد ان کے تبادلے بھی باہم کر لئے تھے۔ لیکن اکثر حضرات تو ہندوستان کو اس وقت پاکستان سے بھاگے۔ جب مسلمانوں نے ان سے جہاد کیا۔ جہاد کے لئے یہ شرط کہیں بھی نہیں۔ کہ امام وقت باقاعدہ فوجوں کے ذریعے کفار سے جنگ و جدل کرے۔ اگر

اگر چند مسلمان اپنے دین ، جان مال یا آبرو کی حفاظت کے لئے کافروں سے لڑیں گے ۔ تو یہ بھی جہاد ہی ہوگا ۔ اور ان کافروں اور غیر مسلموں کی تمام متروکات مالِ غنیمت ہی مانی جائیں گی ، پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ کا نکال کر باقی تمام متروک منقول اور غیر منقول چیزیں ۔ مجاہدوں پر تقسیم کی جائیں گی ۔ اور ہر مجاہد کو جو کچھ اس کی ضرورت کی لائق زیر تصرف ہوگا ۔ وہ اسی کا ہوگا ۔ کیا پاکستان کی تعمیر اور وجود میں آنے کے لئے مسلمانانِ ہند نے جہاد نہیں کیا تھا ؟ جب ہر امیر غریب صاحب جائیداد اور غیر مالک جائیداد نے پاکستان حاصل کرنے کے لئے جانی مالی ۔ جہاد کیا تو پھر کیا وجہ ہے کہ پاکستان میں اس کو بالکل محروم کر دیا جائے نہ تو کسی زمین کا قبضہ اس کو دیا جائے ، اور نہ منقولہ چیزوں میں سے اس کو کچھ ملے ۔ اور بعض مہاجروں نے تو غیر مسلموں کو نکال کر ان کے مکانوں اور املاک پر قبضہ کیا تھا ۔ ان کو کم از کم آرام سے رہنے کی جگہ اور برتنے کے لئے ضروری چیزیں ملنی چاہیئے تھیں ۔ بہت سے غریب مزدور اور کم آمدن والے یا وہ حضرات جو مسلمانوں کو متحد کرنے اور پاکستانی نظریات کی اشاعت و تبلیغ کی مصروفیت کی وجہ سے ہندوستان میں زمین جائیداد اور زیادہ مال و متاع جمع نہیں کر سکے تھے ۔ ان کو کم از کم رہنے کے لئے مکان اور گزارہ

کے لئے کچھ معقول سہارا ملنا چاہیئے تھا۔ لیکن بہت ہی افسوس ہے۔ اس بدترین ظلم و ستم پر کہ بہت سے غریبوں، مفلسوں اور رشوتوں، سفارشوں سے محروموں کو میدانوں اور افتادہ جگہوں پر ٹاٹ چھپر یا پھونس کی جھونپڑیاں ڈال کر رہنا پڑا۔ اور کئی جگہوں پر وہ جھونپڑیاں بھی اجاڑ کر مہاجروں کو پریشان کیا گیا۔ اور محکمہ سیٹلمنٹ نے بھارت کی جائیدادوں کے کلیموں کی اور دوسری ایسی شرطیں لگا دیں جن کو بہت سے لوگ پورا نہیں کر سکتے تھے جن لوگوں کے مکانات ہندوستان میں تھے۔ اور ان کے تائے چچا یا ان کی اولاد اُن میں رہتی تھی۔ اور وہ پاکستان میں نہیں آ سکے۔ تو بتائیے کہ وہ بیچارے کلیم کہاں سے لائے۔ اگر بالفرض وہ کلیم کر بھی دیتے تو جو لوگ بھارت میں ہیں۔ کیا بھارتی حکومت ان کو چین سے بیٹھنے دیتی ہے۔ کسٹوڈین اور بہت سے محکمے ایسے بنا دیئے گئے۔ جن کے ذریعہ کروڑوں روپیہ ابھی تک خرچ ہو رہا ہے۔ اگر محکمے اپنے قبضے کی املاک متروکہ مجبور مہاجروں میں تقسیم کرنے کی کوشش کرتے تو بیت المال کا روپیہ اُن پر خرچ کرنا جائز ہوتا۔ مگر ان محکموں نے جھوٹے جعلی کلیموں، رشوتوں اور سفارشوں کے ذریعے مہاجرین اور مجاہدین کی حقوق کی چیزیں ایسے لوگوں میں بھی بڑی دریا دلی سے تقسیم کی ہیں۔ جو سرے سے پاکستان کے نظریہ اور اس کی جدوجہد کے بدترین مخالف تھے

اور مطالبۂ پاکستان کی مخالفت میں ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگاتے تھے۔ آج وہ پاکستان میں بڑی بڑی زمینوں مد قبول۔ مرلوں کارخانوں اور ملوں کے مالک بنے ہیں۔ کیا یہ کچھ کم ظلم ہے۔ کہ حقداروں کا حق اُن کو دے دیا جائے جن کو عقل و دانش اور شریعت کی رُو سے پاکستان میں رہنے کی اجازت بھی خطرہ سے خالی نہیں۔ مجھ کو حکومت پاکستان کے اُن اعلیٰ حکام اور افسران پر حیرت ہے۔ کہ انہوں نے متروکہ املاک منقولہ اور غیر منقولہ کو اپنے قبضہ تصرف میں لاکر اپنے مفاد ذاتیہ یا من گھڑت غیر معقول خود تراشیدہ ضابطوں کی آڑ لے کر غیر مستحقین کو پاکستان میں لیا یا اور اس قدر قوت دیدی ہے۔ کہ وہ پاکستان کو کمزور کرنے کی جد و جہد بہت آزادی سے کرتے رہتے ہیں۔ کیا کسی عقلمند حاکم نے کبھی یہ کوشش کی ہے۔ کہ جن لوگوں نے پاکستان بننے کی خاطر قربانیاں دی تھیں۔ ان کی بھی اشک شوئی کی جائے۔ بہت سے گٹ پٹ جاننے والوں اور سرمایہ داروں نے اتنی املاک اپنے قبضے میں کر لی ہیں۔ کہ جن میں سینکڑوں ضرورت مندوں کو آرام کا سانس نصیب ہو سکتا ہے۔ جھوٹے کلیموں کے ذریعے۔ رشوتوں اور ناجائز سازشوں کی بدولت جتنی املاک بھی غیر مستحقین کو دے دی ہیں۔ یقیناً دینے والوں سے اللہ تعالیٰ کے یہاں مواخذہ ہوگا۔ اور جن لوگوں نے لے لی ہیں۔ اُن پر تو

انشاء اللہ دنیا میں بھی حقداروں کی آہ و بکا سے کسی نہ کسی وقت عذاب ضرور آئے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں کہ وہ کسی مرد مومن کو پاکستان کا حکمران بنا دے اور وہ پھر خدا کے مجبور اور کمزور بندوں سے اُن کے حق سے محرومی اور مایوسی کو دُور کر دے۔ اور جو لوگ بالکل غیر مستحق ہوتے ہوئے بڑی بڑی جائیدادوں پر قابض ہو کر غریبوں کے خون چوس رہے ہیں۔ اُن کو بھی اس گناہ کبیرہ سے بچا دے۔ آپ کو معلوم ہے کہ کسی حقدار کو محروم کرنا۔ یا محروم کرنے میں مدد کرنا بھی بدترین ظلم اور کبیرہ گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ میرے بھائیوں کو ہر قسم کے گناہوں اور زیادتیوں سے بچنے کی عقل و سمجھ اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین

دنیا خواب و خیال ہے نہ آدمی اپنی زندگی بڑھانے پر قادر۔ اور نہ خدا کے عذاب سے بچنے پر۔ نہ کچھ لایا تھا۔ نہ لے کر جائے گا جو کھا پی لیا۔ یا خدا کے نام پر مجبوروں کی مدد۔ دین کے کاموں میں خرچ کر دیا۔ وہ تو اس کا ہے۔ باقی جو کچھ رہے گا۔ وہ اُن کا ہے۔ جن کو رات دن تمنائیں ہیں۔ اور جو مرنے کے بعد تیجہ۔ دسواں۔ چالیسواں بھی کرنے میں آداب سمجھتے ہیں۔ اور بعض تو دکھاوے کی خاطر ۔۔۔۔۔۔۔ مجھ کے قوم میں نام آوری چاہتے ہیں۔ اور میں نے خود بعض بڑے مالداروں کی اولاد کے منہ سے اپنے ماں باپ یا چچا کے متعلق یہ الفاظ سُنے ہیں۔ کہ میاں یہ بوڑھا مرتے

کا نام نہیں لیتا۔ خزانہ پر سانپ کی طرح بیٹھا پھنکا لیے مار رہا ہے۔ کئی بیٹوں نے تو زمین جائیداد لینے کی خاطر اپنے ماں باپ کو بھی موت کے حوالے کرنے میں دریغ نہیں کیا۔ کیا کوئی عقلمند ایسی دولت اور جائیدادیں پسند کرے گا۔ جس کی وجہ سے لوگ اس کی موت کی تمنائیں وظیفہ تک پڑھنے لگیں۔ اور آپ کے لاہور میں ایسے حضرات کی بھی میں آپ کو زیارت کرا سکتا ہوں۔ جنہوں نے مال کی خاطر ماں باپ کو حوالات بلکہ جیل میں ڈلوا دیا۔ ہائے ہائے اس خدائے رحیم و کریم کو ناراض کرنا جس نے ماں کے پیٹ سے لے کر قبر میں جانے تک دن رات اپنی بے مثال نعمتوں سے نوازا۔ اور پالا پوسا ہو۔ اس کو ناراض کر کے ان بے وفا اور خود غرضوں کے لئے دولت جمع کرنا جو ایک دکھ بھی دور کرنے پر قادر نہیں اور صرف اپنے مطلب اور غرض کے متوالے ہیں بلے انتہا نادانی ہے۔ ہاں اپنی اولاد اور بیوی کے حقوق ادا کرتے رہنا۔ اور مرنے کے بعد بھی ان کو کسی کے دست نگر ہونے سے بچانے کی غرض سے حلال مال یا زمین جائیداد وغیرہ چھوڑنا جائز ہے۔ بلکہ وہ لوگ بھی شرعاً برے ہیں۔ جو اپنی حاصل کی ہوئی پونجی سے خود مزے اڑا کر عدوم کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ اور اپنے ماں باپ بیوی بچوں اور متعلقین کا کچھ بھی خیال نہیں کرتے۔ اسلام نے خودداری کفایت شعاری اور تمام متعلقین کے حقوق ادا کرنے کی بڑی

سخت تاکید کی ہے۔ بلکہ حقوق العباد کے ادا کرنے کو نجات اور آخرت کے چھٹکارے کا ذمہ دار بتایا ہے۔ یہ تمام حدیثوں بلکہ آیات قرآنی سے ثابت ہے۔ کہ جو آدمی کسی کا حق مارتا یا کسی پر ظلم و ستم اور زیادتی کرتا ہے۔ اس کی کوئی عبادت بھی قبول نہیں ہوتی۔ اور اس کی روح آسمان کی طرف نہیں جاتی۔ بلکہ فرشتے اس کو سجّین یعنی جہنم کی حوالات کی طرف لے جاتے ہیں۔

زمینوں کا نیلام :- جو زمینیں قابل کاشت ہیں وہ تو تمام کاشت کاروں میں تقسیم ہوتی چاہئیں۔ اور جو بنجر اور کاشت کاری سے محروم ہیں۔ ان کی آبادی کے لئے اُن لوگوں کو دی جائیں۔ جو زراعت کرنی چاہتے ہیں۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ زمینیں پیداوار کا ذریعہ ہیں جو ملک ضروری اشیاء خصوصاً غلے کی فراوانی چاہتا ہے۔ اس کا فرض ہے کہ زمینوں کو قابل کاشت بنانے کی پوری جد و جہد کرتا رہے۔ اگر بعض زمینیں ایسی ہوں جن میں اجناس غلہ کے پیدا ہونے کا امکان نہ ہو۔ ان میں دوسری چیزیں بوئی یا لگائی جا سکتی ہیں۔ جو مختلف پھلوں، یا کار آمد اور حیوانوں کی خوراک کی چیزیں پیدا کر سکیں۔ میں کہتا ہوں کہ لکڑی پھولنی، یا انسانی تصرف اور تعمیرات کی چیزیں بھی

ملک کی آبادی کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ اور ادھر زمین بسا اوقات بھیڑ بکری اور دوسرے چوپایوں کی چراگاہ یا اُنکے بیٹھنے اور باڑوں کے کام بھی آتی ہیں جن سے کھاد حاصل کیا جا سکتا ہے۔ میری غرض صرف یہ ہے۔ کہ جب ملک میں زمین کو غریب کسانوں یا دوسرے پیشہ ور لوگوں کے فائدوں کے کاموں میں لایا جا سکتا ہے۔ وہاں زمینوں کا نیلام کر کے سرمایہ داروں کی ملکیت بنا دینا جائز نہیں ہے۔ بلکہ سب سے پہلے یہ کوشش کی جائے کہ زمین کے سخت ضرورت مندوں کو زمینیں اسطرح دیجائیں کہ نادار۔ اور کم حیثیت والے بھی ان سے فائدے حاصل کرتے رہیں۔ لاہور اور دوسرے شہروں کے اندر یا قرب وجوار میں زمینوں کی قیمتیں اتنی زیادہ کر دی گئی ہیں کہ وہاں کے غریب عوام ان سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتے اور بہت سی جگہوں سے تو زمیندار یا سرکار زمین زیادہ قیمت میں فروخت کرنے کے لئے پہلے سے آباد گاؤں کو وہاں سے نکال دیتے ہیں۔ جنکی وجہ سے ان کو سخت پریشانی کا سامنا ہوتا ہے۔ چونکہ زمینوں کا نیلام ہو تب بھی بڑے بڑے سرمایہ دار ہی خرید سکتے ہیں۔ اور اگر ویسی مروجہ قیمت پر لیں تب بھی غریب اور نادار مزدور یا پیشہ ور اور ملازمین نہیں لے سکتے۔ یہ مانا کہ حکومت نے کم آمدنی والوں کے لئے کہیں کہیں کوارٹر بنوا دیئے ہیں۔ لیکن سُنا ہے کہ کوارٹر بھی بڑی جدوجہد سے ملتے ہیں اور بعض ناداروں کو نہیں ملتے۔ قاعدہ تو یہ ہونا

چاہئیے کہ ہر چھوٹے بڑے خاندان کو ان کی ضرورت کی لائق جگہیں بلنی چاہئیں۔ اور کرایہ بھی ایسا مقرر کیا جائے کہ آسانی سے دیا جا سکے اور کسی پر ناقابل برداشت نہ ہو چونکہ ضروریات زندگی بہت گراں ہیں۔ ان سے پس انداز کرنا بعض کم آمدنی والوں کے لئے دشوار ہوتا ہے۔ اور جہاں تک ہو سکے حکومت ایسی زمینوں کے نیلام بھی نہ کرے جنکو آبادی یعنی سے گھروں کے بسانے کے کام میں لایا جانا ضروری ہو۔ یہ تو میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ کاشت کی وہ زمینیں جن پر کاشت کار محنت و مشقت سے کاشتکاری کر رہے ہیں یا جنکو قابل کاشت بنانے کے متمنی ہیں۔ ان کو بالکل نیلام نہ کیا جائے۔ بلکہ حکومت کو کوشش کرنی چاہئیے کہ جن لوگوں کے قبضے میں ایسی زمینیں ہیں۔ جن میں کاشت ہو سکتی ہے۔ مگر وہ ان میں کاشت کا ارادہ نہیں رکھتے وہ تمام زمینیں کاشت کاروں کو دیدی جائیں۔ آج کل ملک میں جلسے جلوسوں کے رواج کے دوران اخبار میں پڑھنا پڑا ہے۔ کہ ان کاشت کاروں نے بھی احتجاجی جلوس نکالے اور جلسے کئے ہیں۔ جنکی مقبوضہ زمینیں ان سے لیکر نیلام کر دی یا دوسرے سرمایہ داروں کو دیدی ہیں۔ یہ وہ مخرب ملک حرکت ہے جس سے کسان بد دل ہو کر فن زراعت سے نفرت کر سکتے ہیں اور جب کسان طرح میں زراعت میں ہمہ تن مصروف رہتے اور زیادہ سے زیادہ غلے کی پیداوار بڑھانے کے جذبات اور جو پہلے کارفرما نہ ہوں زراعت باقی

نہیں رہ سکتی۔ اب جبکہ بقول بعض زرعی اصلاحات کی برکت سے غلہ زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ تب بھی اس قدر گرانی ہے۔ اگر بہت سے کاشت کار کام چھوڑ دیں تو پھر ملک کا کیا حشر ہوگا؟ جس ملک کو اپنے بدترین دشمنوں کا خطرہ ہو اس کو کسی صورت سے بھی کاشت کاری کے معاملے میں تغافل سے کام نہیں لینا چاہئے۔ اگر پاکستانی خزانہ زیادہ روپیہ اور دولت کا متقاضی ہو تو اس کے لئے حکومت کا فرض ہے کہ فضول اور دور از کار اخراجات کو چھوڑ دے۔ مثلاً کئی محکمے جو اسلامی تقاضوں کی مخالفت اور ملک والوں کی نفرت کا ذریعہ ہیں۔ ان کو فوراً بند کر دینا چاہئے۔ یا تنخواہوں کا معیار ایسا مقرر کیا جائے کہ ملازمین حکومت کی ضروریات زندگی کا کفیل ہو سکے۔ یہ بات بھی اسلامی بلکہ انسانی نظام کے خلاف اور حرام خوری یعنی رشوت ستانی پر مجبور کرنے والی ہے کہ بعض ملازمین اپنے کنبے یعنی متعلقین میں ضروری سامان زندگی بھی مہیا کرنے سے قاصر ہوں۔

سرکاری واجبات

یہ تو ہر آدمی جانتا ہے۔ کہ حکومت کے چلانے اور قائم رکھنے کے لئے خزانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ چونکہ ملک کی حفاظت کرنے والی فوج شہریوں اور ملکیوں کی حفاظت جانی۔ مالی کے لئے پولیس اور لوگوں کے حقوق دلانے اور جبر و تشدد۔ بلکہ زبردستوں کے ظلم و ستم سے روکنے کے لئے عدالتوں اور کچہریوں۔ اور محلوں کی صفائی اور

قیام صحت کے لئے کارپوریشن - ہسپتالوں کا انتظام - اور آگ بجھانے اور دوسری آفات زمینی اور آسمانی سے بچانیکے لئے ایسے محکمے قائم ہیں - جو اپنی جانیں خطرہ میں ڈال کر بھی پبلک کے جان و مال کی حفاظت کرتے ہیں - آخر یہ سب لوگ جو ہمارے ملک کے ہر شعبہ میں اپنی خدمات سے فائدے پہنچاتے ہیں اور محکمہ تعلیم اور محکمہ صحت محکمہ ڈاک و تار اور ٹیلیفون بھی نہایت اہم خدمات انجام دیتے ہیں - ان کے سوا اور بھی کئی محکمہ ہیں جن کی جدوجہد سے ہماری ملکی صنعت وحرفت کے فائدے جاری ہیں یعنی اُن کی خون پسینہ کی محنت سے اپنی زندگی کی ضروریات بھی حاصل ہوتی ہیں - اور بعض کے بدلے میں دوسرے ملکوں سے مال یا اشیائے ضروری حاصل ہوتی ہیں ریل ہوائی جہاز یہ دونوں چیزیں بھی ہمارے لئے برآمد درآمد کے ذریعے ہیں ان کے بغیر اور ہماری زندگی کی ضروریات کیلئے آنا جانا اس قدر آسانی سے ممکن نہیں - یہ تمام محکمے ان آدمیوں کے طفیل ہی اپنے اپنے فرائض انجام دے سکتے ہیں - جو کھانے پینے سے زندہ رہ سکنے والے ہمارے بھائی ہیں ان میں اپنی جان فشانی اور انتہائی محنت سے دن رات لگے ہیں - آپ خود انصاف فرمائیے - ان بھائیوں کی ضرورتیں تو اسی رقم یا خزانہ سے پوری کیجاتی ہیں - جو آپ کے ٹیکس سے معرض وجود میں آتا ہے - اگر آپ اللہ تعالیٰ کی اس اہم ترین امانت کے ادا کرنے میں غفلت فرمائیں گے - تو نتیجہ خود آپ کے سامنے

ہے - آپ کی اور آپ کے ملک کی بقا اور استحکام ترقی کے وہ فرائض ہیں. جنکو انجام دینا - اور ان کے واجبات وہ امانتیں ہیں. جنکا مالکوں تک پہنچانا وہ ادائے حقوق العباد عبادت ہے - جس پر دوسری عبادات کی مقبولیت کا انحصار ہے - یہ تو آپ خود ہی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے قصور اور غلطیاں توبہ کرنے پر معاف فرما دیتا ہے - وہ بہت ہی بڑا غفور رحیم ہے - لیکن اگر انسانوں کے حقوق پورے نہیں کئے اور انکی اماتنوں میں خیانت کی تو اس کی معافی کی امید نہیں ہے - آپ کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے - اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ خَوَّانًا اَثِیْمًا ۲- نساء یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ اس آدمی سے محبت نہیں فرماتا جو خیانت جیسے گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو. یہ اللہ تعالیٰ نے قانون کلی یا قاعدہ کلیہ کے طور پر فرمایا ہے کہ ہم اس آدمی سے محبت اور پیار کا معاملہ ہی نہیں کرتے جو خیانت کا مجرم ہے - اس کلیہ قاعدہ ہی سے یہ پتہ چل گیا - کہ آدمی جتنے چاہے حج کرے - نمازیں پڑھے روزے رکھے - اور ہزارہ کے بجائے لاکھاں تسبیحیں بھی پڑھتا رہے - اور امانت میں خیانت بھی کرے تو پھر اللہ تعالیٰ کی محبت پیار اور شفقت سے محروم ہو جاتا ہے - دوسرے مقام پر فرمادیا ہے - اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا - یعنی یقیناً بے شک و شبہ اللہ تعالیٰ تم کو حکم

فرماتا ہے۔ جنکی بھی امانتیں تمہارے پاس ہوں۔ جن واجبات کا ادا کرنا تمہارے ذمہ ہو وہ ادا کرتے رہو۔ بھائیو یہ اُسی خدائے تعالیٰ کے ارشادات ہیں۔ جسکی محبت بلکہ عشق کو آپ تمام دنیا کی دولتوں سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ آپ میں لفضلہ تعالیٰ بہت سے بھائی بہن اسکی رضا جوئی کے لئے بہت سامان ومتاع بھی خرچ کرتے ہیں اور غالباً آپ میں سے اکثر اس کے حکم پر جان قربان کرنے میں بھی دریغ کرنے والے نہیں ہوں گے۔ پھر اس کی اصلی رضا خوشنودی کے بہترین بلکہ سنہری کام میں غفلت اور کنجوسی کو اپنے پاک ضمیر کی طرف کیوں آنے دیتے ہیں؟

یہ باتیں ایمان والوں کی نہیں ہوسکتیں

یہ تو آپ سب بھائی بہنیں اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہم سب کے دین دنیا کے کام جائز طریقے کی آمدنی ہی سے چلتے ہیں۔ آمدنی ہی کو اللہ تعالیٰ نے یہ برکت بخشی ہے۔ کہ اس کی مدد سے تمام گھر شہر اور ملک آباد ہیں۔ ہر قسم کے کاروبار آمدنی ہی کے لئے کئے جاتے ہیں۔ اور آمدنی کی خاطر ہی انسان اپنی زندگی کو ہر وقت کسی نہ کسی کام میں لگائے رکھتا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آمدنی کے اکثر ذریعوں میں حکومت کی امداد بھی شامل ہے۔ ملک کا انتظام۔ ملک والوں کی حفاظت اور

حفاظت اور آئکی آمد و رفت اور اطمینان کے اسباب بھی حکومت
کی نظرِ عنایت سے فراہم ہوتے ہیں۔ ملک میں بڑی بڑی تجارتیں
کارخانے فیکٹریاں اور وہ تمام ادارے جو آمدنی کرنے کے
آلات اوزار۔ مصنوعات یعنی انسانوں کے برتنے اور خرید
و فروخت کے ذریعے لوگوں کی حاجت روائی کرنے والی
تمام چیزیں حکومت کی مرہونِ منت ہیں۔ کہ حکومت کی وہ
طاقتیں اور منصوبے جب ہی کامیاب ہوتے ہیں کہ ان کے تقاضوں
کو پورا کیا جائے سب سے بڑا تقاضا آمدنی ہی ہے۔ حکومت
کو تمام کاموں کے لئے اس کے واجبات ادا کرتے رہنا حکومت
پر کوئی احسان نہیں بلکہ اپنی اور تمام ملک والوں کی حفاظت
ترقی استحکام خوشحالی اور فارغ البالی کی جدوجہد کا اہم
فریضہ ہے۔ جس آدمی میں اس فرض کی ادائیگی کا کامل جذبہ نہیں
یقیناً وہ بدترین خلائق ہے۔ چونکہ ہم جمادات۔ نباتات حیوانات
کو بھی ان جذبوں میں مست پاتے ہیں۔ بلکہ کائنات کی زمینی
ہوں یا آسمانی تمام چیزیں ہی اپنے خداداد فرائض ادا کرنے کے
لئے بیچین اور نہایت تندہی سے مصروف نظر آتی ہیں۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمان بردار

شرطِ انصاف نباشد کہ تو قربان نہ بری

میں اللہ تعالیٰ کے وہ فرامین۔ احکام پہلے لکھ چکا ہوں جن میں
اُسکے بندوں کے حقوق ادا کرنیکو ہی اُس نے اپنی محبت کا ذریعہ
ٹھہرایا ہے۔ میں ایمان سے کہتا ہوں کہ نماز۔ روزہ حج۔ زکوٰۃ
وغیرہ عبادات سے بھی دلوں دماغوں بلکہ خیالات کو پاک صاف
کرکے مخلوق کے حقوق کی ادائیگی اور اسکی حفاظت اور خدمات
کی لگن پیدا کرنا ہی مقصد اصلی ہے۔

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کم نہ تھے کرّوبیاں

علامہ حالی نے بھی بہت صحیح فرمایا ہے۔ ؎
خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا۔

میں نے یہ کیوں کہا؟ کہ ہمارے مسلمان کہلانے والے
بھائی ایسے بھی خیانت کے شکار
ہیں جو دیکھنے میں بڑے دیندار اور عبادت گزار ہیں۔ صرف
ایک ہی سرکاری محکمہ انکم ٹیکس کے بڑے معتبر دیانت دار
ملک کی ہمدردی اور رفاقت میں باعث صد افتخار ہیں نے فرمایا کہ
ہمارے انکم ٹیکس محکمہ کے حاکم اعلیٰ کی طرف سے یہ قانون صرف
آٹھ سال جاری ہے۔ کہ جس آدمی کی آمدنی پانچ سو ماہانہ یا چھ

ہزار سالانہ ہے اس سے بالکل بھی ٹیکس نہیں لیا جاتا۔ اس سے زیادہ آمدنی اور انکم والوں لیے ٹیکس مقرر ہے۔ مگر یہ بھی اس قدر آسان ہے۔ کہ امانت کے فرائض سے سبکدوش ہونے والے حضرات بخوشی خاطر ادا کر دیتے ہیں۔

اور عقیلی صاحب مدظلہ نے اپنی دین داری اور شرافت اختیاری سے غالباً کئی سال سے یہ اعلان بھی فرما دیا کہ جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے انکم ٹیکس دینے کے قابل کر دیا ہے۔ وہ اپنی جانب سے جو بھی حساب کر کے دین سے لیا جائے۔ یعنی ان پر اعتماد کر لیا جائے اور محکمہ کی طرف سے مزید تفتیش یا انکوائری کی ضرورت نہیں ہے۔ گویہ عقیلی صاحب نے قوم کے سرمایہ داروں میں جذبات ایمانی کو روشن کرنیکا نہایت مبارک پہلو نمایاں کر دیا ہے۔ اس میں عوام میں بھی امانت دیانت اور تقوی کے رجحانات پیدا ہو سکتے ہیں۔ چونکہ نوکر چاکر اور زیر دست حضرات اپنے بڑوں ہی سے اچھی بری عادتیں سیکھتے ہیں۔ لیکن مجھکو نہایت تفصیل سے معلوم ہوا ہے۔ کہ اس جذبۂ اخوت اور اعتماد باہمی کے باوجود بھی اکثر حضرات نے خدائے تعالیٰ پر بداعتمادی ہے اور عنفت علم وغیب دانی پر یقین نہیں رکھتے۔ یعنی لینے حسابات کے لئے دو دوہی کھاتے یا رجسٹر رکھتے ہیں۔ ایک تو وہ

ہوتا ہے جس میں خرید و فروخت کی اصلی صورت ہوتی ہے۔ اس میں آمدنی۔ انکم خدا کے فضل سے زیادہ ہوتی ہے۔ مگر وہ رجسٹرڈ جو دفتر کی واجب الادا قوم کے لئے ظاہر کیا یا اہل کاران انکم ٹیکس کو دکھایا جاتا ہے۔ اس میں آمدنی بہت کم تحریر کی جاتی ہے۔ لیکن خدا کے فضل سے ہمارے تمام محکموں میں کچھ لوگ اپنے فرائض کو صحیح طور پر ادا کر کے اپنی نمک حلالی کا ثبوت دینے والے بھی ضرور ہوتے ہیں۔ ہاں میری تحقیق میں محکمہ انکم ٹیکس میں حسن اتفاق سے ایسے حضرات زیادہ ہیں جو حکومت کے واجبات پورے کے پورے وصول کرنے میں اپنے ایمان کی حفاظت۔ اور انکم ٹیکس دینے والوں کو عذاب الٰہی سے بچانے اور مقبول الٰہی بنانے کے جذبات سے بھی سرشار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس سے زیادہ دیانت و تقویٰ کے قیام و استحکام کی طاقتیں عطا فرما کر پاکستان کی ترقی رکھے کیونکہ بد دیانت اور نا شناسان فرائض حکام سے حکومت بھی بدنام ہوتی ہے۔ اور بینک میں بھی خیانت اور بے ایمانی کے جرائم زیادہ ہو جاتے ہیں۔ میں نہایت وثوق سے یہ کہنے پہ مجبور ہوں۔ کہ حالکم موجودہ حکومت کی جدوجہد سے آمدنی میں یقیناً ترقی ہوئی ہے۔ اور یہ بات حکومت کے مخالف بھی اپنے اخباروں رسالوں بلکہ ان کتبوں پر نمایاں کرتے رہتے ہیں۔ جو مخالفانہ احتجاجی

جلوسوں میں شہر بشہر بلکہ کوچہ و بازار میں لئے پھرتے ہیں۔ کہ امیر
تو امیر تر ہوتے جا رہے ہیں۔ اور غریب غریب تر۔ یہ بھی سرمایہ
داران پاکستان کی بدنامی کے ڈھنڈورے سے کم نہیں ہے۔
کہ پاکستانی سرمایہ دار ایسے خود غرض اور بے حس ہیں۔ کہ ان
کے ملک کے لوگوں کے افلاس کی تو زیادتی پہ واویلا کیا جاتا ہے۔
اور ان کی دولت اور سرمایہ داری کی زیادتی کی شکایات اہل ملک
کی زبانوں پر آنے کے تقاضے کرتی ہے۔ حکومت تو صرف عوام
کے روزگار اور ہر ضروری چیز کی پیداوار کے لئے مفید
ذرائع کر سکتی ہے۔ یا اپنے ملازموں کی تنخواہوں میں اضافے
مگر جب حکومت کو ملک کے سرمایہ داروں سے پوری اور واجبی
رقوم بھی وصول نہ ہوں۔ بیچاری حکومت اتنی ترقی اور اضافے
کہاں سے کر سکتی ہے۔ جو ہونے چاہئیں۔ پھر حکومت اگر تنخواہوں
میں کچھ زیادتی بھی کرتی ہے۔ تو ہمارے ملک کے سرمایہ دار، بڑے
بڑے تاجر اور صنعت کار اشیائے ضروریہ کا استدر گراں کر دیتے
ہیں کہ وہ اضافہ ان کے مقابلے میں حقیر بلکہ نظروں سے
اوجھل ہو جاتا ہے۔ مجھ کو سخت افسوس ہے۔ ان پڑھے
لکھوں اور گھٹے بیٹھے جانے والوں پر جو ہر بری اور تکلیف
دہ حالت کا موجب حکومت کو ٹھہراتے ہیں۔ اور اپنی زرطلبی
اور نفع خوری کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ میں بلکہ

اور محب ملک و قوم کی حیثیت سے بے خوف خطر حکومت کی ایسی پالیسیوں کی ہمیشہ مذمت ہی کرتا رہتا ہوں۔ جو غلے یا دوسری چیزوں کی نایابی یا گرانی کا سبب بنکر پبلک کی مصیبت میں اضافہ کرتی ہیں۔ لیکن جہاں حکومت کے قانون کے خلاف سرمایہ دار یا ملک کی محبت کا دم بھرنے والے قوم کا بیڑا غرق کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہاں آنسو بھی بہاتا ہوں اور ان کی اصلاح کے لئے دعائیں بھی کرتا ہوں اور ان کی خدمت میں حاضر ہو کر تحریروں کے ذریعے انکو دیانت داری کی طرف راغب بھی کرتا ہوں۔ مگر میرا بھی یہ تجربہ ہے۔ کہ ہمارے اکثر سرمایہ دار مالدار اور بڑی بڑی آمدنی والے لوگ اپنی عیاشی اور فضول کھیل تماشوں۔ کلبوں اور نمائشی دعوتوں میں الّلے تلّلے روپیہ خرچ کرتے ہیں اور اپنے ملازموں اور خدمت گزاروں کو پیٹ بھر کھانے اور تن پوشی کے لئے زیادہ روپیہ خرچ نہیں کرتے ہیں۔ میں نے بعض سرمایہ داروں سے تو یہاں تک سنا ہے کہ اگر ہمارے کارخانے کے مزدوروں کی اور کوٹھی کے ملازموں کی گزر آرام سے ہونے لگے تو پھر اپنی ڈیوٹی بھی پوری نہیں کرتے اور نمک حرامی کا مظاہرہ کرتے ہیں جب تک یہ کم سرمایہ اور غریب فلاش رہتے ہیں۔ تو کام بھی پورا کرتے ہیں۔ اور تابعدار بنے رہتے ہیں۔ اگر واقعی ہمارے مزدور اور ملازم پیشوں کی ذہنیت ایسی

ایسی ہی گندی ہے۔ تو میں ضرور کہوں گا۔ کہ وہ خود ہی ذلت اور حقارت کے خوگر ہو کر اپنی اور اپنے بال بچوں کی مٹی پلید کرتے ہیں۔ اور پاکستان میں غربت و افلاس ہی کی تہ دی سے خوش ہیں۔ خدا ان کو حلال خور اور خود دار انسانوں کے زمرے میں شامل کر دے۔ آمین میں یہ کہے بغیر بھی نہیں رہ سکتا کہ ہمارے بہت سے بھائی دفتر والوں کو بھی رشوتوں کی طرف مائل کرتے ہیں۔ یعنی وہ اپنی جلد از جلد مطلب برآری کے لئے کم تنخواہ والے چپراسیوں یا کلرکوں کو روپیہ کی پیشکش کرتے۔ اور کہتے ہیں کہ آپ ہمارا یہ کام کر دیجئے ہم آپ کی خدمت میں اتنا روپیہ یا آپ کی مطلوبہ فلاں چیز حاضر کر دیں گے۔ کم تنخواہ والوں کو بھلا ایسے موقعوں کے چھوڑنے پر اللہ تعالیٰ کے خوف کے سوا کون سی چیز روک سکتی ہے۔ اب رہے بڑے بڑے تنخواہ دار بھی طماع اور لالچی یا فضول خرچ ہیں۔ وہ بھی ایسی دست غیب کو کیوں چھوڑیں۔ وہ بھی لینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اور اسی طرح اکثر محکموں کے اہل کار رشوت کی لعنت میں گرفتار ہیں اس جرم کی کثرت کا گناہ بھی اکثر و بیشتر انہیں حضرات کے نامۂ اعمال کی زینت بنتا ہے۔ جو اس کے محرک اور بانی ہیں۔ میں نے تو افسروں اور خصوصاً انکم ٹیکس کے افسروں سے سنا ہے کہ بعض سرمایہ دار اور ٹیکس دینے والے۔ تھوڑا بہت بگر واجبات سرکاری سے بہت کم روپیہ ملازمین دفتر کو دیکر

کافی زرِ پیہ غبن کر لیتے ہیں۔ ان ملازموں نے بھی کچھ ایسے طریقے ٹیکس دینے والوں سے سیکھ لئے ہیں کہ دفتر کے حساب کی خانہ پری بھی ہو جائے اور ٹیکس والے کو بھی خوشی ہو کہ اسکی مٹھی بھی گرم لا ہے۔ پھر زیادہ تعجب کی بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ جب سے ٹیکس ادا کرنے والوں پر حکومت نے اعتماد کیا ہے اور اس کے تجویز کردہ حسابات کو درست سمجھنے کا پہلو اختیار کیا ہے اس روز سے کسی بزرگ نے بھی پہلے سالوں سے زیادہ ٹیکس نہیں دیا۔ بلکہ اکثر و بیشتر حضرات نے اس سے کم ہی دیکر ٹلخایا ہے۔ جو حکومت کی انکواری پر دیا کرتے تھے۔ یہ بات بھی ایمان کے تقاضۂ دیانت داری کے خلاف اور بدترین جرم خیانت شعاری سے داغ دار ہونے کی ہے۔ یہ بات تو عوام بھی جانتے ہیں کہ کارخانے۔ مل۔ فیکٹریوں والوں اور بڑے بڑے تاجروں کی املاک منقولہ اور غیر منقولہ میں ترقی ہی نظر آتی ہے۔ غالباً وہ واجبات سرکاری کو روک کر اسکے روپے اور دولت سے اپنے لئے اسباب تفنیش فراہم کرنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ حالانکہ خدائے تعالیٰ کی لاٹھی میں آواز نہیں ہوتی ایسے ناجائز اور حرام مالوں کی ایسی ایسی بیماریاں اور آفات متبادل بنتی ہیں۔ جنکا نقصان ناقابل برداشت اور کبھی کبھی خاندانوں کی بربادی کا ذریعہ بھی بن جاتا ہے اور آخرت میں جو سزا ہوگی اسکا پورا علم تو خدائے تعالیٰ ہی کو ہے لیکن عذاب دردناک جسکو قرآن حکیم اور

ارشادات نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔ مسلمان کے نزدیک تو اس پر یقین کرنا ضروری ہے۔ یہ اسلامی تعلیم صرف موجودہ حکومت کے ہی واجبات کی ادائیگی کے لئے نہیں بلکہ ہر کس و ناکس کے حقوق اور واجبات ادا کرانے کیلئے ہے۔ اگر حکومت کسی مل فیکٹری، کارخانے یا کسی چھوٹے بڑے منصوبہ کے معاملہ میں قرض دار ہو تو اسکا بھی فرض ہے۔ کہ وہ جلد از جلد قرض ادا کرے۔ اسلام کا تو حکم یہ ہے کہ کسی کو اچھے اور پورے دام لیکر خراب اور بیکار چیز دینا حرام ہے۔ اسی طرح کسی چیز کی صحیح قیمت سے کم دینا بھی حرام ہے۔ حرام سب کے لئے حرام ہی ہے۔ اور اسی طرح جو چیز اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے حلال کی ہے۔ میں نے پہلے لکھدیا ہے، کہ جب حکومت ایسے طریقہ ظلم اختیار کرتی ہے۔ تو عوام میں بھی وہ لیل ہو جاتے ہیں۔ اور ایک دن ملک کی اکثریت کو لے ڈوبتے ہیں۔ ایک گر جو اسلام نے بخشش بہا فرمایا ہے۔ وہ نہایت ہی قابل قدر ہے۔ کہ جو چیز یا معاملہ تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے دوسروں کے لئے بھی اسکو برا سمجھو یہ کس قدر پیارا اصول ہے۔

ایک مضبوط حق تو میں نے ایک ہندو غریب عورت کا پہلے ذکر کر کے آپ کے سامنے پیش کر دیا کہ اس نے اپنے آموں کو کھٹا بتایا۔ جب میں نے اس سے کہا کہ تم اگر کھٹیں، کہ

بیٹھے ہیں تو دو چار سیر ضرور خرید لیتا تو اس نے جواب دیا تھا کہ میں آم بیچتی ہوں ایمان تو نہیں بیچتی۔ مگر دوسری مثال میرے محترم حضرت الحاج جناب محمد حیات صاحب مدظلہ نے بیان فرما کر میرے بیان میں اضافہ فرما دیا۔ فرمانے لگے جرمنی یا لندن میں کسی صاحب کی بچی کو کسی کیمرے کی خواہش ہوئی۔ وہ دونوں ایک صاحب کی دوکان پہ پہنچے اور قیمت دریافت کی تو دونوں باپ بیٹی نے اس کی قیمت کے ادا کرنے سے معذوری کا اظہار کیا۔ وہ دوکان دار صاحب بھی صاحب اولاد بچوں کا قدر دان دل زیب بیٹھے فرمائے ہوئے تھے کہنے لگے ذرا ٹھہر جائیے۔ یہ کہہ کر اندر سے ہو بہو ویسا ہی کیمرا لائے۔ جو غالباً انہوں نے ان زیادہ قیمتی کیمروں سے علیحدہ ہی رکھا تھا۔ اور بچی کو دکھایا بچی دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ مگر جی میں کہا کہ یہ تو بالکل نہیں چلیا ہے۔ اس کی قیمت کم کس طرح ہو سکتی ہے؟ جب دونوں باپ بیٹی دیکھ کر خوش ہوئے۔ تو تاجر صاحب نے کہا کہ یہ ۲۵ فی صدی کم قیمت پہ دیدیا جائے گا۔ چونکہ اس کو صرف ایک دن میری بچی نے استعمال کر لیا ہے۔

اس پر خریدار خوش ہو کر کیمرہ لے آئے۔ دوسری حکایت یوں ہے۔ کہ ایک صاحب کو پنیر کی ضرورت تھی وہ کسی دوکان پہ پہنچے اور طلب کیا تو دوکان دار نے کہا کہ جناب اس وقت

تو پنیر حاضر نہیں ہے۔ خریدار صاحب کے غور سے دیکھنے پر کئی ڈبے پنیر کے نظر آئے تو اعتمادی لہجہ میں کہا کہ کیا وہ پنیر نہیں ہے؟ دوکاندار وہ تینوں ڈبے نکال لایا اور کہا کہ یہ پنیر خراب ہے، پرانا ہے۔ میں آپ کو نہیں دے سکتا۔ یہ تو میں پنیر دینے والے کو بدل دوں گا۔ اگر وہ نہ آیا تو پھر ضائع کر دوں گا۔ یا کسی جانور وغیرہ کو کھلا دوں گا۔ مگر میں کسی کے ہاتھ اس کے استعمال کے لئے بیچنا گوارہ نہیں کر سکتا۔

اللہ اللہ یہ اسلامی اور شرعی نجات کے جلوے ان میں تو نظر آتے ہیں جن کو اعتقاداً ہم غیر مسلم کہا کہتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ ہمارے اکثر افراد کے معاملے اس کے بالکل خلاف ہیں۔ آپ میرے مسلمان کہلانے والے بھائیوں کا تو یہی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جاننا ایمان کی نشانی ہے۔ کیا جو آدمی اپنے خالق و مالک کو حاضر و ناظر اور اس کے کاتب دو فرشتوں کو اپنے ساتھ ہونے کا یقین رکھتا ہے۔ کیا وہ ایسا کر سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے تو یہاں تک فرما دیا ہے کہ نَحْنُ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ۔ میں تو اس وسوسے (اتفاقی) خیال کو بھی جانتا ہوں جو انسان کے خیال کی طرف سے گزر جاتا ہے۔ معاملات کی خرابی یقیناً ایمان سے محرومی کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔

اے میرے محترم بھائیو! کیا آپ نے قرآنِ مجید نہیں پڑھا؟ یا قرآن کے معلّم حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات اور معاملات نہیں سنے؟ میں سچ کہتا ہوں کہ ہمارے اسلاف اور بزرگانِ دین کے

اخلاق و معاملات اُن کی صداقت اور خشیتِ خداوندی ہی اسلام کی مقبولیت اور اشاعت و تبلیغ کا بہترین ذریعہ تھی۔ ان کو اسلام کی حقانیت اور فوقیت کے دلائل و براہین بیان کرنے کی ضرورت بہت ہی کم ہوتی تھی۔

اسلامی حکومتوں کی مقبولیت: کی سب سے بڑی وجہ اُن کا عدل وانصاف، رعایا پروری ہی رہتی تھی۔ مَیں نے کسی ہندو مورخ کی تاریخ میں پڑھا ہے اور علامہ ابنِ بطوطہ رح نے بھی لکھا ہے کہ ایک برہمن کے لڑکے نے قاضی صاحب کے یہاں درخواست کی کہ سُلطان محمد تغلق نے تعلیم کے زمانے میں ایک قمچی یا چھڑی سے مجھکو مارا تھا۔ لہٰذا میرا بدلہ دِلوایا جائے۔ اس پر اُس نے گواہ بھی پیش کر دیئے۔ چنانچہ قاضی نے سُلطان محمد تغلق کو عدالت میں طلب کر لیا۔ جب سُلطان الوقت عدالت میں تشریف لائے تو حاضرینِ عدالت قاضی صاحب کے سوا سب تعظیم کو اُٹھنے لگے۔ تو سُلطان نے قاضی صاحب سے کہا جناب اِس وقت مَیں مجرمانہ حیثیت سے حاضرِ دربار ہوں تعظیم و تکریم کا حقدار نہیں ہوں۔ آپ حکمِ شریعت کے مطابق فیصلہ فرمایئے لکھا ہے کہ چند حضرات نے مشورہ کے طور پر اس برہمن زادے سے بڑے بڑے انعامات کے وعدے کیئے۔ کہ قصاص کے بدلے قبول کر لے۔ تو اُس نے نہیں مانا اور ضد کی کہ مَیں تو اپنا بدلہ

ہی لینا چاہتا ہوں۔ تب محمد تغلق سلطانِ ہند نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اور اس لڑکے نے بھر پور دو بار بادشاہ کے قمچیاں ماریں کہ سلطان کے سر سے ٹوپی بھی نیچے گر گئی۔ اور خود اُٹھا کر سر پر رکھ لی۔ اور اُس لڑکے سے کہا کہ اب تو آپ خوش ہیں؟ وہ مُسکرا کر رہ گیا۔

یہ تھا ہمارے بادشاہوں کا عدل و انصاف۔ اور کیا آپ نے ایسے واقعات اپنے اسلاف کی تاریخ میں خود ملاحظہ نہیں فرمائے ہیں؟ یہی تو بات ہے کہ دنیا اُن کو یاد کر کے فخر کرتی ہے۔ اب رہیں حاسدین اور بندگانِ غرض کی ریشہ دوانیاں اور مخالفتیں۔ تو وہ تو برابر چلی ہی آتی ہیں۔ نا سمجھ لوگ تو خدائے تعالیٰ سے بھی بغاوتیں کرتے رہتے ہیں اور میں کہتا ہوں کہ کیا اُس مالکِ دو جہاں کے صریح احکامات کی نافرمانی، بغاوت سے کچھ کم ہے؟ جو قوم یا شخص خدائے تعالیٰ کی عمداً حکم عدولی اور قانون شکنی کرتا ہے حقیقت میں وہ بھی باغی اور لوگوں میں بغاوت کے جراثیم پھیلانے والا ہے۔ اس میں حاکم اور محکوم سب برابر ہیں۔ ہاں اگر حکام اور قوم کے بڑے بڑے لوگ خدائے تعالیٰ کے احکام سے سرتابی کرتے ہیں تو پھر اکثر ملکیوں پر اس کا اثر پڑتا ہے۔ کیا کہوں؟ آج ہمارے پاکستان کہلانے والے ملک کی حالت آپ کے سامنے ہے۔ کونسی قانون شکنی ہے جو پاکستان میں نہیں ہوتی؟ کیا شراب نوشی، جوئے، زناکاری، لوٹ کھسوٹ، رشوت ستانی، دھوکہ بازی، بے جا جبر و تشدد، امانت میں خیانت، گراں فروشی اور

خدائے تعالیٰ کے بندوں کے حقوق کو پامال کرنا، ناپ تول میں کمی کرنا۔ اور اپنی بُری چیزوں کو اچھا کہہ کر بیچنا، ڈاکہ زنی، چوری، کمزوروں پر تشدد اور لوگوں کے پیٹ کاٹ کے اپنے خزانے بھرنا، بے حیائی، بے پردگی، چغلی غیبت کرنا اور اپنے اقتدار یا منصبوں اور چند روزہ فائدوں کے لئے، دوسروں کو رسوا اور ذلیل کرنا۔ اور دوسروں کی املاک پر جبراً قبضہ کرنا۔ کسی کا قرض قوت ہونے ہوئے ادا نہ کرنا۔ دو بھائیوں یا میاں بیوی میں جدائی کرانا۔ ملک میں فتنہ و فساد پھیلانا لوگوں کی دوکانیں لوٹنا، اور کسی طرح بھی بے قصوروں کو مارنا پیٹنا۔ اور ملک کے رہنے والوں کے نقصانات کے طریقے جاری کرنا۔ لوگوں کو فتنہ و فساد پر آمادہ کرنا۔ اور اپنی حکومت اور ریاست قائم رکھنے یا کرنے کے لئے بندگانِ خدا پر ظلم و ستم کرنا وغیرہم کام۔ کیا اللہ تعالیٰ کی کھلی ہوئی نافرمانیاں نہیں ہیں؟ پھر اس سے بھی زیادہ بغاوت اللہ تعالیٰ کے حراموں کو حلال اور اس کے حلال کئے ہوئے کاموں کو حرام کہنا یا کرنا۔ اور اس کی مخلوق میں بے ایمانی، بدکاری اور فحش کاموں کو جاری کرنا بغاوت نہیں تو کیا ہے؟ ایسی صریح بغاوت کے باوجود پھر مسلمان کہلانے میں جنّت کا ٹھیکیدار بننے کی امید رکھنا ہو۔ یہ بات تو ہم نے کسی بیوقوف انسان میں بھی نہیں دیکھی کہ کسی کی مخالفت کر کے بھلائی کی امید رکھتا ہو۔۔ ؎

کام دوزخ کے کئے جنّت کا ہے امیدوار

قصرِ جنّت تو بنا ہے پارسا کے واسطے

ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ لوگ مزدوری کر کے اُجرت اور نوکری کر کے مہینہ گزرنے پر تنخواہ کے امیدوار ہوتے ہیں۔ لیکن اکثر و بیشتر لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی جان بوجھ کر نافرمانیاں کر کے اور اس کے احکام سے عمداً سرتابی کی اور کرتے ہیں۔ اور پھر بھی اپنی نجات اور بخشش کے منصوبے بنائے بیٹھے ہیں!! یہ مانا کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم شفیع اور رحمتِ عالمین ہیں۔ لیکن اس کا مطلب تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے بچنے کے جو طریقے بتائے ہیں اور بھول چوک کے کاموں پر توبہ کا دروازہ کھول دیا ہے یہی تو اس کی رحیمی اور کریمی ہے۔ اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجات اور بخشش کے بھی تمام طریقے بیان کر دیئے ہیں۔ ان پر کاربند ہو کر امید رکھنا یقینی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے انعامات ہیں۔ اِن سے وہی فائدے حاصل کر سکتا ہے جو ان کا حقدار ٹھہرے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ جو چاہو کرو۔ وہ سب کو معاف کر دے گا۔ اور حضورِ اکرمؐ سفارش فرما دیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے نبی بھیج کر اور رسولوں پر کتابیں نازل فرما کر انجامِ کار کیا مقرر فرمایا ہے؟ اگر ان پر عمل نہ کرنے سے بھی وہی بخشش اور نجات مل سکتی ہے جو عمل کرنے کے بعد۔ تو پھر نبیوں اور رسولوں کی تشریف آوری بالکل عبث اور بیکار ٹھہرتی ہے۔ اور اچھے بُرے کی تمیز بھی مٹ جاتی ہے!! کیا کوئی عقل مند اور قانونِ انسانی کو بھی جاننے والا یہ عقیدہ رکھ سکتا ہے کہ عمل کرنے اور نافرمانی کرنے والے دونوں

نجات کے اعتبار سے برابر ہیں۔ تو پھر دنیا میں اس سے زیادہ حماقت اور لاقانونیت کی تعلیم نہیں ہو سکتی۔ یہ تو انسانی حکومت کے لئے بدنامی کا ذریعہ بھی ہے۔ جو جرائم پر سزا نہ دے جو نیک اور بد کے ساتھ ایک سا برتاؤ کرے تو وہ بدترین ظالم ہے اور ملک و قوم کو لاقانونیت اور غداری اور غنڈہ گردی پر آمادہ کرنے والا اور خدائے تعالیٰ کے نزدیک بہت ہی بڑا ظالم ہے۔

بُرائیوں سے بچانا: اگرچہ ہر انسان کا فرض ہے کہ انسانوں، بلکہ حیوانوں کو بھی بُرے اور جانوروں کو ستانے اور دُکھ دینے کے جرائم سے بچائے۔ اور ایسے طریقے اور راستے نہ کھولے جن سے فتنہ و فساد کا امکان ہو۔ آپ نے تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ۱۹۶۸ء سے لے کر مارچ ۱۹۶۹ء، تک ملک پاکستان میں کس قدر غنڈہ گردی، لوٹ مار، قتل وغارت اور کشت و خون اور آتش زنی سے ملک کو برباد کرنے والے جرائم ہوتے رہے۔ آپ کو ان کی وجہ بھی معلوم ہے کہ الیکشن کی لعنت کے قریب آنے پر تمام سیاسی مجرم جن کو اپنی صدارت، گورنری اور وزارت کے نشوں نے مست کر دیا تھا۔ وہ سارے کے سارے برساتی کیڑوں کی طرح یک لخت اُبل پڑے اور انہوں نے ملک میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف غنڈہ گردی کے کام شروع کر دیئے۔ کیا ملک کا کوئی طبقہ بھی

باقی رہا جس نے جلسے جلوسوں، ہڑتالوں اور دوسرے تخریبی مظاہروں میں اپنی دنیا اور جاہ طلبی کے جوہر نہ دکھلائے ہوں؟

لوگ کہتے ہیں کہ حکومت کے نظام میں اس قدر خرابیاں اور ظالمانہ پہلو تھے کہ تمام ملک والے بے چین اور پریشان ہو گئے تھے اور وہ حکومت سے اپنے مطالبات منوانے کے لئے ان تخریبی کارروائیوں پر مجبور ہو گئے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر صدر ایوب خاں صاحب کی دس سالہ حکومت کا نظام برا اور ناپسند تھا تو پھر مسٹر بھٹو اور مولانا بھاشانی، ائیر مارشل اصغر خاں صاحب اور دوسرے قوم اور ملک کی رفاقت کا دم بھرنے والے کہاں تھے؟ کیا وہ ملک میں اور حکومت ایوبی سے دور دراز ملکوں میں تھے؟ اگر واقعی ان لیڈروں اور قوم کی محبت کا دم بھرنے والوں کو اصلاح نظام کی ضرورت تھی تو انھوں نے صدر، وزراء اور گورنروں سے کیوں نہیں کہا؟ میں بہت پکے یقین سے کہتا ہوں کہ اگر یہ لوگ ملکی نظام کی درستی کے لئے متفقہ مہذبانہ جدوجہد کرتے رہتے۔ تو ایک بھی خرابی نظام میں رہنے نہ پاتی اور فسادات اور فتنوں کے تخریبی پہلو نمایاں نہ ہو سکتے۔ اور ایک خرابی بھی نظامِ حکومت میں رہنے نہ پاتی۔ اور تمام ملک والے نہایت اطمینان سے رہ کر فتنہ و فساد کی لعنت سے محفوظ رہتے۔ لیکن برا ہو اس جاہ طلبی کی بیماری کے بحران الیکشن کا کہ اُس نے تباہی مچادی اور پاکستانی جوامع

خدامن اور پاکبازی کے لئے وجود میں آیا تھا ہر طرف قتل وغارت، لوٹ مار، توڑ پھوڑ، آتش زنی کا طوفان اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور ملک کی سالمیت اور ملک والوں کی جان ومال، عزت وآبرو کے لالے پڑ گئے۔

خدا بھلا کرے سابق صدر پاکستان کا کہ اُنھوں نے مارشل لاء قائم کر دیا جس کی بدولت فوج دریا موج پاکستان کے بہادروں نے ایک ہی للکار سے تمام فتنوں کو سُلا دیا اور لوگ نئی زندگی سے فیض یاب ہو کر تخریبِ ملک کی غنڈہ گردی سے محفوظ ہو گئے۔

کیا ایسے سیاسی جرائم اور لیڈری کے مدعی کبھی بھی کوئی ایسی سکیم اور منصوبہ بنا سکتے ہیں جو عوام الناس کی بہبودی کا ذریعہ ہو سکے۔ اگر ان کو ملک والوں سے محبت ہوتی تو ان کی ترقی اور فلاح و بہبود کا انتظام اسلامی اخوت اور اتحاد کی طاقت سے مہیا کرنے کی پُرامن جدوجہد کرتے مگر ان میں سے اکثر کے دماغوں میں تو اپنی حکومت اور اپنے مرتبوں کے حاصل کرنے کے جذبات تھے جن سے دیوانہ بنے ہوئے تھے۔ ہمیں تو افسوس ہے اُن مسلمانوں پر جو اپنے کو مسلمان کہتے اور کہلاتے ہوئے بھی خودغرضی کے نشہ میں مسلمانانِ پاکستان کی تباہی کے درپے تھے۔ اللہ تعالیٰ اِن سب کو سچا مسلمان بنا کر ملک اور قوم کی ترقی کا ذریعہ بنا دے۔ آمین

اسلام کا مایۂ ناز اصول: یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور جانداروں خصوصاً انسانوں کو زندگی

آرام سے بسر کرنے کے ایسے مبارک طریقے پیش فرماتا ہے جو بلاشبہ سب کی خیر و عافیت اور ترقی کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ اسلامی نظام میں تعمیر ہی تعمیر ہے۔ تخریبی پہلوؤں کا تو نام و نشان بھی نہیں ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسلام میں جہاد ہے۔ جہاد بھی ملک اور قوم کی تعمیر اور صحت و عافیت کا بہترین پہلو ہے۔ آپ کو یہ تو معلوم ہے کہ اگر کسی ملک میں ملک والوں پر ظلم و ستم کرنے والے لوگ پیدا ہو جائیں تو ان کو ظلم و ستم سے روکنا حقیقت میں خود ان کے ساتھ بھی بہت بڑی نیکی اور مامتا کی نشانی ہے۔ کیونکہ ظلم وہ نفرت پیدا کرنے والا مرض ہے نہ ظالم کو نہ تو اس کے گھر والے ہی اچھا اور مفید سمجھتے ہیں اور نہ ملک والے ہی گویا ظلم تمام انسانوں کو بے چین اور پریشان کرنے کا بدترین ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس کو ظلم و ستم سے باز رکھنا اس کی اصلاح، درستی اور خیر خواہی کا بہت بہتر نمونہ بلکہ علاج ہے۔ اور ان مظلوموں کی زندگی اور نجات کا قابلِ ستائش سرمایہ ہے۔ جو ظلم کی وجہ سے مصائب و آلام کا شکار ہوتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی آدمی کے بدن کا کوئی عضو۔ ہاتھ، پاؤں، سر اور کمر وغیرہ میں کوئی ایسا پھوڑا یا مادہ پیدا ہو گیا جسکی وجہ سے بیمار کی زندگی موت سے بدتر ہے اور گھر والوں اور پڑوسیوں کو اس کی بدبو۔ یا بیمار کی چیخ پکار آہ و زاری کی وجہ سے چوبیس ۲۴ گھنٹے کی تکلیف ہے۔ تو ہر عقل مند

اور دانا معالج، حکیم، ڈاکٹر بلکہ اس کے خاص عزیز اور دوست بھی چاہتے ہیں کہ اس عضو کو درست کیا جائے۔ اور اگر اس کی درستی ممکن نہیں تو سارے جسم کے گلنے سڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ تو تمام ہمدردوں کے نزدیک اس عضو اور بدن کے حصّے کا جدا کرنا اور کاٹ کر پھینک دینا ہی سب کی صحت وعافیت اور آرام کا ذریعہ مانا جاتا ہے۔ پس جہاد بھی برائی اور اس بیماری کا علاج ہے۔ جس سے ظالم مریض بھی ہر وقت تکلیف پاتا، ملامتیں سنتا اور لعنت وملامت کا نشانہ بنتا ہے اور ملک والے بھی مصیبت میں گرفتار رہتے ہیں۔ اس کا سدھارنا، یا اس کو کاٹ پھینکنا گویا سارے ملک کو نجات دینا ہے۔ جو عقلاً ضروری ہے اور مسلمانوں پر فرض ہے۔ اور جہاد صرف اسی سے برائی چھڑانے کا نام نہیں۔ جو بڑے بڑے حکمران ظلم وستم ڈھاتے اور ملک کو تباہ کرتے ہوں بلکہ ہر اس شخص سے جہاد کرنا فرضِ عین ہے جو ملک میں قتل وغارت، لوٹ مار، توڑ پھوڑ، مار پیٹ کا بازار گرم کرنے کی کوشش کرتا ہو اور ملک والوں کی جان و مال، عزت وآبرو کے لئے خطرہ بنا ہوا ہو اور اسی طرح ملک میں اسلامی نظام جس کے ذریعہ لوگوں کو اچھے کاموں کی طرف لایا جا سکے ضروری ہے۔ اور جو لوگ اسلامی نظام یعنی خدائے تعالےٰ اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک راستوں سے

گریز کرتے ہوں اور غیر اسلامی اور خلافِ اسلام عقائد اور اعمال میں مصروف رہتے ہیں۔ اپنی اور ملک والوں کی آزادی بداعمالی پسند کرتے رہوں۔ ان سے بھی جہاد کرنا فرض ہے۔ کیونکہ کسی خصوصاً اسلامی ملک اور حکومت میں اسلام کے خلاف راستوں پر مسلمانوں کا چلنا یقیناً ملک میں اسلامی نظریات کی بیخکنی کے مترادف ہے اور اسلامی حکومت کی کمزوری کا ذریعہ اور اس کے ساتھ بغاوت ہے۔ غرض یہ ہے کہ اسلامی حکومت سے سرتابی اور اس کے احکام اور قوانین کی خلاف ورزی کے جذبات اور خیالات کو مٹانا بھی جہاد ہے۔ مخلوقات کی فلاح و بہبود اور ضیائوں کے معاشرے کو تباہ اور برباد کرنے والے تمام طریقوں کو مٹانے کی کوشش کرنا بھی جہاد ہے۔ اقلیتوں، غیر مسلموں وغیرہ کو صرف انہیں کاموں میں آزادی ہو سکتی ہے جو ان کے مذہبی معتقدات اور اعمال پر ہو اور جو ملک میں بد اخلاق اور اسلام کے نظریات کی توہین کے باعث ہوں ان کو مٹانا بھی جہاد ہے اور قرآنِ حکیم اور اسوۂ حسنہ نبی رؤف الرحیمؐ کے ارشاداتِ شدیدہ کا تو تقاضا ہے کہ جتنی قوتیں اور چیزیں اور اسباب بھی خدائے تعالیٰ کے احکامات اور اسلامی نظریات کو نافذ نہیں ہونے دیتے اور ان کے مخالف ہیں ان سب کو مٹانا بھی بہترین جہاد ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ربوبیتِ عامہ اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمتِ عالمینی پر جو ایمان رکھتے ہیں ان کا اہم ترین فرض ہے۔ کہ

مخلوق خصوصاً انسانوں کے جان و مال، عزت و آبرو کی پوری حفاظت کریں۔ اور کوئی قانون قاعدہ، رسم و رواج بھی ایسا نہ رہنے دیں۔ جو ملک والوں کو اُن کی خواہشاتِ فطری اور تقاضائے بشری کے جائز اور شرعی طریقوں کے مطابق پورا نہ کرنے دیتا ہو۔ یہ ہے دراصل اسلامی کہلانے والی حکومت کا کام اور وہ مقبول خدا تعالیٰ اور رسول طریقہ جو اس کی اطاعت ملک والوں پر فرض کرتا ہے اور ان کے احکام کی تعمیل کو ضروری اور لازمی قرار دیتا ہے۔

اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا کہ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔ اور اُن اپنے حاکموں کی جو مومن ہوں تم ہی سے ہوں۔ سے مراد مومنوں کے لئے صرف مومن ہی ہیں۔ غیر مسلموں، مخالفینِ اسلام بلکہ احکامِ شریعت سے سرتابی کرنے والوں کی اطاعت کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے۔ جبکہ وہ اسلامی نظریات و فرائض سے عملی گریز پائی کرتے ہوں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مبارک زندگی دینِ حق، احکامِ خداوندی کی اطاعت و اشاعت میں صرف فرمائی۔ اور ان کے بعد ان کے صحابہ کبارؓ اور اہلِ بیت اطہارؑ کا بھی طریقہ رہا۔

رباعی

کرتی رہیگی پیش شہادت حسینؓ کی ⁂ آزادئ حیات کا یہ سرمدی اصول
چڑھ جائے کٹ کے سر تیرا نیزے کی نوک پر
لیکن تو فاسقوں کی اطاعت نہ کر قبول

برادرانِ اسلام! اگرچہ اسلامی نظریات اور فرائض کا جاننا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ مگر اس کی تکمیل و تعلیم اسلامیات کی درس و تدریس سے ہو سکتی ہے۔ ہم مسلمانانِ پاکستان میں اکثر برسرِ اقتدار وہی لوگ رہے جو اکثر بیشتر اسلامی عقائد و نظریات سے بھی پورے طور سے واقف نہیں تھے۔ چونکہ برطانیہ کے زمانے میں رئیسوں کے زیادہ تر بچے مشن یا ان سکولوں، کالجوں میں پڑھتے جو مشن کی طرف سے ہوتے یا جن میں انگریزی تعلیم زیادہ اور اچھے طریق پر ہوتی تھی۔ ان بیچاروں کو اسلامی نظریات و احکام کے سیکھنے کی فرصت ہی نہیں ملی۔ پاکستان اگرچہ قرآن و سنت ہی کے نفاذ کے لئے بنا تھا۔ مگر عہدے اور رتبے منصب زیادہ تر انہیں کے مرہونِ منت رہے۔ اور جن لوگوں کو میسر ہی یا انگریزی میں قابلیت کی وجہ سے ملے ہوئے عہدوں سے جدائی اور محرومی ہوئی وہ میدانِ سیاست میں خم ٹھوک کر کود پڑے اور لیڈری کا لبادہ پہن کر حزبِ اختلاف بنا بیٹھے۔ اور انہوں نے اپنی اپنی مالی اور مغربی سیاست دانی کے بل بوتے پر جماعتیں بنا ڈالیں اور اپنے کھوئے ہوئے یا از سرِ نو اپنے مرتبوں کے لئے ووٹ لینے کے لئے مختلف طریقے ایجاد کر لئے۔

جس ملک کے عوام میں اکثر و بیشتر مذہبی اور ملکی تہذیب کے فرائض سے ناآشنا ہوں اور لالچ و طمع کے جذبات سے سرشار یا گزر اوقات سے بآسانی سبکدوش ہونے میں مجبور ہوں تو ان سے مال و دولت کے لالچ دلا کر یا کمائی اور مطلب برآری کے لئے سبز باغ

دکھا کر ووٹ لینا کچھ مشکل نہیں ۔ جس قوم کے افراد کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ کرنے، رشوتیں لینے اور بندگانِ خدا کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے اور چند ٹکوں کے لئے جھوٹی گواہیاں دینے اور اور شراب خوری، جوئے، تماش بینی، زنا اور چوری میں بھی نہ ہچکچاتے ہوں اور مال و دولت حاصل کرنے یا اپنی ظاہر داری اور مطلب برآری کے لئے قتل و غارت۔ اور بے گناہوں اور معصوموں کی ایذا رسانی میں بھی دریغ نہ کرتے ہوں۔ اُن سے ووٹ لینا کیا مشکل ہو سکتا ہے؟

آپ نے دیکھ لیا کہ مذکورہ افسروں اور لیڈروں کے زیرِ سایہ جو حکومتیں پاکستان میں ہوتی رہیں اُن میں کیا کچھ ہوا۔ مُلک میں روپے پیسے کی بھرمار کرنے والی تو صرف محمد ایوب خاں صاحب ہی کی حکومت تھی، جس میں ارتکازِ دولت کے لئے ہر طرف بینکیں کھُل گئیں۔ کاروں، ٹیکسیوں، سکوٹروں اور سائیکلوں کی بھرمار ہو گئی۔ بعض کی تنخواہیں اور مزدوریاں بھی بڑھ گئیں۔ مگر گرانی بھی پورے عروج پر جا پہنچی۔ آخر اس خلافِ اسلام دولت اندوزی اور کثرتِ اموال کا نتیجہ بھی ہر ایک نے دیکھ لیا۔ بلکہ حکومت کی جانب سے تو ظاہری ٹیپ ٹاپ اور خوش حالی و فارغ البالی کے بڑے لمبے چوڑے دعوے سامنے آتے رہے۔ اور غربت و افلاس کے مارے ہوؤں کی آہ و بکا نے یہ صورت دکھائی کہ تمام مخالفِ حکومت

پارٹیاں اور جماعتیں محمد ایوب کی حکومت اور تمام پالیسیوں کو ناکام بنانے میں یہاں تک کامیاب ہو گئیں۔ اور اس قدر آزادی اور خودسری پر اتر آئیں کہ اگر ہماری پاکستانی بہادر فوج دریا موج حفاظتِ ملک اہلِ ملک کا اہم ترین فریضہ موجودہ دیانت داری سے ادا نہ کرتی تو ملک کی سلامتی اور ملک والوں کی جان و مال، عزت و آبرو سب کچھ ہی معرض خطرہ میں تھے۔ یہ سارے کرشمے صرف مغربی سیاست کے تھے۔ جن سے بچانے کے لئے فوج کو میدان حفاظت میں آکر تخریبی خودغرضیوں کا قلع قمع کر کے ملک والوں کو اطمینان کا سانس لینے کا موقع عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے فوجیوں اور ان کے ان حاکموں کو سلامت رکھے۔ جنھوں نے ملک اور اہلِ ملک کو نئی اطمینان بخش زندگی کے لئے فضا ہموار کر دی۔ آمین

دلوں پر حکومت کا طریقہ: یہی ہے کہ اسلامی حکومت کا امیر، صدر یا احکام شریعت کو جاری کرنے والا اپنی اور اپنے رشتہ داروں اور دوست احباب کی ضرورتوں پر ملک والوں کی ضرورتوں کو مقدم سمجھے۔ ملک والوں کے آرام اور زندگی کے تمام گوشوں اور تقاضوں کو اس طرح پورا کرنے کی کوشش کرے کہ ملک کے اکثر علم اور عقل والے سلیم الطبع لوگوں کو یقین ہو جائے کہ یہ امیر، صدر یا سربراہ حقیقت میں ملک والوں کے آرام و آسائش اور ان کی ہر قسم کی حفاظت کے فرائض ادا کرنے کے لئے ہی اپنی

تمام جد و جہد صرف کرتا ہے۔ اور یہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ وہ پورے طور پر احکامِ خدا تعالیٰ پر عامل ہو اور حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک طریقوں پر عمل کرنے اور عمل کرانے میں تمام ملک والوں سے زیادہ کوشاں رہے۔ اور اس امیر یا سردار کے لیئے ضروری ہے کہ فنونِ حرب جہاد کرنے کے طریقوں سے پورا واقف ہو اور اس قدر بہادر اور دلیر ہو کہ بڑے سے بڑے معارکہ میں بھی ہمت نہ ہارے۔ نہایت ہی بلند حوصلہ اور مستقل مزاج ہو۔ اور اپنے ذاتی فائدوں کے لیئے دوسرے ملک والوں کی حق تلفی نہ کرتا ہو۔ اور اصلاحی عقائد و اعمالِ ضروریہ کا صحیح علم رکھتا ہو۔ اور اپنے ساتھ ایسے معتبر علماء اور فضلا کو رکھے جو مسلمانوں میں اتفاق کی کوشش کے طریقے جانتے اور اُن پر عمل کرتے ہوں۔ اور ملک والوں کو ترقی اور فلاح و بہبود کے راستوں پر چلانے کے لئے بیتاب ہوں۔ اور اپنی ذاتی اغراض اور مشیخت مآبی کی کوشش نہ کرتے ہوں۔ چونکہ اسلام میں خودغرضوں یا ملک والوں کو حقیر اور ذلیل سمجھنے والوں۔ اور اپنے لئے بڑے عہدوں کی جد و جہد کرنے والوں کو کسی طرح بھی حکومت یا مشیرِ حکومت بننے بنانے کا اہل نہیں سمجھا گیا۔ یعنی اسلامی تعلیم کی غرض و غایت ہی عوام کی ترقی اور ان کو ہر قسم کی بد اخلاقی / جرائم اور قابلِ نفرت، پست ہمتی کے کاموں اور عادتوں سے روکنا ہے۔ جن حاکموں اور

اُن کے مشیروں میں مذکورہ اوصاف نہ ہوں وہ اسلامی حکومت میں کسی مرتبے سے سرفراز نہیں ہو سکتے۔ اسلامی حکومت میں ہر فرد بشر اللہ تعالیٰ کے احکام اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک طریقوں پر چلنے کے لئے مجبور ہوتا ہے۔ اور جو لوگ کسی اعتبار سے بھی بڑے سمجھے جاتے ہیں اُن کے لئے ملک کے عوام بلکہ خواص سے بھی زیادہ پابندیٔ شریعت لازم ہے۔
جب خدائے تعالیٰ کی جماعت اپنے ملک میں خدائے تعالیٰ کے مبارک احکام نافذ کرنے اور حضورِ اکرم ؐ کے تقاضوں کو پورا کرنے میں کامیاب ہو جائے تو پھر اپنے اتحاد اور اتفاق کی طاقت سے بڑی آسانی کے ساتھ دوسرے ملکوں میں گرفتارِ کرب و بلا اور غیر مسلموں کے ظلم و ستم کا شکار ہونے والے مسلمان بھائی بہنوں کو بھی آزاد کرا سکتی ہے۔ ہمارے اسلاف نے ہمارے سامنے ہماری کامیابی اور اسلام کی فوقیت اور برتری کا لوہا منوانے کی کچھ کم مثالیں پیش کر کے ہمیں ترقی کے راستے میں ادھورا نہیں چھوڑا بلکہ دنیا بھر میں اسلام کے پرچم لہرانے اور تمام عالم میں خدائی، اور آسمانی حکومت کے کرشمے دکھانے کے قابل بنا دیا ہے۔
آہ آج اُس زمانے کی نسبت مسلمانوں کی کثرت اور بہت سی حکومتوں کے باوجود دنیا میں مُسلمان ستائے جا رہے ہیں۔ افسوس اور شرم کی بات ہے۔ جبکہ ہمارے قابلِ فخر دنا نہ بزرگانِ دین نے اپنی قلت اور بے سرو سامانی کے باوجود بڑے بڑے جابر اور مادی طاقتوں پر غرور کرنے والے متکبرین کے سروں کو اللہ تعالیٰ جل و علیٰ کے سامنے جھکا دیا اور اسلام کے

نظام اور بندگانِ خدا کی صحیح خدمت و حفاظت کی روشنیاں دنیا میں پھیلا دیں۔ یہ ہمارے ان تاریخ دان بھائی بہنوں کو یاد نہیں کہ مسلمانوں کی معاشرتی اقتصادی بلکہ ہر شعبۂ زندگی میں انتظامی فوقیت اور دل عزیمتی رحم و کرم کی مخلوق نواز بارشوں کو دیکھ کر اپنی مظلومیت اور مجبوری کے حالات لکھ کر غیر مسلموں نے اپنی امداد بلکہ آزادی کی درخواستیں کیں اور یہ بھی دنیا جانتی ہے کہ رحمتُ للعالمین کے جاں نثار فرمانبرداروں نے کسی کی درخواست بھی مسترد نہیں فرمائی بلکہ پہلی فرصت میں اپنی خداداد روحانی اور [illegible] کی جسمانی طاقت سے اُن کی مرادیں پوری کیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ تمام ممالکِ غیر اسلامی پر اُن کی قابلِ فخر و مباہات فتوحات کا ذریعہ ان کا عوام پرور اور مخلوق نواز نظام ہی تھا۔ اگر آپ واقعی اپنے پہلو میں مسلمان اور اپنے اسلاف کی پیروی کے آفتاب کی کرنوں سے روشن دل رکھتے ہیں تو آپ یقیناً تمام عالم کے مسلمانوں ہی سے نہیں بلکہ عام بندگانِ خدا تعالیٰ کی ذی حیات سے ظلم و ستم کی تاریکیاں دُور کر کے رہیں گے۔

مسلمانانِ پاکستان کی غیرت کو چیلنج : کیا مسلمانانِ پاکستان کی خفّت اور بزدلی بلکہ بے حسی کی اِس سے زیادہ مثال بھی ہو سکتی ہے ؟ کہ آج ہماری فرمانبردار ہزار سالہ پرستار بھارت کی گود میں رہتے ہوئے بھی ہمارے مسلمان بھائی بہن اور اُن کے معصوم بچے ہندوؤں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ اے مسلمانانِ پاکستان! کیا وہ جنھوں نے ۲۴ سال برابر آپ کی جُدائی کے غم و الم کے ساتھ

ظالم ہندوؤں کے ظلم و ستم بھی سہے۔ آپ کے نزدیک آپ کے اسلامی
بھائی بہن نہیں ہیں؟ اور کیا انھوں نے آج تک اللہ تعالیٰ کے دینِ مبین
اسلام اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت سے منہ موڑا اور
اُن کا مبارک دامنِ اسلام چھوڑا؟ بلکہ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ
اُنھوں نے اپنے ایمان و اسلام کی محبت اور چاہت کے وہ شاہکار پیش
کیے ہیں، جو ہم کو ہمارے نامدار اسلاف کی یاد دلاتے اور اُن کی حُبِّ
ایمانی اور تقدسِ اسلام کے بہترین نمونے ہیں۔ میرے عقیدے میں
وہ کامل مسلمان نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ اور حضورِ اکرمؐ کے بنائے اور
مقرر فرمائے ہوئے بھائی بہنوں اور اُن کے معصوم بچوں پر رحم نہیں آتا۔

آہ آہ اے برادرانِ پاکستان! کیا آپ مسلمانانِ بھارت کو اپنا بھائی
نہیں سمجھتے؟ اور کیا آپ اُن کی حفاظت اور صیانت کے فریضۂ لازم
سے بری الذمہ ہیں؟ کشمیر میں جو کچھ مسلمانوں پر گزرتی ہے آپ کو معلوم
ہے۔ چونکہ یہ دونوں مقام آپ کے آباؤ اجداد کی ملکیت میں تھے۔
اور دراصل آپ سب مسلمان ہی اُن کے وارث اور جانشین ہیں۔ جن کی
سرداری، اقتدار اور نہایت شاندار حکومتوں کے طوطی بولتے تھے۔
اور جن کے عزو احترام کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے راجے مہاراجے بھی
اُن کو پرنام کرنا اور اُن کے آگے نہایت عاجزی سے سرِ تسلیم خم کرنا باعثِ
شرف سمجھتے تھے۔ اور غالباً آپ کو یہ بھی یاد ہوگا کہ بڑے بڑے
خاندانی شریف ہندو بھی اپنی ناز پروردہ دوشیزگان کے ڈولے بھی

آپ کے بزرگانِ ہند کی خدمتوں میں پیش کر کے اتراتے اور فخر کرتے تھے۔ اور آج آپ کی بہت سی کلمہ گو بہنیں اور بچیاں ان کی سیوہ اور خدمت پر مجبور اور پابند ہیں۔ خدا کے لئے آپ فرا اپنے خداداد مراتب، خاندان کا احترام کیجئے اور اس کی بقا اور قیام کی جدوجہد کے لئے سارے کے سارے پاکستانی سیسہ پلائی ہوئی دیوار۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی غالب کی ہوئی جماعت حزب اللہ بن جائیے اور اپنے مسلمان بھائی بہنوں اور ان کے تڑپتے اور بلکتے ہوئے بچوں کو ہندوؤں کے ظلم وستم سے بچائیے۔ اے سردارانِ پاکستان اور قوم و ملک کی لیڈری کے دم خم رکھنے والے حضرات! مسلمانانِ پاکستان کی تخریبی قوتوں سے سرشار مسلمان کہلانے والے مسلمانانِ بھارت اور کشمیر کی آزادی اور تعمیری قوتوں سے بالکل محروم ہیں؟ ان کو مسلمانوں کے معصوم بچوں، بے گناہ مستورات اور بے خطا جوانوں۔ بوڑھوں پر، ریلوں، بسوں، اور کاروں پر پتھراؤ کر کے زخمی کرنے، دوکانوں کو لوٹنے، توڑ پھوڑ کرنے اور مکانوں، کارخانوں کو آگیں لگانے کی قوتیں رہی تھیں؟۔ ان میں مظلوم مسلمانانِ کشمیر اور بھارت کو ہندوؤں کے پنجوں سے چھڑانے کی قوت نہیں ہے؟ افسوس ہے اُس انسان پر کہ جو ڈیڑھ سو سالہ غلامی کی ذلت کے بعد خدا نے تعالیٰ کی عطا فرمائی ہوئی حکومت اور پاکستان میں رہنے والے بھائی بہنوں کی تخریب اور پریشانی میں تو نہایت طاق اور مشاق ہو۔ مگر بھارت اور کشمیر یا بیت المقدس میں

یہودیوں کے ظلم و سفاکی کے شکار مسلمانوں کی ہمدردی اور حفاظت کے لئے اس کی زبان اس کے قلم سے ایک حرف بھی نہ نکلے اور نہ کبھی ان کو آزاد کرنے کے لئے جلسوں اور جلوسوں کا اہتمام کرے!! کیا وہ خدائے تعالیٰ اور دنیا کے مسلمانوں کے نزدیک مسلمان کہلانے کا مستحق ہے۔ اور کیا صحیح معنوں میں اس کو انسان بھی کہا جا سکتا ہے جو اپنے شہدوں، مرتبوں اور ملک والوں کی محنت و مشقت سے حاصل کی ہوئی املاک پر ظالمانہ قبضہ جمانے کے لئے غنڈہ گردی کے جوہر دکھائے اور مظلوموں کی مدد اور ان کو ظالموں سے بچانے کے لئے ایک قدم بھی نہ اٹھائے۔ خدا کی قسم اسلام کی سیاست اور دیانت اور حکومت میں اس کو بدترین مخلوقات ہی میں شمار کیا جاتا ہے۔ اور وہ انسانیت کے نام پر بدنما داغ اور نجس ترین دھبہ ہے۔ چیر پھاڑ، لوٹ مار، قتل و غارت، بے گناہوں کو ہڑپ کرنے کے لئے دندان آز کو تیز کرنا بدترین درندوں کا شیوہ ہے۔ کیا کسی عقل مند اور سمجھ دار انسان کے نزدیک اس کو آدم زاد بھی کہا جا سکتا ہے جو ملک اور قوم کی تخریبی کارروائیوں پر ہی آمادہ رہے۔ اور کسی انسان کی حفاظت کا جذبہ اس کے دل و دماغ میں کارفرما نہ ہو۔ میں بہت مستقل مزاجی اور پختہ مدلل دعوے سے کہتا ہوں کہ ہمارے پاکستان میں جن ناپاک وجودوں کے ذریعہ ظلم و ستم، لوٹ مار، قتل و غارت اور رشوت، چور بازاری اور جرائم کی لعنتیں ہیں وہ وہی لوگ ہیں جو خدائے تعالیٰ کے صریحی احکام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک اسوۂ حسنہ کو چھوڑ کر بے سمجھ اور خود غرض عوام کے ووٹوں کے ذریعے

اپنا الّو سیدھا کرنے کی دھن میں رہتے ہیں۔ اور اس عداوت حکومت پاکستان میں الیکشن کے ذریعے حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ قرآن و حدیث اور تمام بندگانِ اسلام کے نزدیک الیکشن ہی سب سے بڑی لعنت ہے جس کے ذریعہ ملک کا کروڑوں روپیہ ضائع ہوتا ہے اور اسلامی اخوت اور اتحاد کے پرخچے اڑ جاتے ہیں۔ باہمی عداوت اور دشمنیوں کے مستقل شیطانی جھوٹ غالب آجاتے ہیں۔ اور پھر ملک اور اہلِ ملک کو آئے دن تباہی کا سامنا ہوتا رہتا ہے۔ بتائیے اور سوچ کر کہئے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکامات اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے فیصلوں سے راضی نہیں اور اپنے جیسے ظلوم جہول آدمیوں کی رائے سے بنے بنائے ہوئے قاعدوں اور قانونوں کی غلامی میں فخر سمجھتے ہیں ان کو مسلمان کس طرح کہا جا سکتا ہے۔ مسلمانوں کے اسلام پر قائم رہنے کی صورت تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی فرمانبرداری ہے۔

حکیم الامت ڈاکٹر مسلمانوں کے نزدیک مانے ہوئے ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

گر تو میخواہی مسلمان زیستن ❖ نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

اور معمولی عقل کا انسان بھی جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سب کا پیدا کرنے والا ہے۔ اسی نے تمام مخلوقات کے لئے نہایت مفید اور ہر زمانے میں عمل کرنے رہنے کے قاعدے اور قانون بنا دیئے ہیں۔ اور پھر صاف فرما بھی دیا ہے کہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ہ یعنی آج (خاتم الانبیاء کی موجودگی میں) ہم نے تمہارے دین یعنی ہر زمانے میں زندگی گزارنے کے قاعدے اور طریقے

کامل کر دئے اور تم پر تمام نعمتیں پوری کر دیں اور ہم نے تمہارے واسطے دین و طریقہ اسلام ہی کو پسند کر لیا ہے۔ اور پھر یہ بھی قید لگا دی کہ وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيناً فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ۔ یعنی جو آدمی بھی اسلام کو چھوڑ کر دوسرا قانون، قاعدہ اور طریقہ پسند کرے گا وہ مردود اور ناقابلِ قبول ہوگا۔ اب آپ ہی فیصلہ فرمائیے کہ جو لوگ قرآن و سنت اور مسلمانوں کے سیدھے اور مفید راستے کو چھوڑ کر کسی دوسرے طریقے اور قانون کے طالب یا غلام ہیں وہ یقیناً اسلام سے خارج اور اللہ تعالےٰ کے بدترین باغی ہیں۔ پاکستان خدائے تعالیٰ کے باغی اور نافرمانوں کی حکومتوں اور ریاستوں کے لئے تو نہیں بنا۔ یہ تو صرف قرآن و سنت۔ یعنی اسلامی نظام ہی کے جاری کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ اور پاکستان بھی اُسی وقت کہلانے کا حقدار ہے جبکہ یہ ملک اللہ تعالیٰ اور حضورؐ کی غلامی کی برکت سے تمام قسم کے غیر اسلامی نظریات اور جرائم سے پاک ہو جائے۔

مجھ کو اپنے ملک اور قوم کے محافظ فوجی بھائی اور بچوں سے بہت ہی قوی امید ہے کہ وہ اپنی خداداد طاقت اور دبدبہ سے پاکستان میں صرف اسلامی نظام کو جاری اور نافذ کر کے اپنے ایمانِ کامل۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی بندگی اور خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سچی غلامی اور فرمانبرداری کا ثبوت پیش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ دنیا میں اس کے بیت اللہ شریف اور اس کے حبیب رحمت اللعالمینؐ کے شہر مبارک مدینہ منورہ میں آج بھی اسلامی نظام قائم ہے اور وہاں اللہ تعالیٰ کی حاکمیتِ اعلیٰ کے مناظر حجاج کی آنکھوں کو اسلام کی صداقت حفاظت و امنِ عامہ اور انسدادِ جرائم کے جلوے روشن کر رہے ہیں۔ سعودی عرب میں نہ شراب خانے ہیں

نہ جوئے کے اڈے، نہ سینما، تھیٹر اور نہ رئیسوں اور افسروں کے کلب گھر ہیں۔ نہ زنا اور چوری اغوا، ملاوٹ اور نہ رشوتوں کے نشانات ہیں۔ اسلامی نظریات اور معتقدات کی پاکبازیاں خدائی اور آسمانی حکومت کا ڈنکا بجا رہی ہیں۔ اور یہ پاکیں اور پاکبازیاں دنیا کے تمام انسانوں کے علم کی زینت بنی ہوئی ہیں۔ دنیا کے تمام گوشوں سے حاجی لوگ آتے اور اللہ تعالیٰ کی حاکمیتِ اعلیٰ کے جلوے دیکھتے اور اپنے ملک والوں کو سناتے ہیں۔

کسقدر افسوس ہے: اُس قوم اور ملک والوں پر جو مسلمانوں کے نُطفے اور بچے ہو کر بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نظام کی خوبیوں کو دیکھ اور سن کر بھی اس کی برتری اور فوقیت کے معتقد نہیں ہوتے۔ اور پڑھے لکھے ہوتے ہوئے اور خدائے تعالیٰ کے بے شمار انعامات سے فیض پاتے ہوئے بھی اسلامی نظام کو پسِ پُشت ڈال کر بے سمجھ اور خود غرض گنہگار انسانوں کے مشوروں یا ووٹوں سے بنے ہوئے ملغوبہ اور خیالاتِ باطلہ کی معجونِ مُرکبہ کے چٹخاروں میں مست ہیں اور رات دن بالغوں کی رائے دہی اور خدائے تعالیٰ کی بدترین لعنت الیکشن کے پھیلانے میں گرفتار ہیں۔ اور اس کا نام جمہوریت رکھ چھوڑا ہے۔ یہ عقل کے دشمن یہ بھی نہیں جانتے کہ تمام کائنات کے خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہی کا قانون تمام مخلوق کے پیدائشی اور مُفید حیات تقاضوں کا ضامن ہو سکتا ہے اور سب کے امن وامان کا مستقل ذریعہ بن سکتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے نظام کو جمہوری نظام مانا جائے تو واقعی حقیقت پر مبنی ہے۔ چونکہ وہی سب کا مالک ہے اور سب کے فائدوں

کے طور طریقے اور نظام کو جاری رکھنا اس کی ربوبیت اور مالکیت اور حاکمیتِ مطلقہ کی چاہی ہوئی چیز اور سب کے لئے مفید ہو سکتی ہے۔

آہ آہ۔ اِن عقل و سمجھ کے دشمن اور خدا و رسولؐ کے نافرمان بالغ رائے کے خیالوں میں مست اور اپنی چند روزہ جاہ طلبی کے نشوں سے چور ہونے والوں کی اِس پست خیالی اور ضمیر فروشی پر کہ اس بات کو تو جانتے ہوئے بھی جمہوریت کے دیوتا پر لعنت نہیں بھیجتے کہ یہ ملک کا بدترین دشمن اور ایمان پر بڑا ڈاکہ ڈالنے والا شیطان ہے کہ جس کی نحوست سے اس کے تمام بچاری ملکوں میں آئے دِن غنڈہ گردیاں ہوتی رہتی ہیں۔ یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ جس ملک میں دینی تعلیم اور اسلامی نظریات سے لاعلمی زیادہ ہو وہاں کے عوام کے رجحانات بلکہ اکثر و بیشتر خیالات اور فکر و غور اور اعمال و جذبات، ذاتی غرضوں، دنیا طلبی اور نفسانی لذتوں میں محصور ہوں گے۔ اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ ہر ملک اور قوم کی برتری، فلاح و بہبود بلکہ نجات بھی باہمی اتفاق اور تعاون پر موقوف ہے۔ جب ذاتی اغراض اور خود غرضی کا بھوت سوار ہو جاتا ہے تو پھر وہ یقیناً باہمی اتفاق کی بنیاد ہی کو اکھاڑ پھینکتا ہے، اکثر و بیشتر اشخاص اپنی خواہشات کے پورا کرنے کے لئے لوگوں کی حق تلفی کرتے ہیں اور بعض حضرات اپنی کامیابی کے لئے دوسرے اُن انسانوں کو ایذا پہنچانے میں بھی تامل نہیں کرتے جو اُن کے مقاصد کی کامیابیوں میں رکاوٹ معلوم ہوتے ہوں۔

اب آپ خود اپنے ملک کے مدبرینِ سیاست بلکہ چند عالمانِ دین کو

بھی دیکھ لیجئے کہ آغا محمد یحییٰ خاں کی صدارت اور بقول شخصے مارشل لاء کے دورِ پرامن میں بھی اپنی اپنی جماعتوں کی کامیابی کے لئے وہی بالغ رائے دہی اور جمہوریت کا راگ الاپ رہے ہیں۔ اگر مسلمان کہلانے والے عالم ان سیاست اور مدعیانِ دین میں اللہ تعالیٰ اجلّ جلالہٗ کی حاکمیت اعلیٰ اور حکومت مطلقہ کا عقیدہ اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رشد و ہدایت اور نظامِ اسلامی کی برتری کا جذبہ ہوتا تو بایک آواز ہو کر اس الیکشن جیسی بدترین لعنت کے خیالات کو کم از کم بالائے طاق ہی رکھ کر محافظانِ ملک و ملت بہادروں سے اسلامی نظام جاری کرنے کی نہایت موثر درخواست کرتے اور کہتے کہ مجاہدانِ پاکستان اور محافظانِ قوم آپ اپنی قوت خداداد سے اسلامی نظام قائم کر دیجئے۔ چونکہ پاکستان کی سالمیت اور فلاح و بہبود اور حسب دلخواہ ترقی چاہنے والوں کی اس سے بڑی کوئی بھی خواہش نہیں ہونی چاہیئے۔ کہ ان موجودہ حکام مارشل لاء کے بہادر شہ زور اور دلاور دل و دماغ اور قوی بازوؤں سے اللہ تعالیٰ کی حکومت، خدائی بادشاہ جلوہ فرما ہو۔ جس کے لئے تعمیر پاکستان نصیب ہوئی اور جس کی خوشخبریاں انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام نے بارہا دی ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ خدائی بادشاہت اور آسمانی حکومت صرف خدائے قدوس ہی کی حکومت ہو سکتی ہے چونکہ اس میں تمام مخلوقات، نباتات، جمادات، حیوانات خصوصاً انسانات کی پیدائش کی غرض و غایت کی پوری تکمیل و تعمیل ہوتی ہے۔ اور کسی انسان کو بھی جائز شکایت کا موقع نہیں ملتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے خاتم الانبیاء رحمۃ للعالمین کے نظام میں عدل

وانصاف، رحم وکرم اور مساوات کی مکمل تعلیم و ہدایات موجود ہیں۔ بلکہ کو ان سیاست دانوں اور منصب وجاہ طلب عالموں پر تعجب ہے کہ یہ لوگ علم سیاست اور فن حکومت کے رہبر اور لیڈر بننے کے لئے تو مختلف چولے بدلتے اور بڑی بڑی عوام کو فریب دینے والی تقریریں اور تحریریں کرتے ہیں۔ مگر اصلی اور سب کے لئے مفید حکومتِ الٰہیہ سے بھاگے پھرتے ہیں۔ حالانکہ ان کو کبھی کبھی لوگوں کو اپنی طرف لانے کے لئے ہی سہی یہ بھی کہنا پڑتا ہے۔ کہ حکومت تو اللہ تعالیٰ ہی کی دائمی اور مستقل ہے۔ اب اس پر بھی غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ یعنی حکومت تو صرف خدائے تعالیٰ ہی کی ہے۔ آپ نے تو غالباً کبھی نہ کبھی دنیا کی تاریخیں بھی پڑھی اور سنی ہوں گی کسی کی حکومت بھی برقرار رہی؟ بڑے بڑے خدائی کے دعوے کرنے والے بھی چند روزہ اپنی نوبتیں بجا کر چل بسے۔ اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ ہم پاکستانیوں کو انگریزوں کی ڈیڑھ سو سالہ غلامی سے نجات بھی صرف اللہ تعالیٰ کی حکومتِ عالیہ کے قیام و نفاذ اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی غلامی کے اقرار ہی کے طفیل میسّر ہوئی تھی۔ جیسے خود قائدِ اعظم محمد علی جناح (اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرماتا رہے) نے بڑے متعجبانہ انداز میں فرمایا تھا کہ میں نے مغربی سیاست اور تدبر کی تمام راہیں اختیار کیں۔ اور انگریزوں کی غلامی سے آزادی حاصل کرنے کے لئے بڑے بڑے داؤ پیچ کھیلے۔ اور پینترے بدلے مگر کامیابی کی جھلک بھی نظر نہیں آسکی۔ کیونکہ بڑی بڑی مادی طاقتیں ہمارے نظریہ

پاکستان کی مخالف تھیں۔ اور سب سے زیادہ مایوس کُن خود ہمارے بڑے بڑوں سے چھوٹوں کے عالموں کی نظریۂ پاکستان کو مٹانے کی جدوجہد تھی۔ لیکن جوں ہی ہم میں نے اللہ تعالیٰ کے قانون قرآنِ حکیم اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک طریقے جاری کرنے کا خیال اور عقیدہ دل میں جما لیا اور قرآن و سنت کے مبارک نظام جاری کرنے کے لئے حصولِ پاکستان کی آواز نکالی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے کامیاب فرمایا اور پاکستان معجزانہ طور پر عالمِ وجود میں آکر محیرِ عقل بن گیا۔ اور دشمنوں کے تمام مخالفانہ منصوبوں پر دھول ڈال دی۔ میں کہتا ہوں کہ ۱۹۶۵ء کے ظالمانہ بلکہ بزدلانہ شدید ترین حملوں سے بھی کلمہ شریف کی برکت سے بچے بلکہ ہماری بہادر فوج نے اپنی برتری اور فوقیت کا سکہ بھی دشمنوں کے دلوں پر ہمیشہ کے لئے بٹھا دیا۔ دیکھا آپ نے اللہ تعالیٰ جل و علیٰ اور اس کے رحمتِ عالم رسولؐ کے مبارک ناموں کی برکت اور حاکمیت؟

قرآنی نظامِ طریقۂ خاتم الانبیاء ہے؟ یہ تو پہلے پڑھ ہی چکے کہ اللہ تعالیٰ

نے اسلامی نظام میں طریقۂ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تکمیل فرمادی ہے۔ اور حضورِ اکرمؐ کے اسوۂ مبارک کو صراطِ مستقیم ہونے کی سند بھی عطا فرمادی ہے۔ غالباً ہمارے سیاسی لیڈروں اور مولویوں میں نمازی بھی ہیں۔ جو ہر رکعت میں الحمد شریف پڑھتے یا امام کی اقتدا والی نمازوں میں سنتے ہیں جن میں اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ بھی کہہ کر اللہ تعالیٰ

سے دعا کرتے ہیں۔ لیکن اُن پر افسوس ہے کہ جس بات اور راہ کی ہر رکعت میں دعا کرتے ہیں۔ اسی کی مخالفت میں اپنی عمر تلف کرتے ہیں۔ ستم ہے اتفاق ہی ہے کہ پاکستان جس کو لوگ اسلامی حکومت بھی کہتے ہیں اُس میں بھی سینکڑوں جماعتیں تو لیڈروں کی ہیں اور کئی جماعتیں دین کا لبادہ پہن کر مولویانہ نقش و نگار سے مزین ہو کر فرقے بناتی اور گھڑتی چلی جاتی ہیں۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ عوام کو دامِ فریب میں پھانسنے کے لئے سب کے نظریات، منشورات اور فارمولے بھی مختلف ہیں جو سبز باغ دکھا کر دوکانیں چمکانے میں مصروف ہیں۔ یاد رکھئے کہ اسلامی حکومت کے لئے مسلمانوں میں فرقہ بندی اور باہمی تفریق کی بیماری بدترین مہلک اور ملک و قوم کو تباہ کرنے والا نہایت ہی قابلِ نفرت جرم ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ معجز نظام میں شرک تصریح فرمایا ہے۔

اے میرے لیڈری اور قوم کی رہنمائی کے دعوؤں میں اپنی ہشنخرت ما آبی، جاہ طلبی، اور دولت اندوزی کی تمناؤں کے زہریلے ناگ چھپانے والے تفریق پسند بھائیو! کیا آپ نے پہلے بادشاہوں، حکومتوں اور اقوامِ عالم کی تاریخیں نہیں پڑھیں؟ کہ اتحاد و اتفاق اور مخلوق نوازی کی برکات سے انھوں نے عروج اور ہر دلعزیزی کے تاج بھی سروں کی زینت بنائے اور دنیا میں اپنا اور اپنے ملک و ملت کا وقار بھی قائم کر دیا۔ اور ایسے سلاطین اور صاحبانِ اقتدار کے کارنامے

بھی پڑھ رہے ہوں گے جنھوں نے اپنی نا عاقبت اندیشی، نفس پرستی کی بدولت عدل و انصاف اور ہر دلعزیزی کی دولت سے محرومی ہی حاصل کی۔ یہ تو خدائے قدوس کا فیصلہ ہے کہ اتفاق و اتحاد ہی عزت و شرف اور کامیابی کا ذریعہ ہے۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی تعلیم اور ارشادات میں باہمی اخوت اور اسلامی اتحاد کی تاکیدیں فرمائی ہیں۔ میں پہلے بھی یہ آیت کریمہ لکھ چکا ہوں۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ۔ یعنی اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور نماز قائم کرو۔ اور مشرک نہ بنو۔ مشرک وہ لوگ ہیں جو دین (راہِ عمل) میں فرقہ بندی اور تفریق کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت کا سب سے بڑا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں میں تفریق اور فرقہ بندی کے جرائم کو پیدا ہونے، پھیلنے اور پھولنے نہ دے۔ اور جس طرح دوسرے چوری چکاری، ڈاکہ زنی، لوٹ مار، قتل و غارت، اغوا، فریب دہی وغیرہ معاشرہ کو تباہ کرنے والے جرائم کو روکتی اور مٹاتی ہے۔ اس سے بدرجہا زیادہ کوشش سے فرقہ بندی کے جرم کو مٹانے کی کوشش کرے خصوصاً ایسی حکومت اور ریاست جو ملک والوں کی تفریق کے زہریلے اثرات ملک اور ملک والوں کی تخریبی کارروائیوں کے طوفانوں میں خود دیکھ چکی ہے۔ چہ جائیکہ وہ فرقہ بندی اور تفریق پیدا کرنے والوں کی مرادیں پوری کرنے کے وعدوں سے ان کی حوصلہ افزائی کرے!!

میں نے پچھلے دنوں چیف مارشل لاء صدر پاکستان آغا محمد یحییٰ خاں کی نسبت یہ پڑھ کر افسوس کیا کہ وہ تمام سیاسی جماعتوں کی مرادیں پوری کرنے کی خاطر بالغ رائے شماری (جس کا نام نادانوں نے جمہوریت رکھ چھوڑا ہے) کی اجازت دے کر الیکشن کی لعنت کی پشت پناہی کرینگے۔ میں نے فوراً اُن کی خدمت میں رجسٹری شدہ عریضہ ارسال کر دیا کہ یہ آپ کی ملکی اور قومی حفاظتِ خداداد کی طاقت کو نہایت ہی کمزور کر دے گی۔ آپ جانتے ہیں کہ الیکشن میں کامیابی کے لالچ میں گرفتار ہو کر ان بنیادی حقوق اور جمہوریت کے پرستاروں نے اپنی حکومت کی کیسی مٹی پلید کی اور ملک والوں کی ہلاکت کے کیسے کیسے کرشمے دکھائے۔ بلکہ ملک والوں کی جان کے خطرات تک لاکر موجود کر دئے۔ جس کی مدافعت کے لئے آپ کی رگِ حمیتِ پاکستان داہل پاکستان جوش میں آئی اور بفضلہ تعالیٰ آپ نے اس خداداد حکومت اور ملک والوں کی جان، مال، عزت و آبرو کی حفاظت کرلی۔ کیا پھر آپ اس قدر عینی مشاہدات کے بعد بھی ملک میں الیکشن کی لعنت کے ذریعے تخریبِ ملک کا اقدام جائز سمجھتے ہیں؟ میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ اقتدار کی طالب مختلف جماعتیں مختلف بلکہ متضاد نظریات رکھتی ہیں۔ ہر جماعت نے عوام میں سے اپنے تائیدی لوگ بھانپ بلکہ چُن لئے ہیں۔ یہ ساری کی ساری ٹولیاں اپنی اپنی کامیابی کے لئے پھر فتنہ و فساد کا بازار گرم کریں گی۔ اور ملک میں صدر ایوب کی حکومت سے زیادہ تخریبی جدوجہد کامیاب ہو جائے گی۔

ان سیاسی جماعتوں نے پاکستان کا تیا پانچا کرنے کے لئے دشمنانِ ملک و ملت سے بھی ساز باز کرنا مضائقہ نہ سمجھا ہو۔ اور جو لیڈر فتنہ و فساد اور ظلم و ستم ہی کو اپنا شعار اور زندگی کا شاہکار سمجھتے ہوں ان کے ذریعے ملک کی سلامتی اور قوم کی ترقی کا منصوبہ بنانا میرے نزدیک تو انتظامی پہلو اور ملک داری کے جذبہ سے گوارہ ہی نہیں۔ ہو سکتا۔ پاکستانی جب ایک قرآن، ایک رسول اور ایک ہی خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کے ماننے والے ہیں تو سینکڑوں جماعتوں اور فرقوں کے جواز کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے۔ میرا ایمان ہے کہ اسلام جس مبارک دین کا نام نامی ہے اُس میں باہمی تفریق اور عداوت ممکن ہی نہیں۔ بس فرقے اور مختلف جماعتوں کا وجود یقینی دلائل و براہین کی رُو سے حرام مطلق ہے۔ ہاں ملک اور قوم کی ترقی کے کاموں کو انجام دینے کے لئے مختلف شعبہ جات تو ضروری ہیں۔ جس طرح کہ حکومتوں یا پبلک میں عقلمند اور محبانِ ملک و قوم میں ہوتے ہیں۔ ہاں ہر شعبہ اپنی کامیابی اور فرائض مخصوصہ کی انجام دہی میں دوسروں کے صالحہ مشورے اور تعاون کا تو ضرور محتاج ہوتا ہے۔ مگر سب کی غرض قوم اور معاشرہ کی تعمیر اور ملک والوں کے لئے زندگی کی ضروریات میں آسانیاں بہم پہنچانا ہی ہوتی ہے۔ تخریبی اور ہلاکت انگیز پہلو کوئی شعبہ بھی نہیں اپناتا۔ تو بتائیے جس دینِ اسلام کی بنیاد ہی دنیا کی سلامتی کی جہد کے لئے ہو اس میں تخریبی عناصر کی گنجائش کس طرح ممکن

ہو سکتی ہے؟ مغربی طریقۂ الیکشن میں تفریق و تخریب نمایاں ہوتی ہے۔ اسلام میں علماء اور مدبرین کے مشوروں پر عمل ہوتا ہے۔

اسلامی نظام کا نقشہ: تو آپ کو ضرور معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات صریحہ اور حضور اکرمؐ اور اُن کے فرماں بردار ساتھیوں کے مبارک طریقوں پر عمل ہوتا ہے۔ اور قرآن و حدیث کے وہ مسائل جو صریح اور ظاہر نہ ہوں ان میں علماء محققین اور مدبرین صحیح فلاح و بہبود کے مسائل سمجھنے والوں سے مشورہ کیا جاتا ہے۔ یہ محض خدائے تعالیٰ کا فضل ہے کہ ہمارے صحابۂ کبار خلفائے راشدین کی حکومتوں کا نظام بالکل اسلامی تھا۔ جو پورا کا پورا کتب احادیث اور معتبر تواریخ میں موجود ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے چنداں مشوروں کی بھی احتیاج نہیں رہتی۔ پس اسی کو نافذ اور جاری کرنا سب مسلمانوں کے اطمینان اور تمام ملک والوں کی فلاح و بہبود اور حقوق کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے۔ اور یہ بات بھی قرآن کریم سے ثابت ہے کہ حضور اکرمؐ اور ان کے ساتھیوں کے طریقوں پر عمل کرنا ہی صحیح اسلام اور اللہ تعالیٰ کی کامل رضا مندی کا ذریعہ ہے۔ اس کے خلاف کسی قانون اور قاعدے کی پیروی اور تقلید بھی اسلام سے خارج کر دیتی ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ قائدِ اعظمؒ اور ان کے ساتھیوں اور تمام اُن مسلمانوں کے ذہن اور حافظہ میں اسلام اور اس کے نظام کے کون سے نقوش موجود تھے۔ جن کے لئے پاکستان حاصل کرنے کی جد و جہد کی تھی؟ اور یہ پاکستانی صدر ایوب خان اور تمام تفریق کرنے والے لیڈر اصولوں کا اعلا

قوم پر جان چھڑکنے کا دعویٰ کرنے والے جب اسلامی نظام کے جاری کرنے کرانے کے بڑے بڑے دعوے کرتے رہے ان کے دماغوں میں کیا تصور تھا؟ اگر انھوں نے اسلامی نظام اور غیر مسلموں سے جدا کوئی لائحہ عمل اپنے اسلام کے نام پر تجویز کیا تھا تو وہ کیا تھا؟ یقیناً وہ قرآن اور خاتم الانبیاءؐ کے اسوۂ حسنہ ہی کو اسلام سمجھتے تھے۔ مگر ان سب پر افسوس کہ انھوں نے کسی وقت بھی اس کو جاری کر کے اپنے ہزاروں عہد و پیمانوں کو پورا نہیں کیا۔ اور وہی برطانیہ کا پاسبانِ جرائم قانون مسلط رکھا۔ جس سے نجات حاصل کرنے کے واسطے پاکستان بنوایا تھا۔

کیا یہ بات کسی ملک اور قوم کی عزت اور سچائی، صداقت اور ایفائے وعدہ کی مبارک صفات کے سخت ترین توہین اور بدنما داغ نہیں ہے کہ وہ عمر بھر جھوٹ اور فریب ہی سے کام لیتے رہے۔ اور اسلام کا نام لے کر کفر و شرک اور بدترین بداخلاقیاں ملک میں پھیلاتی رہے۔ اور یہی بات ہمارے موجودہ چیف مارشل لاء جنرل آغا محمد یحییٰ خان صاحب صدرِ پاکستان نے ۲۰ اپریل ۱۹۶۹ء کے اخبارات کے ذریعے ظاہر کی ہے۔ اور بڑے طمطراق کے ساتھ فرمایا ہے کہ ہمارا اصل مقصد یہ تھا کہ ہم آزاد وطن (پاکستان) میں اپنی زندگیاں اسلام کی اخلاقی اور روحانی اقدار میں ڈھالیں گے۔ اس قومی جدوجہد میں جو قربانیاں دی گئیں انہیں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ یہ جملے ہمارے بہادر محافظ ملک موجودہ صدرِ پاکستان چیف مارشل لاء آغا محمد یحییٰ خان صاحب کے ہیں۔ جو میں نے ۲۰ اپریل کے نوائے وقت کے صفحہ ۱ کالم ۴ سے نقل کئے ہیں۔ آخر ان کے ذہن مبارک میں بھی تو کوئی نقشہ اسلامی اقدار کا ہوگا۔ جس کے سانچے میں

وہ اخلاقی اور روحانی قوتوں کو ڈھالنا چاہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ پھر وہ اسلامی اقدار جو اخلاق کی درستی اور روحانیت کی ترقی کا ذریعہ ہیں آپ نافذ کیوں نہیں کرتے؟ آپ کے اس مذکورہ عقیدہ کی تہ دل سے لئے تو آپ کو شہری موقع عطا فرما دیا۔ آپ کو اپنی عطا فرمائی ہوئی طاقت اور قوت کا کرشمہ بھی دکھا دیا کہ جو سیاسی جراثیم اپنے اقتدار اور دولت اندوزی کے نشے میں بدمست ہو کر ملک کو تباہی اور بربادی کے کنارے پر پہنچا چکے تھے۔ آپ کی ایک ہی آواز سے بلوں میں گھس گئے اور ان کی لگائی ہوئی فتنہ وفساد اور تخریب ملک کی آگ آپ ہی واحد میں بجھ گئی۔ اپنی بڑی طاقت وقوت اور خدائے تعالیٰ کے عطا فرمائے ہوئے دبدبہ سے بھی آپ نے اسلامی نظام اور قرآنی اقدار کو جاری کر کے ہمیشہ کے لئے جراثیم سیاست کی مہلک ترین تخریبی جدوجہد کا منحوس دروازہ بند نہیں کیا! آپ یہ جانتے اور دیکھتے ہوئے کہ سیاسی جراثیم کے مضر ترین نظریات پر آپ کے پاکستان کی اکثریت ناہنجار نے ملک کو فنا کرنے میں کسر نہیں چھوڑی تھی۔ پھر بھی آپ نے ان کی خلافِ اسلام جدوجہد اور ملک کو تباہ کرنے والے یعنی طریقِ جمہوریت کی پشت پناہی کر دی۔ جب ہمارے موجودہ صدر محترم! چیف مارشل لاء جنرل آغا محمد یحییٰ صاحب اپنے ماتحتوں کو ایسی مبارک ہدایات دینا اپنی صدارت کے فرائض میں سے سمجھتے ہیں کہ زیر دستوں، ماتحتوں کو اپنے عملی کردار سے جو صلاحیتیں دیں گے وہ ان کے مطابق ہی وہ اپنے فرائض میں پورے اتر سکیں گے۔ اور صدرِ محترم ہی کے یہ جملے بھی ہیں کہ مجھے پوری امید ہے کہ آپ ان روایات کو برقرار رکھیں گے کہ آپ ان کی صحیح ترین ذہنی

کہہ سکتے ہیں۔ اُنہیں صحیح معنوں میں محب وطن بنا سکتے ہیں۔ اور ان میں قوم اور ملک
کے تحفظ کا صحیح جذبہ پیدا کر سکتے ہیں۔ آپ کو ملک و ملت کا پورا اعتماد حاصل کرنا
ہوگا۔ یہ جناب صدرِ پاکستان جنرل محمد یحییٰ خان صاحب کے ارشادات ہیں جو
مورخہ ۱۳ اپریل ۱۹۶۹ء اتوار کے نوائے وقت اخبار کے کالم ۵ سے لیے
گئے۔ وہ اگر یہ صحیح مفہوم کے ترجمان ہیں تو یقیناً نہایت قابل قدر ہیں۔

اب میں صدر محترم سے یہ عرض کرنے کی جسارت بھی کر سکتا ہوں کہ آپ
بنیادی حقوق اور جمہوریت کے نعرے لگانے والوں کے عقائد اور اعمال کا
بھی جائزہ لیتے رہیں گے۔ سیاسی دکانیں چمکانے کے لئے بڑے بڑے
زمینداروں اور امیروں کے بچے جن کے پاس اتنی دولتیں ہیں کہ ان کو دال
آٹے کے بھاؤ کی بھی خبر نہیں ہوتی اور ان میں سے بھی اکثریت ان کی ہے
جن کو اپنی جاگیرداری اور سرمایہ داری کے حصول کے لئے بڑے ظالمانہ
کردار ادا کرنے پڑے ہیں جو بھی قابل بیان نہیں ہوتا۔ اگر آپ کا حافظہ بفضلہ تعالیٰ صحیح
سالم ہے تو آپ کو یاد ہوگا کہ نوابزادہ لیاقت علی خان صاحب جو کہ پاکستانی
شہیدِ ملت بھی کہلاتے ہیں۔ کس قدر خوش اسلوبی سے حکومت کر رہے تھے۔
لیکن ان اقتدار کے بھوکوں کے جذبات حرص و آز اور حسد نے انہیں کی ۵ سالہ
وزارت ہی کو دشمنی کی نگاہوں سے دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ اور میں نے خود ان
اخبار نویس اور رسالوں کے ایڈیٹروں اور صاحب نظر کی زبان سے یہ الفاظ سنے
تھے۔ یہ لیاقت تو حکومت اور وزارت عظمیٰ کو چھوڑنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ کیا
یہ اس کے باپ کی میراث ہے؟ آپ اپنی خداداد منصفانہ عقلِ سلیم سے دیکھئے کہ

ان کے وقت میں کیا خرابیاں اور بدنظمیاں تھیں؟ جہاں تعمیر کی آبادکاری کا کام بھی زوروں پر ہو رہا تھا۔ اور ہر چیز لوگوں کی قوت خرید کے مطابق ہی سستی تھی۔ غلے اس قدر سستے تھے کہ گیہوں کا آٹا روپیہ کا پانچ سیر تھا۔ مسلم لیگیوں کے وارے کے نیارے تھے۔ مگر ان تخریب ملک و قوم اور خودغرضی کے حامیوں نے خدا ان کا برا کرے۔ ان کو تحفظ ملک و ملت کی مبارک صفت سے محروم کر دیا اور قائد ملت کو شہید ہی کر کے چھوڑا۔ اور اس ترکیب سے شہید کر دیا گیا ان کے وارثوں کی داد و فریاد بھی ختم ہو کر رہ گئی اور آج تک بڑی ہستی جیسے محب وطن کے قتل کے محرکوں اور قاتلوں کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ اور الحاج خواجہ ناظم الدین کی حکومت بھی اچھی تھی۔ مگر قائد ملت اور شہید ملت کی طرح وہ بھی ہمدرد تھے۔ مشرقی پاکستان کے رہنے والے ان کی مفید حکومت سے فیض کرنے سے بھی بہت جلدی محروم کر دیئے گئے اور ختم نبوت کی تحریک کے بہانے ان کی حکومت کا بھی خاتمہ کر دیا گیا۔ پھر ووٹوں کے ذریعے الیکشن کی بیماری کا دور دورہ ہوا۔ چونکہ یورپ زدوں کی گھٹی میں پڑی تھی۔ اور امیروں۔ بڑے بڑے زمینداروں کو روپیہ کا لالچ دلا کر کہیں دھمکی اور ڈراوے کے ذریعے اور کہیں غنڈوں کو ملازم رکھ کر کامیابی کے طریقے تو یاد تھے ہی انہوں نے کامیابیاں حاصل کیں اور بنیادی حقوق اور جمہوریت والی حکومتیں ہوتی رہیں۔ مگر تخریب ملک و قوم میں کسر نہیں چھوڑی۔ جس پر صدارتوں کے دور شروع ہو گئے۔ اور ان صدارتوں کا جو حشر ہوا وہ بھی آپ کو معلوم ہے میں نے اسی لئے قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے کہا تھا کہ جناب پہلے آپ قوم کو حکومت کے قابل بنا لیتے تو حکومت دلواتے۔ تو فرمانے لگے۔ جب سر پر

پڑتی ہے۔ تو قابلیت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر میرا خیال بالکل صحیح نکلا کہ یورپ کی تقلید اور سیاستِ مغربی نے ملک کے اکثر و بیشتر امیروں، رئیسوں اور حاکموں کو اپنے شکنجے میں رکھ کر مکر و فریب ہی کے کرشمے دکھائے اور ہمیشہ ہی اس الیکشن کی لعنت کی بدولت مال و متاع کا ضیاع بھی ہوتا رہا۔ دشمنی اور عداوت نے بھی اسلامی اخوت اور اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا۔ اور اسی الیکشن اور ووٹوں کے لئے میدان صاف کرنے کی خاطر جو مظالم ہوئے وہ عقل مندوں کو حزن و ملال کا کافی سامان پیدا کر گئے۔ اور میں کہتا ہوں کہ دنیا میں بھی خدائے تعالیٰ کے غضب سے محفوظ نہیں رہے۔ آج کل تو اکثر اخباروں میں آتا ہے کہ مشرقی بنگال۔ جسے مشرقی پاکستان بھی کہا جاتا ہے خدائے تعالیٰ کا عذاب اور غضب نمایاں ہو رہا ہے۔ پریس تو اپوزیشن جانے سیاسی میدان کے پہلوانوں کے سب سے زیادہ گُن گاتے اور الیکشن جیسی بدترین لعنت کی حمایت میں تمام اخباروں سے بیشتر والے اخبار نوائے وقت میں ہی کئی دن تک، یہ بدترین مظالم ہوتی موٹی سرخیوں سے پڑھے ہیں کہ مشرقی بنگال میں مسلمان کہلانے والوں نے مسلمانوں کے ہزاروں مکانوں، دکانوں اور کوٹھیوں کو آگیں لگا کر خاک کا ڈھیر بنا دیا تھا اور لاکھوں انسانوں کو مصیبت میں گرفتار کر دیا تھا۔ اور عذاب جو گردن راوی نوائے وقت نے ہی یہ بھی لکھا تھا کہ غنڈہ گردی کے دورانِ شباب میں بہت سے مسلمانوں کو زندہ جلایا گیا۔ اور کئی آدمیوں کو پیڑوں سے باندھ کر اُن کے جسموں پر کیلیں گاڑ دی گئی تھیں کیا ایسی ظالم قوم کو اللہ تعالیٰ جیسے ربُّ العالمین رحیم و کریم، خالقِ کل اور

حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ رحمت اللعالمین سے شمہ بھر لگاؤ تعلق
بھی ہو سکتا ہے ؟ اور کیا اللہ تعالیٰ اس قدر ظلم و ستم پر بھی انتقام اور بدلہ
لئے بغیر رہ سکتا ہے ؟ اگر وہ ظالموں کو سزا دینا موقوف کر دیتا تو شداد، نمرود
اور فرعون وغیرہ ظالموں کی حکومتیں برباد نہ ہوتیں اور پھر مغربی پنجاب جس کو بدقسمتی
نہنہاد تمام فرنگی کا خور پر مغربی پاکستان کہہ کر بدنام کیا جاتا ہے اس کے علاوہ
اور اس صوبہ میں کچھ کم ظلم و ستم ہوئے ؟ معصوم بچوں، بےگناہ عورتوں، اور
بے قصور بوڑھوں پر بسوں اور ریلوں میں پتھراؤ کئے گئے بہت سے
لوگوں کی دوکانیں لوٹی گئیں، مکانوں کو جلایا گیا۔ ظالمانہ بلکہ کافرانہ ہڑتالوں
اور جلوسوں کے ذریعے ملک کی معیشت اور زندگی کو اجیرن بنا دیا گیا۔ کیا
خدائے تعالیٰ تمام مخلوق سے زیادہ رحیم و کریم ہو کر بھی مظلوموں کی داد و فریاد
نہیں سنے گا ؟ یاد رکھئے کہ خدائے تعالیٰ کی لاٹھی بے آواز بھی ہوتی ہے۔

اے میرے محافظِ ملک و ملت ، فوجی بہادرو ! کیا آپ الیکشن کی لعنت
کو جائز رکھ کر ہمیشہ ملک اور ملک والوں کے لئے دائمی عذاب کی بنیاد قائم کرنا
گوارہ فرما سکتے ہیں ؟ اور کیا اس قدر قبیح تریں تخریبی کاروائیاں کرنے والے
دشمنانِ ملک و ملت کی ناپاک خواہشات کو پورا کرنے کا دروازہ بالغ رائے
دہی اور جمہوریت کے نام پر کھولنا چاہیں گے ؟ اگر آپ میں شمہ بھر بھی
خدائے تعالیٰ اور اس کے رؤف الرحیم خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی قدر و منزلت اور محبت و عقیدت ہے تو اس ظالمانہ طریق بربادی،
ملک و ملت الیکشن کو اپنے زورِ خداداد سے ہمیشہ کے لئے بند کر کے

اپنے ملک کو فتنہ و فساد اور تمام قسم کی خرابیوں سے ہمیشہ محفوظ رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ اور حضور اکرمؐ کا بیان کردہ اسلامی نظام جاری کر دیجئے۔ کیا آپ کے نزدیک خدائے قدوس جیسے مالکِ مطلق اور اس کے رحمت اللعالمین نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اتنا حق بھی نہیں کہ ہم اُن کے مبارک احکام کو مان کر اور ان کی تعمیل کی برکت سے تمام اقسام کی خوبیاں حاصل کرنے اور برائیوں سے بچنے بچانے کے لئے بسر و چشم مان جائیں اور ان کی مرضی کے خلاف کسی طماع، لالچی اور خود غرض کے دامِ فریب کا شکار بن کر مصیبتیں نہ جھیلیں؟ مجھ کو تو جی سو فیصدی سے پوری امید ہے کہ وہ اسلامی نظام قائم کر کے ہر قسم کی تخریبی و تفریقی لعنت سے ملک و ملت کو دائمی سکون واطمینان اور امن و امان بخشیں گے ۔

اگر اسلامی نظام ہو جائے تو اس کی بدولت تمام پاکستانیوں کو اطمینان ہو جائے گا۔ اور وہ اس مراد اور مقصد میں اپنے کو کامیاب سمجھ کر ہمیشہ کے لئے آپ کے ممنونِ احسان رہیں گے جس کے لئے انھوں نے قربانیاں دے کر پاکستان بنوایا اور آپ کی ہدایات یا منشور میں یہ جملہ بھی ہے۔ کہ پاکستان جس مقصد کے لئے بنایا گیا وہ پورا ہونا چاہئے۔ اسلامی اقدار کے قیام اور ان پر عمل کرنے کرانے کو آپ بھی تعمیرِ پاکستان کی بنیادی غرض سمجھتے ہیں۔ آپ اخبارات بھی ضرور پڑھتے ہوں گے۔ خدائے تعالیٰ کو اپنا خالق اور مالک اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا ہادی، رہنما اور رحمت اللعالمین ماننے والے کو تو دل و جان سے چاہئے۔ کہ

قرآنِ حکیم اور اسوۂ نبی رؤف الرحیمؐ کے مبارک احکام کا پورے طور پر نظام ہو اور اللہ تعالیٰ ہی کی حکومتِ حقہ کے تمام پاکستانی محکوم بن کر رہیں تو یقیناً اُن تمام لوگوں کی خوشی اور رضامندی کا ذریعہ اور حقیقی طور پر پاکستان اور پاکستانیوں کی مستقل حفاظت اور ترقی حفاظت بھی صرف اسلامی نظام ہی سے ہے۔ غور کیجئے اور ایمان کی نظر سے دیکھئے کہ آپ کی عدلیہ، اور سپریم کورٹ کے مانے ہوئے نہایت ہمدردِ ملک و ملت چیف جسٹس کارنیلئس صاحب کا عقیدۂ راسخہ یہ ہے کہ دنیا میں امن و امان کا ذریعہ صرف اسلامی نظام ہی ہے۔ اور تمام ممالک میں اس تیز رفتاری اور زراندوزی کی دوڑ دھوپ کے زمانے میں جرائم اور حیوانیت کا جو دور دورا ہے صرف اسلامی سزاؤں ہی سے ملک والوں کو ہر قسم کے جرائم سے بچایا جا سکتا ہے۔ اسلامی سزاؤں کے سوا کوئی طریقہ بھی انسانی اور مفید معاشرہ پیدا نہیں کر سکتا۔ ایسے مبارک نظامِ اسلامی سے بھلا تمام پاکستانی کیوں خوش نہ ہوں گے۔ اب رہے چند حاسدین اور اقتدار کے طالب مغربی سیاست داں تو اسلامی نظام میں اُن کو بھی ان کی قابلیت کے مطابق سرکاری عہدے دیکر اُن کی تسکین کی جاسکتی ہے اور بالفرضِ محال اگر چند دشمنانِ ملک و ملت ان مناسب منصوبوں کو رکھ، اپنے تخریبی جذبات کا مظاہرہ کریں گے تو اسلامی سزاؤں کے ذریعہ وہ بھی سیدھے کئے جائیں گے۔ اور وکیل بیرسٹر یا انگریزی تعلیم و عمل اور مغربی تہذیب و تمدن کے مانے ہوئے جو اسلام سے عدم واقفیت کی وجہ سے یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اسلامی نظام اور خدائے تعالیٰ کی حکومت

ہیں ہماری دال نہیں گلنے گی اور ہم بالکل بیکار ہو جائیں گے۔ تو یہ خیال خام ہے۔ چونکہ اسلامی نظام اور معاشرہ میں بیکاری بھی جرم ہے۔ یقیناً پاسبانِ جرائم قانونِ برطانیہ کے حفاظ کو بھی خدمتِ قوم و ملک کے ایسے کام مل جائیں گے جو حلال روزی کا ذریعہ ہوں گے۔ اور یہ لوگ جھوٹی اور بناوٹی کارروائیوں اور باطل پرستی کی لعنت سے بھی ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائیں گے۔ ان کو ان کی قابلیت کے مطابق عزت اور احترام کے کام اور بڑی بڑی نوکریاں مل جائیں گی۔ اگر ان میں نیک طینت حضرات دینِ خداوندی اور قانونِ الٰہیہ، شریعتِ محمدیہ کے اجراء و نفاذ کا جذبہ پیدا کرلیں گے تو پھر بڑے منصف اور قاضی بھی بنائے جا سکیں گے۔ اسلامی نظام ہی میں انسانوں کی صحیح قدر و منزلت ہوتی ہے۔

اسلامی احکام کے فائدے:

یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ اسلام کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری، اطاعت اور سلامتی، امن و امان کو قائم رکھنا۔ یہ معنی ہی دنیا کے ہر عقل مند اور نیک طینت کے اطمینان کا باعث ہیں۔ اور تاریخیں بھی اس امر کی شہادت دیتی چلی آتی ہیں کہ اسلامی نظام کے ذریعے جو اسلامی احکام جاری رہے وہ تمام مخلوق کے محافظ تھے۔ اور آج کل سعودی عرب میں بھی تمام ملکوں کے مسلمان فریضۂ حج و عمرہ کی ادائیگی کے لئے جاتے اور اسلامی احکام کی برکتیں دیکھتے ہیں اور اپنے ملکوں میں بھی جا کر بیان کرتے ہیں۔ پھر تیل کی وجہ سے بہت سے مغربی لوگ بھی وہاں کاروبار کے لئے آتے جاتے رہتے ہیں۔ وہ بھی دیکھتے ہیں۔ اس سے میری غرض یہ ہے کہ اسلامی احکام کا اجراء ہر زمانے ہی میں انسانوں کے اعمال و اخلاق کی

درستی کا ذریعہ ہے۔ اس قدر ظاہر حقیقت کے باوجود بعض نادان لوگ جو بڑی بڑی انگریزی کی ڈگریاں بھی رکھتے ہیں۔ کہنے لگتے ہیں کہ دنیا میں کبھی اسلامی نظام بھی ہوا ہے؟ ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی آدمی دن میں سورج کی آب و تاب، چمک دمک سے دنیا اور فضائے عالم کے روشن ہوتے ہوئے بھی کہنے لگے کہ دنیا میں کبھی سورج بھی نکلا ہے؟ بتائیے کہ یہ کیسی بات ہے۔ ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ٭ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ ہے

اللہ اللہ یہ کیسی نادانی اور جہالت کا دور ہے کہ وہ نظامِ اسلامی جو اس وقت سعودی عرب میں اپنی روشنی سے تغریق اور جرائم کے اندھیروں سے فضائے سعودی عربیہ کو پاک وصاف کئے ہوئے ہے اور جس کی آب و تاب کا یہ عالم ہے دنیا کی تاریخ کو قیامت تک منور کرتا رہے گا۔ کہ حضور آقائے نامدار سردارِ دو عالم خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اور آپؐ کے اہلِ بیتِ اطہار علیہ السلام اور صحابۂ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین نے چند ایام ہی میں دنیا سے ظلم وستم، بغض وعناد، جہالت اور ہر قسم کے تعصبات کی کاوشوں کو دور کر دیا تھا۔ اِس دین اور نظامِ اسلامی کو ناقابل عمل سمجھنا یقیناً بدترین جہالت ہے۔

علیکم رہ بحق نماید جہالت است۔ بالکل صحیح ہی فیصلہ فرمایا ہے حضرت سعدیؒ نے۔ ہم ان تجاہلِ عارفانہ کی ڈینگیں مارنے والوں سے پوچھتے ہیں کہ جس خطۂ پاک عرب میں قرآنی اسلامی نظام ہے کیا وہاں شراب خانے ہیں؟ رشوتیں ہیں؟ زناہے؟ جوئے، ریسوں کے اڈے ہیں؟ چور بازاری ہے

استعمال کی چیزوں میں ملاوٹ ہے، چوری ڈاکے، رہزنیاں، اغوا اور فریب کاریوں کی گرم بازاریاں ہیں؟ گانے بجے اور بھنگ گھوٹنے کی دوکانیں ہیں؟ کنجری رنڈیاں اور ہیجڑے نظر آتے ہیں، یا مستورات اپنے اعضائے نسوانی کی نمائش کے مظاہرات پر اسی طرح دلیر ہیں جیسے کہ یورپی، مغربی ملکوں، اور یہاں ان کے مقلدوں کے گھر والوں کی عورتوں میں ہیں؟ ذرا آنکھیں کھول کر اور بالله تعالیٰ کی عطا فرمائی ہوئی عقل سے غور کرکے بتائیے کہ اسلامی نظام کی یہ خوبیاں ہیں اور جرائم و بدکرداری، ریا و نمود اور بداخلاقی کی بیماریاں کس کی برکت سے دور ہوگئی ہیں۔ صرف اسلامی نظام کی برکت ہے ہاں سب سے بڑی اور انسان کی نشوونما اور ترقی کو روکنے والی انتخابات بالغ رائے دہی اور الیکشن کی لعنت ہے جو ملک کی دولت، اتحاد و اتفاق بلکہ انسانی اخلاق و اطوار کو بھی فنا کرتی ہے کیا وہ سعودی عرب میں اپنی نحوست کی بدبو سے تعفن پھیلا رہی ہے؟

اسلامی شرم وحیاء کے مظاہرات: میرے جدید تعلیم اور تہذیب کے پرستار

بھائی بہنو! آپ نے کبھی تو آسمانی کتابوں میں حضرات انبیائے عظام علیہ السلام کے مبارک حالات پڑھے یا سنے ہوں گے۔ جتنے بھی نبی گزرے یا نبیوں کے ماننے والے ہوتے رہے ان کے نزدیک شرم وحیا ایمان کا جز اعلیٰ مانی گئی۔ ان کے حالات میں شرم وحیا اور پردے خصوصاً عورتوں کی پردہ داری انتہائی عروج پر رہی۔ میں تو اس وقت آپ کے سامنے ایسی مثالیں پیش کر رہا ہوں

جن کی آپ کی انسانی طاقت شاید اور گواہ بن جائے گی اور آپ کو ماننا ہی پڑیگا کہ نبیوں میں اور ان کے ماننے والوں میں انتہائی شرم و حیا اور پردہ داری تھی۔ اس وقت تمام عالم میں سب سے زیادہ بے حیائی، بدکرداری، بلکہ انسانی شرافت کو مٹانے والے طور طریقے مغربی ممالک ہی میں ترقی کر رہے ہیں کہ اکثر اہلِ عالم نے اُن کی بدکاریاں ظاہر کرنے میں اپنی زندگی کا شعار بنا لیا ہے اور ایسے شریف گھرانوں کی مائیں، بہنیں، بہو بیٹیاں اپنی سمر نمائی میں سبقت حاصل کرنے میں مصروف ہیں کہ جن کے گھروں کی عورتوں کی آوازیں بھی نامحرم لوگ نہیں سُن سکتے تھے۔ دنیا میں اس وقت تمام بے شرمیوں اور بدکرداریوں کی وبا صرف مغربی ممالک یا ان کے ناہنجار پرستاروں کے ذریعہ سے پھیلی ہوئی ہے۔ لیکن قربان جائیے اُس خدائے قدوس کے جس نے اُس کی حقیقت سے نا آشنا نظروں کے سامنے اپنے پیارے نبیوں کی پاکبازیوں اور شرم و حیا کے جلوے پوشیدہ نہیں رکھے۔ مغربی ممالک ہی کی عورتیں ہمارے پاکستان میں حضرت مسیح علیہ السلام کی شریعت یا کتاب کے پھیلانے والیاں موجود ہیں۔ جن کو شاید نن کہتے ہیں۔ دیکھئے تو ان کے لباس کیسے ہیں کہ بعض کے لباسوں کی پردہ پوشی تو اس قدر زیادہ ہے کہ ایک عضوِ نسوانی بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ لمبے لمبے لباس پاکستانی اور پھر سر پر بھی ایسا کپڑا ہوتا ہے کہ سر کا ایک بال بھی نظر نہیں آتا۔ صرف چہرہ اپنی شرافت اور پاکبازی کا مظہر ہوتا ہے۔ پھر اکثر گرجوں میں حضرت مریم علیہا السلام کی تصویر یا بُت بھی لگے ہوتے ہیں۔ آپ ذرا انصاف کی نظر سے

حضرت مریم علیہا السّلام کی تصویر کو دیکھئے کہ چہرہ کے سوا کوئی چیز بھی بدن کے اعضا میں سے عریاں نظر نہیں آتی !! یہ ہے حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی مبارک شریعت کا لباس۔ آپ خود دیکھتے ہیں کہ مغربی ملکوں کے لوگوں میں دنیا کی عیاشی اور مال و دولت کی طلب اس قدر غالب آگئی ہے۔ کہ انھوں نے روحانیت اور نبیوں کی مبارک تعلیم سے بالکل منہ پھیر لیا ہے۔ وہاں تو نبیوں یا حضرت مسیح علیہ السلام کا نام بھی صرف اسی لئے لیا جاتا ہے کہ ان کے تمام گناہوں اور بدکاریوں کا جواز ثابت ہوتا رہے۔ انھوں نے اس عقیدہ کو صرف مذہبی مان لیا ہے کہ ہمارے تمام گناہوں اور بدکاریوں کا کفارہ حضرت مسیح علیہ السلام کی سُولی کی سزا سے ہو گیا۔ چنانچہ کہ اللہ تعالیٰ کے نہایت ہی برگزیدہ نبی کو انھوں نے گناہوں اور جرائم کی سزاؤں سے بچانے والا سمجھ کر خدائے تعالیٰ کا باغی بنا دیا ہے کہ اب خدا کسی جرم کی سزا نہیں دے سکتا۔ بلکہ بعض پادریوں نے بھی ان کو اپنی کتابوں میں یہ بھی جتا دیا کہ شریعت، قانونِ خداوندی لعنت ہے اور حضرت مسیحؑ اس سے بچانے کے لئے آئے۔ گویا حضرت مسیح نعوذ باللہ خداوند تعالیٰ کے بدترین دشمن اور باغی تھے کہ وہ اس کے احکامات اور قوانین کو فنا کرنے اور لوگوں کو لاقانونیت کی بڑی تعلیم دیتے تھے۔ یہی ناہنجار اور باغیانہ طریقہ ان انگریزوں کے بجاریوں نے اختیار کر لیا ہے کہ بے شرمی، بے حیائی اور ہر بدکاری کو اپنا شعار اور قابلِ فخر کارنامہ سمجھتے ہیں۔ مغربی زدہ مرد و عورت الیکشن جیسی بدترین لعنت کے بھی پرستار ہیں اور ملک والوں کو بھی اپنی طرح ہی خدائے تعالیٰ کا

باغی بنانا چاہتے ہیں۔ مسلمان کے لئے اس سے بڑا گناہ کوئی نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو تمام دنیا کا خالق و مالک جان کر بھی اس کے احکام پر عمل نہ کرے اور اس کے احکام کے خلاف دوسروں کے حکموں کو ماننے یا ان کی تابعداری اور اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے بہتر سمجھے۔ میرے پیارے بھائی بہنو! جبکہ آپ کا عقیدہ ہے کہ تمام دنیا کا خالق اور مالک اور ضرورتوں کا پورا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تو پھر آپ اس کے غیروں خصوصاً اس کا حکم نہ ماننے والوں اور ان کی رایوں سے بنائے ہوئے قاعدوں کو اپنے ملک والوں پر مسلط کرنے کی بدترین کوشش کرتے ہیں جو ابھی ابھی آپ کے ملک کو بھارت جیسی دشمن کی نذر کرنے کے ارادہ سے مجرم بن چکے اور ملک والوں کی تباہی کی کوشش کر چکے ہیں۔ اور الیکشن جیسی لعنت کے پرستار بھی ہیں! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ مرتبوں اور اپنی عملداریوں وزارتوں کے شیدائی الیکشن کے ذریعے ملک میں تباہی اور بربادی ہی لاتے ہیں۔ کوئی ملک تو ان سیاسی جرائم اور جاہ طلبوں کا ایسا بتائیے کہ جہاں ملک والوں پر لوٹ مار، قتل و غارت اور باہمی جنگ و جدل کا بازار گرم نہ ہوتا ہو۔ یہ تو انگریزوں نے اسی لئے نکالا تھا کہ ملک والے آپس میں لڑتے جھگڑتے رہیں اور جب فسادات، قتل و غارت تمام ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لے تو پھر ان کو ڈنڈے کے زور سے اپنا فرمانبردار بنا کر حکومت کریں۔ دیکھئے سعودی عرب بھی تو ایسی جگہ ہے جہاں دنیا کے حاجی اور عاشقانِ خدا و رسولؐ ہر سال کروڑوں کی تعداد میں جا کر زیارتوں کا شرف حاصل کرتے ہیں۔

وہاں نہ الیکشن ہے اور نہ اس کی نحوست توڑ پھوڑ، قتل و غارت اور ملک والے باہمی لڑائی جھگڑوں میں بھی گرفتار نہیں۔ ہر آدمی ایک دوسرے کی خدمت اور معاونت کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ اور جو نافرمان سرتابی کرتے ہیں ان کو فوراً اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق سزا دی جاتی ہے۔ اللہ کے فضل سے وہاں نیکیوں اور باہمی اخوت اور اتحاد ہی کے جلوے نظر آتے ہیں۔ یہ ہے مسلمانوں کے لئے فخر کی بات کہ ان کی کتاب قرآن حکیم اور ان کے سردار خاتم المرسلین کے ارشادات پر عمل کرنے کی اسی نے ان کو تمام لعنتوں سے بچا رکھا ہے۔ کیا اس کو بھی کوئی مسلمان کہہ سکتا ہے جو خدائے تعالیٰ، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امن و امان اور دنیا کے اطمینان والے قانون سے سرتابی کر کے دوسروں کا بندہ اور غلام بن جائے؟

تازہ روایت: ملک حاجی قمر الدین صاحب، جن کی بھاٹی دروازہ کے باہر بس اسٹاپ کے پاس ڈیرے، خیموں اور شادی بیاہ کا سامان کرایہ پر دینے کی دوکان ہے۔ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسی سال حج جیسے قابل قدر فریضہ کی ادائیگی کا شرف حاصل کر کے تشریف لائے ہیں۔ میں ان کی زیارت کو گیا۔ چونکہ وہ میرے کرم فرما اور دینی باتوں سے بہت ہی دلچسپی رکھتے ہیں۔ میں نے ان سے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے حالات دریافت کئے۔ انھوں نے بہت ہی مسرت اور فخر سے فرمایا کہ وہاں اللہ تعالیٰ کا قانون اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک سنتوں پر عمل ہوتا ہے۔ خلافِ شریعت کام اور معاملات کا نام تک نہیں ہے اور

لوگوں میں بہت اطمینان ہے۔ اور وہاں کے رہنے والے واقعی اسلامی اخوت اور باہمی اتحاد و اتفاق کی دولت سے مالا مال ہیں۔ فرمانے لگے کہ میں نے کپڑے کی ایک دوکان پر دیکھا کہ ایک حجن صاحبہ جو میرے قریب ہی قیام پزیر تھیں۔ وہ کپڑے کی دوکان پر کپڑا لینے لگیں۔ کئی قسم کا کپڑا پسند کیا۔ جس کی قیمت بھی کافی بنتی تھی۔ لیکن جب انھوں نے اپنی جیب ٹٹولی تو خالی تھی۔ کپڑے والے سے کہا کہ میں روپیہ مکان پر بھول آئی ہوں۔ آپ کپڑا یہیں رکھئے میں روپیہ لے کر آتی ہوں۔ کپڑے والے بھائی نے کہا میری بہن آپ کپڑا تو لے جائیے۔ روپیہ پھر جب آنا ہو دیدیجئے گا۔ اِن صاحبہ نے کہا بھائی جان آپ ایک بچہ (جو قریب ہی بیٹھا تھا اس کی طرف اشارہ کر کے کہا) میرے ساتھ بھیج دیجئے۔ میں اس کو دیدوں گی۔ تو دوکاندار نے بڑے ہی اعتمادی لہجے میں بہن جی آپ مجھ کو اپنا بھائی تصور کیجئے۔ مجھ کو آپ کی طرف سے مطلق بدگمانی نہیں ہے۔ یہ کہتے ہوئے اس دوکاندار نے کپڑا اپنی پاکستانی اس بہن کے حوالے کر دیا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بنائی ہوئی بہن تھی۔ ملک صاحب نے فرمایا کہ میں اس وقت خوشی سے پھولا نہیں سمایا کہ اللہ اللہ۔ یہ لوگ ہیں خدائے تعالیٰ کے شہر کے رہنے والے جو اپنے اسلامی بھائی بہنوں کو سچ مچ بھائی بہن ہی سمجھتے ہیں۔ سینکڑوں روپیوں کی رقم کا معاملہ ہے مگر مکی بھائی کو انجان بہن پر اس قدر اعتماد ہے کہ وہ ہزار روپئے پیسے کے کپڑا دینے پر اصرار کر رہا ہے۔ خیر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو ان حجن صاحبہ نے اپنے بھائی کو صحیح اسلامی اخوت سے بھائی سمجھ کر کپڑا لیا اور چلی گئیں۔ میں بھی چلا گیا۔ پھر ان ہی حجن صاحبہ سے میں نے دریافت کیا کہ آپ نے اس کپڑے والے کو رقم دیدی؟

اور انھوں نے آپ کی دی ہوئی رقم پر اعتراض تو نہیں کیا؟ تو ہنسی کر کہنے لگیں۔ بھائی جی۔ کپڑے والے بھائی نے تو چھوٹتے ہی کہا تھا کہ بہن مجھ کو یاد نہیں کہ آپ مجھ سے کپڑا لے گئی تھیں۔ تو میں نے اس بچے کو بلا کر شاہد کے طور پر پیش کیا اور اس بچے نے کہا کہ یہ ہی جلی کپڑا لے گئی تھیں جب کہیں اس میرے خدا نے تعالیٰ اجر دے دلی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے بھائی نے بادل ناخواستہ دو کپڑے کی قیمت قبول فرمائی۔

حاجی صاحب فرمانے لگے کہ دو غیر عرب ایک جگہ کچھ لوگ زور سے باتیں کر رہے تھے۔ اتنے میں ایک نے دوسرے کے منہ پر تمانچہ رسید کیا۔ پولیس والا آیا اور اس کو پکڑ کر لے گیا۔ قاضی صاحب نے فوراً اس سے پوچھا۔ اُس نے مارنے کا اقرار کر لیا۔ اور قاضی صاحب نے اس کو تین ماہ کی سزا کا حکم دیا۔ پولیس حوالات یا جیل خانہ کی طرف لے گئی۔ پھر آپ نے اپنا واقعہ بھی سنایا کہ مجھ کو ایک دوکان پر بہت ہی خوبصورت استری نظر پڑی۔ میں نے سوچا کہ گھر میں ایسی استری ہوگی تو کپڑوں پر استری کے لئے بہت ہی مناسب ہوگی۔ میں نے دوکاندار صاحب سے کہا کہ اس استری کی کیا قیمت ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ آپ لینا چاہتے ہیں؟ میں نے کہا جی ہاں۔ تو انھوں نے میرے وطن اور شہر کا نام پوچھا میں نے کہا پاکستان میں لاہور شہر کا رہنے والا ہوں۔ تو دوکاندار نے کہا کہ یہ آپ کے کام کی نہیں ہے۔ آپ کے

یہاں کی بجلی سے یہ کام نہیں دے گی۔ اور آپ کے روپئے ضائع ہوں گے۔ آپ کے کام کی استری جدہ میں جل جائے گی۔ میں یہ سن کر بہت خوش ہوا کہ خدائے تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب بھی کلام پر عمل کرنے کا اس کے مبارک شہر میں لوگوں کو پورا خیال ہے۔ بھائیو! میں نے بہت سے حاجیوں سے معلوم کیا ہے کہ وہاں بے حیائی، جھوٹ فریب اور کسی کو دھوکہ دے کر روپیہ کمانے کا خیال نہیں ہے۔ لوگ تمام ہی معاملات میں درست اور اسلامی احکام پر کاربند ہیں۔ ہمارے ملک میں لوگ بات بات پر گالی گفتاری اور مار پیٹ پر اتر آتے ہیں۔ وہاں عورتوں میں بھی باہمی مخالفت کے وقت غیر شرعی بد کلامی نہیں ہوتی۔ جب زیادہ غصہ میں ہوں گی تو کہیں گی۔ اللہ کریم، اللہ رحیم، اللہ مع الصابرین۔ یہ تو حاجیوں کے نظریات تھے۔

گجرات کاٹھیاواڑ کے مسلمان: میں آپ سے سچ عرض کرتا ہوں کہ میں بمبئی میں کئی بار گیا اور کئی سال رہا۔ پھر ملک گجرات کاٹھیاواڑ، سورت، راندیر، ڈابھیل وغیرہ بھی گیا۔ میں نے مردوں، بچوں کو بھی شرعی پاجامے اور کرتے اور پگڑی یا اسلامی ٹوپیاں استعمال کرتے ہی دیکھا۔ بڑے سے بڑے میمن اور کچھی تاجر، سیٹھ صاحب اپنے گھر کے نوکروں کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ ورنہ جو خود کھاتے وہی نوکروں کو کھلاتے۔ الحمدللہ ان کی عورتیں بھی عربی اسلامی نہایت شرم و حیا اور پردے کا

لباس پہنتی تھیں۔ لمبے چوڑے، نیچے نیچے کرتے۔ شرعی پاجامے اگرچہ
رنگدار اور بعض کے زیادہ قیمتی بھی ہوتے تھے مگر ستر پوش، حفاظت
نسوانیت کوش، سر پر اکثر ماؤں بہنوں کے اچھے موٹے کپڑے کے
ڈوپٹے کہ سر اور سینے وغیرہ کو خوب چھپا سکیں۔ ہاں گھروں میں کام کرنے
والی ماسیاں، بچیاں ڈوپٹے تو نہیں اوڑھتی تھیں مگر سر پر رومال ضرور ہی
باندھتی تھیں۔ میں نے تو بارہ برس کی بچی کو بھی اور کبھی برادری میں کرتے
کے نیچے شلوکا، صدری پہنتے دیکھا۔ میں نے تو کسی مرد میمن سیٹھ یا اُن کے
بچوں کی ناف اور کمر بند نظر آتے نہیں دیکھے۔ آپ خود ہی غور فرمائیے
کہ ان کی عورتیں کرتوں کے نیچے دبیز لباس ضرور پہنتی ہوں گی۔ میں نے
کئی بار صورت، رانڈیر اور اس اطراف کے شہروں، احمد آباد کے قریب و
جوار میں تبلیغی دورے کئے لیکن شرم و حیا، پردہ لحاظ کا دور دورہ
ہی دیکھا۔ گاؤں کی عورتیں مونگ پھلی یا دوسری اجناس کے کھیتوں
میں کام بھی کرتی تھیں تو اُن کا لباس بھی شریفانہ ہوتا تھا۔ بچیوں اور
عورتوں کے سروں پر رومال، نیچے نیچے کرتے، اور عربی یا شرعی
پاجامے۔ بولنے بھی بڑی مہذب اسلامی اخلاق اور شرم و حیا کی
پاسبان ہوتی تھیں۔ اکثر و بیشتر مرد عورتیں نمازی اور قرآن کریم کی عظمت
اور احترام کرنے میں بھی یہ دونوں برادریاں نمایاں حیثیت رکھتی تھیں۔
ایک بات نمایاں ہیں۔ میں نے بہت غور سے دیکھی کہ کرتوں میں بھی جیبیں
لگواتے تھے۔ اور مرد صدریوں میں بھی جیبیں ضرور لگواتے تھے۔ چونکہ

خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ دونوں خاندان تاجر تھے۔ اور روپے پیسوں ہی سے کام رہتا تھا۔ اُن کی عورتیں اور بچیاں بھی اپنے کرتوں میں جیبیں ضرور رکھتی تھیں۔ جہاں کہیں کچھ خرچ کرنا ہوا جیب سے نکال لیا۔ غرض یہ ہے کہ اکثر طریقے اور لباس اسلامی اور شرم و حیا کے تقاضے پورے کرنے والے ہی ہوتے تھے۔

پاکستانیوں کی حالتِ زار؛

میں پاکستان بننے سے پہلے بھی حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحبؒ کے یاد فرمانے اور تار دینے پر شہید گنج کی مسجد کے واگزار کرانے کی جدوجہد کے وقت مغربی اور مشرقی پنجاب میں آیا تھا۔ میں نے دہلی میں مسجد شہید گنج کے معاملے کے متعلق دو پوسٹر ایسے چھپوائے اور دہلی میں لگوائے تھے جس کی اجازت دہلی کے کسی وکیل اور بیرسٹر نے نہیں دی تھی۔ اور برطانیہ کے قانون کی رُو سے وہ انگریزی حکومت اور سکھوں کے غاصبانہ قبضے کی دھجیاں اڑانے میں بے نظیر تھے۔ چونکہ مسجد شہید گنج کی جدوجہد کے پیش رو یا امیرِ ملت اور سربراہ حضرت پیر صاحبؒ تھے۔ میں نے وہ دونوں پوسٹر اُن کی خدمت میں بھی ارسال کر دیئے تھے۔ اور لاہور کے مشہور وکیلوں بیرسٹروں کو بھیج دیئے تھے۔ اور ان کو ملاحظہ فرما کر مجھ کو حضرت پیر صاحب نے تابڑ توڑ ۲ دو تار بلانے کے لئے بھیجے تھے۔ میں جس وقت آیا تو وہ سیالکوٹ کے جلسہ میں تشریف لائے تھے۔ مجھ سے بڑی ہی شفقت

پیش آتے اور چودہ روز اپنے ساتھ رکھا۔ امرتسر بھی لے گئے پھر لاہور بھی ساتھ ہی لائے۔ ساتھ ہی کھانا کھلاتے تھے اور ایسا ہی جگہ میرے سونے کا انتظام بھی کیا تھا۔ ایمان کی بات تو یہ ہے کہ اُن میں رُوحانی طاقت بہت ہی تھی۔ دن رات اُن کو آدمی خصوصاً معتقدین گھیرے رہتے تھے۔ رات کو بارہ بجے اُن کو فرصت ہوتی تھی۔ اور مَیں چونکہ قریب ہی سوتا تھا۔ مَیں نے تو اُن کو اکثر مُصلّے پر ہی دیکھا۔ سچے عبادت گزار تھے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے مریدوں اور متعلقین کو بھی اپنے دین کی تبلیغ و اشاعت کا ایسا ہی شوق عطا فرماتا رہے۔ ہاں تو مَیں نے پنجاب کے مسلمان بزرگوں کو نہایت خلیق پایا تھا۔ عورتیں بھی بہت ہی پردہ دار لباس پہنتی تھیں۔ ڈھیلے ڈھالے کُرتے شلواریں اور سروں پر دوپٹے۔ گاؤں میں کسان یا غریب اور بعض متوسط بلکہ زمیندار گھرانوں کی عورتیں بڑی بڑی لُنگیاں تہبند بھی باندھتی تھیں۔ پھر مَیں نے تو اکثر مائیوں، بہنوں کے کرتوں میں جیبیں دیکھی تھیں۔ مگر آج کل میں اپنی پنجاب کی بہت سی شہری بلکہ دیہاتی مائیوں اور جوان بہنوں بچیوں کو دیکھتا ہوں کہ وُہ کمربندوں (ناڑوں) میں روپے پیسے باندھتی ہیں اور جب بسوں یا تانگوں یا ریلوں کے ٹکٹ گھروں بلکہ بازاروں میں کمربند ہی سے مردوں کے سامنے پیسے نکالتی ہیں تو بعض بچیوں کی نانیں (لونڈیاں) بھی نظر آجاتی ہیں۔ میری پیاری مائی، بہنوں کے لئے تو رانوں، پیٹوں اور خاص کر ناقوں کا چھپانا اہم ترین فریضہ ہے۔ یوں تو عورت کا سارا بدن ہی چھپانے کے قابل ہے۔ مگر سینہ یعنی گردن سے گھٹوں ٹخنوں

تک، چھپانا بھی ضروری ہے۔ پھر وہ اعضائے نسوانی جن پر بُری اور ناپاک نظریں بڑی للچائی ہوئی پڑتی ہوں نہایت ہی شدت سے چھپانے کے قابل ہوتے ہیں۔ چونکہ تمام دنیا کی مسلمان عورتیں میری دینی مائیں بہنیں اور بچیاں ہیں۔ میں اُن کے اعضائے نسوانی کی نمائش پر شرم سے پانی پانی ہو جاتا ہوں۔ مگر لوگوں کے سامنے اُن کی خفگی کے خیال سے خاموش رہنا پڑتا ہے۔ یہ میں ضرور کہوں گا کہ اگر اسلامی نظام جاری ہو جائے تو یہ بے شرمیاں، بے حیائیاں بالکل مٹ جائیں گی۔

بعض لوگوں کا خیال تو دیکھئے: کہتے ہیں کہ اسلامی نظام کہیں دنیا میں ہے؟ حالانکہ ان کے ملک کے حاجی لوگ بھی مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت سے فیض اندوز ہوکر آتے رہتے ہیں اور وہاں کے حالات بیان کرتے ہیں۔ مگر پھر بھی ہمارے بھائیوں کو یقینِ کامل اور اسلامی نظام کے فائدوں سے بے خبری ہے۔ فرض کیجئے کہ اگر دنیا میں کہیں بھی اسلامی نظام نہ ہوتا۔ تب بھی ان مسلمانوں کے دعویداروں کو یہ تو یقینی علم ہوگا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قوانین اور نظام ضرور تھا۔ جس کی بدولت مدینہ شریف میں مسلمان اس قدر قوتیں حاصل کر سکے کہ مکہ کو بھی فتح کر لیا۔ اور صرف ۲۳ سال ہی کے مختصر زمانہ میں تمام عرب اسلام کا زیرِ نگیں ہو گیا۔ اور پھر آپ کے خلفائے راشدین رضی کے مبارک زمانے بھی اسلام کی ترقی اور اسلامی حکومتوں کی توسیع کے قابلِ فخر زمانے تھے۔ اور غالباً آپ کو اس کا علم بھی ہوگا کہ ان کی حکومتوں میں

یہودی، عیسائی، مجوسی اور دوسرے غیر مسلمین بھی آباد بلکہ خوش و خرم اور شاد رہے۔ میں نے تو مخالفینِ اسلام مورخین کی تاریخوں میں بھی پڑھا ہے۔ کہ صرف اسلامی آئین، قانون اور نظام ہی ایسے عدل و انصاف، رحم و کرم اور ملکی معاملات کی خوبیوں کا مرکز تھا۔ جس کو دیکھ اور سن کر دنیا کے لوگ اسلامی نظام سے فیض اندوز ہونے کی تمنائیں کرتے تھے۔
اگرچہ انڈیا یعنی ہندوستان میں شاید تمام مسلمانی حکومتوں میں کامل طور پر نظامِ اسلامی تو نہیں تھا۔ مگر مسلمان بادشاہوں میں اس کے جلوے ضرور نظر آتے تھے۔ میں نے تو جہانگیر جیسے لاپروا بادشاہ کی تاریخ میں بھی پڑھا ہے کہ جہانگیر اور اس کی بیوی نور جہاں بہت ہی رعایا پرور رہے تھے۔ شاہی محل کے دروازے میں ایک ایسی گھنٹی لگی رہتی تھی کہ کوئی انسان، بلکہ حیوان بھی اس گھنٹی کو ہلاتا تو بادشاہ اس کی دریافت فرماتے اور اس کی فریاد یا تمنا اس کو اپنے پاس بلا کر سنتے۔

آہ آہ! یہ پاکستان تو اسلام کے نام ہی پر بنا ہے مگر اکثر و بیشتر صدروں اور وزیروں کے متعلق یہی کہاوت مشہور ہے کہ کسی کا خط بھی ان تک نہیں پہنچایا جاتا۔ ان کے ایڈی کانگ یا پی، اے، ہی اپنی طرف سے جو چاہتے ہیں جواب دے کر ٹلا دیتے ہیں۔ اس میں کچھ سچائی بھی ضرور ہوگی۔ میں کہتا ہوں کہ صدر محمد ایوب خاں کے زمانے میں تو غنیمت تھی کہ جواب تو آجاتا تھا۔ میں نے تو موجودہ محافظِ ملک و ملت چیف مارشل لا محمد یحییٰ خاں صاحب کی خدمت میں رجسٹرڈ عریضہ ارسال کیا تھا۔ آج پندرہ روز سے شاید کچھ

زیادہ ہی دلی ہو گئے۔ مگر ابھی تک کسی نوعیت کے جواب سے بھی محروم ہوں۔ کل پرسوں یعنی غالباً پہلی مئی کو جناب ایڈمنسٹریٹر محمد عتیق الرحمٰن صاحب مغربی پاکستان کے گورنر کی خدمت میں بھی رجسٹرڈ عریضہ ہی ارسال کیا ہے۔ دیکھئے جواب کب آئے گا۔

میری معروضات کیا ہیں: صرف حکامِ وقت کی عزت واحترام کے قیام اور استحکام کی درخواستیں۔

میں چاہتا ہوں کہ ہمارے سربراہِ حکومت اپنے اخلاق واعمال اور معاملات سے ایسے مقبول اور ملک والوں کے تقاضاہائے فلاح وبہبود کے حصول کے بہترین ذرائع ثابت ہوں کہ ان کی حکومتیں دلوں پر قائم ہو جائیں اور پاکستانی اپنے صدر، گورنر اور دوسرے حکام واجب الاحترام کے دل و جان سے مداح رہیں اور ملک والوں کو زندگی کے لوازمات سے محرومی نہ ہو۔ اور جائز شکایات کے تباہ کن ابواب بالکل مسدود ہو جائیں۔ ہر شخص کی تعریف وتحسین اور بارگاہِ الٰہی میں دعاؤں کے مضامین کے عنوان بن جائیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ پاکستانی حکومت ہم کو ڈیڑھ سو سالہ غلامی کے بعد بڑی بڑی قربانیاں دے کر حاصل ہوئی ہے۔ حکومت کی قدر ومنزلت کا انحصار اس کے مقبول اور عدل وانصاف، رحم وکرم میں ذی امتیاز ہونے پر ہی ہے۔ جب کوئی آدمی صدر، گورنر، یا کسی ذی اختیار حاکمِ اعلیٰ کو برا کہتا ہے تو میرے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے۔ آخر کار مجھ کو اس خیال سے صبر آجاتا ہے کہ سب

کرشمے ہیں مغربی سیاست اور برطانوی قانون اور نظام کے۔ مجھ کو ان صدر اور گورنروں پر یہ افسوس ضرور ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنی قدر و منزلت عزت و آبرو کو خود ہی برباد کرتے ہیں۔ اور نظام کی خرابی اور قانون کی ناحق شناسی کی بدولت نکو بنتے ہیں۔ حالانکہ ان کو اتنا علم تو ضرور ہوتا ہے کہ پاکستان بنانے کی غرض اسلامی نظام اور اسلامی نظریات نا فتحار کو قائم کرنے ہی میں پوری ہو سکتی ہے۔ مگر اسلامی نظریات بلکہ عدل وانصاف سے بھی بھاگتے ہی نظر آتے ہیں۔ ہم نے تو پاکستانیوں کو کبھی اطمینانِ کُلّی سے سانس لیتے نہیں دیکھا۔ ہاں قائدِ اعظمؒ اور شہیدِ ملت کی حکومتیں چونکہ خود غرضوں کی نفسانی ملاوٹوں سے پاک و صاف تھیں۔ ان کے بعد سیاسی جماعتوں نے سیاسی چال بازیوں اور مغربی جوڑ توڑ کی لعنت سے معاملات کو بد سے بدتر کرنے کی ہی جدوجہد کی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اسلامی کہلانے والی حکومت میں حزبِ اختلاف لاس نہیں ہوتی۔ چونکہ اسلامی نظام بلکہ حقیقتِ اسلامی صرف اتحاد ہی پر مبنی ہے اور صرف مغربی نام نہاد بالغ رائے دہی اور جمہوریت ہی ملک کی تباہی کی وجہ اور اخوت و اتحاد کی دشمن ہے۔ آپ کہیں گے کہ بھارت اور کشمیر میں تو خود مسلمانوں کی تمام حکومتیں رائے شماری، بالغ رائے دہی کی حکومت کے تقاضے کر رہی ہیں۔ تو میں کہتا ہوں کہ اسی کی نحوست کی بنا پر بھارت ما تا اپنے مسلمان اور دوسری اقلیت والی جماعتوں کو ہڑپ کرتی جا رہی ہے اور اس کی ساری کوشش یہ ہے کہ کشمیر کے مسلمان اکثریت میں نہ رہیں۔ اگر بھارت

حکومتِ خداوندی یا سیاستِ اسلامی سے بیرنہ رکھتی تو وہ ایسا نظام قائم کردیتی جس میں تمام ملک والوں کی فلاح و بہبود اور خداداد فطری تقاضے پورے ہوتے ہوں اور کسی کو شکایت کا موقع نہ مل سکے۔ کیا بھارت کے سپوت ہندوؤں نے مسلمانوں کی ہزار سالہ حکومتوں میں کوئی سبق جہانداری اور رعایا پروری نہیں سیکھا؟ اس قوم اور ملک سے زیادہ کونسا ملک بد قسمت ہوگا کہ جس کو مسلمان بادشاہوں نے ایک ہزار سال تک ملک داری اور رعایا پروری کی ایسی تعلیم دی ہو کہ جس کی تعریفیں بڑے بڑے ہندو علماء اور مورخین کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ بیچاری بھارت، جس کو اپنے ملک والوں کی بنیادی ضرورتوں اور بشری تقاضوں کا علم بھی نہ ہو۔ بھلا ایسی حکومت یا حاکم کو کوئی بیوقوف بھی حکومت کرنے کا اہل سمجھ سکتا ہے؟ جنابِ عالی جو آدمی اپنے ماتحتوں کی طبیعتوں کے تقاضے اور انسانی خواہشات کا علم بھی نہیں رکھتا وہ ہرگز حکومت کرنے اور بڑے عہدے کا حقدار نہیں ہے۔ حاکم عادل تو وہی کہلا سکتا ہے جو ماں باپ سے زیادہ اچھی رعایا کی فلاح و بہبود کے طریقے اختیار کرتا ہے اور کسی سے پوچھنے کا محتاج بھی نہیں ہوتا۔ آپ ڈاکٹروں اور حکیموں سے بھی ضرور واقف ہوں گے۔ بہت سے جو صحیح طور پر علمِ اجسام سے واقف ہوتے ہیں وہ چہرہ چہرے کا آواز اور زیادہ نبض دیکھ کر نسخہ تجویز کرتے ہیں۔ ہم نے کسی ڈاکٹر اور حکیم کو نہیں دیکھا کہ وہ مریضوں سے پوچھتا ہو کہ آپ کو کیا دوا دی جائے؟ بس یہی مثال حاکموں کی ہے کہ وہ

ملک والوں کی صحت و سقم کے اسباب کو اپنے تدبر اور حکمرانی کی قوت کی جرأت سے معلوم کر کے مناسب اور دافع مرض دوا تجویز کریں۔ یا ایسا قانون نافذ کر دیں جو ہر طبقہ کے مناسب حال ہو۔ اور ایسے خود غرض لوگوں کی رایوں اور مشوروں کے محتاج نہ رہیں۔ جو اپنے مطلب پورا کرنے کے لئے بدترین مظالم اور جرائم کا ارتکاب کرنے میں بھی دریغ نہ کرتے ہوں۔ اسی لئے اسلام ایک خدائی نظام رکھتا ہے جو بادشاہ اور رعایا کے عین مزاجوں کے مطابق اور سان کی یقینی فلاح و بہبود کا ذریعہ ہوتا ہے۔ اسلامی نظام میں حکام کے لئے ایسی جہالت گوارہ نہیں کہ وہ اپنے فرائض اور مناصب کو حکومت کے تعین کا انحصار بھی رعایا کے مشوروں پر رکھے۔ چونکہ ہر ملک میں خود غرضوں کی کثرت ہوتی ہے اور خود غرض سیاسی جرائیم اپنی عیاری سے کامیابیوں کے لئے ایسے دام بچھا دیتے ہیں جن میں سادہ لوح اور خود غرض اکثریت پھنس جاتی ہے۔ اسی لئے ہر عقل مند الیکشن اور بالغ رائے والی حکومت کو فرائض حکومت اور ملک گیری اور ملک داری میں کورا اور ناقابل سمجھتا ہے۔ جس قوم کے لئے اللہ تعالیٰ نے ضابطۂ حیات قرآن جیسی کتاب اور خاتم الانبیاء نبی ہادیٔ صراطِ مستقیم بھیج دئے۔ بڑی ہی بدقسمتی اور ناقدری ہے کہ وہ اُن کے راستوں سے منہ موڑ کر۔ ظلوم و جہول انسانوں کے قانون کی محتاج بن جائے۔

یہ ہمارے حکام، لیڈر، اور گٹ پٹ کی ڈگریوں کے مدعیانِ حکومت اور سیاست اور فرقہ پرست مولوی لوگ علامہ اقبالؒ کو حکیم الامت اور

شاعرِ اسلام جیسے خطابات بھی دیتے ہیں اور اُن کے ڈے مناکر بڑی بڑی لچھے دار تقریریں بھی گلے پھاڑ کر کرتے رہتے ہیں۔ پھر یہ علامہ رحمت اللہ علیہ کی باتوں پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ علامہ مرحوم تو بنیادی حقوق، جمہوریت اور الیکشن کو حرام سمجھتے تھے۔ اور انگریزوں کے مکر و فریب کے پھندے ہی قرار دیتے تھے۔ پھر یہ سارے ملک اور قوم کو برباد اور دین سے دُور پھینکنے والی لعنتوں پر لٹو کیوں ہیں؟۔ جسے دیکھو انتخابات، الیکشن اور بالغ رائے دہی پر تُلا بیٹھا ہے۔ مُلک کو تباہ کرنے والے اخبارات اپنے مال و دولت زیادہ کرنے کے لئے ان سیاسی جرائم کے ناپاک ارادوں کی تکمیل میں ایڑی سے چوٹی تک کا زور کیوں لگاتے ہیں؟ خدا کی قسم وہ شخص اور وہ ادارۂ اخبار خدائے قدوس اور نبی کریمؐ کا بدترین دشمن ہے جو نظامِ اسلامی سے دُور پھینکنے کے لئے الیکشن اور جمہوریت کی رٹ لگاتا ہے، وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ خدائے تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قائم کیا ہوا نظام بالکل ناکارہ اور ناقابلِ عمل اور مضر ہے۔ یہ تو بہت موٹی سی بات ہے کہ آدمی اسی چیز اور طریقے کو اختیار کرتا ہے جو اس کے نزدیک تمام طریقوں سے بہتر اور زیادہ مفید معلوم ہوتا ہے۔ بتائیے کیا اس شخص کو کسی طرح بھی مسلمان کہا یا سمجھا جا سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول خاتم الانبیاءؐ کے نظام کو ٹھکرا کر کسی دوسرے نظام کو جاری اور نافذ کرنا، اور کرانے کی جدوجہد کرتا ہے۔ میرا تو ایمان یہ ہے کہ ایسا آدمی کسی صورت سے بھی اسلام کے دائرہ میں نہیں رہ سکتا۔ اور مجھ کو یقین ہے کہ اس کی بیوی اگر

واقعی مسلمان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے راستوں طریقوں ہی کو تمام دنیا کی فلاح و بہبود کا اصلی ذریعہ سمجھتی ہے اور ان کے احکامات سے انکار کو کفر سمجھتی ہے تو وہ ان کے نکاح میں نہیں رہ سکتی اور نکاح سے باہر ہوجاتی ہے۔ اب آپ خود عقل سلیم سے سوچئے کہ جب نکاح نہیں رہا تو پھر مباشرت اور اس کے ذریعہ جو اولاد ہوگی وہ کیسی ہوگی؟

نہایت ظاہر مسئلہ: آپ قرآن و حدیث اور تمام ہی اسلامی فقہا کی کتابوں میں پائیں گے۔ یعنی سُنّی اور شیعہ دونوں کے عالموں کا متفقہ فتویٰ ہے کہ جو مرد اللہ تعالیٰ کے احکامات اور خاتم الانبیاءؐ سردار دو جہاں کے قائم کئے ہوئے حدود سے نکل جاتا ہے وہ کافر ہوجاتا ہے۔ بلکہ اکثر فقہا نے تو اس کو مشرک مانا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ہوتے اور اس کی خدائی کا اقرار کرتے ہوئے اس کے احکام سے دوسروں کے احکام کو بہتر اور اس کی ذات سے کسی دوسری ذات یا شخصیت کو زیادہ قابلِ عزت سمجھتا ہے وہ مشرک ہے۔ اور قرآن کریم میں بھی ان لوگوں کو مشرک ہی کہا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے مقابلے پر دوسرے بتوں، لوگوں کو یا اجرام کو قابلِ عزت و احترام سمجھ کر ان کے طریقوں حکموں پر چلتے ہیں اور خدائے تعالیٰ کے احکام کو ٹھکراتے ہیں تو اس اعتبار سے بھی وہ مشرک ہوئے اور مومنات سے اُن کے نکاح ٹوٹ گئے۔ اس اعتبار سے بھی اُن کی اولاد کی حقیقت آپ کی سمجھ میں آگئی ہوگی۔ توحید کی تو غرض یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی اعلیٰ حاکمیت بسر و چشم تسلیم کی جائے اور اس کے خلاف کسی قاعدے اور قانون کے آگے سر نہ جھکے اور یہی امتیازی شان

مسلمانوں کی فتح اور ظفر کی وجہ تھی۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :- ؎

یہی توحید تھی دنیا میں جہانگیر کبھی ٭ آج کیا ہے فقط اِک مسئلۂ علمِ کلام

اس توحید کا تقاضا ہے کہ مسلمان صوبائی، نسلی، لسانی وہر قسم کی تفریق کو بالائے طاق رکھ کر اخوت اور اتحاد کی پابندی کرتے ہیں۔ جنھوں نے لوگوں، مسلمانوں میں باہمی تفریق اور عداوت کے جذبات پیدا کئے یا اب پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اسلام کے بد ترین دشمن ہیں۔ ان کو مسلمان سمجھنا یا جاننا بد ترین حماقت اور نادانی ہے!!

آہ آہ۔ یہ قوم فلاح وبہبود سے کس طرح ہم کنار ہو سکتی ہے جو علامہ اقبالؒ کے اسلامی نقاضوں اور معتقدات کی بد ترین دشمن ہے۔ وہ تو تبلیغ واشاعت ہی کو اپنا اہم ترین فریضہ سمجھتے تھے۔ جو لوگ اسلامی نظریات کی کھُلم کھُلا مخالفت کرتے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ علامہ مرحوم کی رفاقت اور محبت کا دم کس طرح بھرتے ہیں!!

اگرچہ اُن کی تمام شاعری کا دار ومدار ہی اسلامی جذبات کی نشو ونما اور برانگیختگی ہے۔ لیکن انھوں نے صرف ایک مصرع میں مسلمان رہنے کی شرط لگادی ہے۔ ؎

گر تو میخواہی مسلمان زیستن ٭ نیست ممکن جز بقرآں زیستن

یعنی اے انسان اگر تو مسلمان بن کر جینا چاہتا ہے تو قرآنِ حکیم کی تابعداری کے بغیر ممکن نہیں ہے۔" بتائیے یہ ہمارے اکثر یورپ زدہ رگٹ پٹ اور انگریزوں کے جاری کئے ہوئے غیر اسلامی طریقوں کے غلام رہنے والے لوگ اپنے کو مُسلمان کس دلیل سے کہتے ہیں؟ شرابوں، جوؤں، عریاں ناچ گانوں، کھیل تماشوں، رسموں، عیاشی اور فضول اخراجات اور نمود ونمائش اور مسلمانوں میں

تفریق پیدا کرنے کے مختلف طریقوں کی جدوجہد قرآن کے خلاف نہیں ہے؟۔
اگر یہ ہمارے پاکستانی قرآنِ کریم کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل سمجھتے یا بتاتے تو پھر مذکورہ برائیوں کی کثرت، بلکہ قلت کا بھی امکان نہیں تھا۔ رشوتیں، دھوکہ بازیاں اور مال اندوزی کی خاطر ظلم وستم کا بازار گرم کرتے رہنا، جان بوجھ کر گراں فروشی، ملاوٹ، چور بازاری، تول اور ناپ میں بے اعتدالی کیا قرآن کی صریح مخالفت نہیں ہے؟
مجھے تعجب ہے کہ اس قدر مخالفتِ قرآنی کے باوجود یہ نادان اپنے کو مسلمان ہی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ دیدہ و دانستہ قرآنِ حکیم کی مخالفت کرتے رہتے ہیں۔ قرآنِ حکیم تو باہمی اتفاق، عدل وانصاف، معاملات کی درستی اور رحم وکرم، سچائی، پاکبازی اور اسلامی نظریات اور معتقدات کی اشاعت و تبلیغ ہی کی تعلیم دیتا ہے۔ اسی بنا پر پہلے نبیوں خاص کر حضرت مسیح علیہ السلام نے اسلامی یعنی مسلمانوں کی حکومتوں کو خدائی بادشاہت اور آسمانی حکومت کہہ کر مسلمانوں کو مبارکبادیاں عطا فرمائی ہیں۔
یقیناً قرآنِ حکیم کی مخالفت کرنے والے آنحضرت صلعم اور تمام انبیاء علیہم السلام کی ارواحِ مبارکہ کو ایذا پہنچاتے ہیں۔ اور ان کے روحانی تقاضوں کو پامال کرتے ہیں۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اُولٰئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ۔ فرمایا کہ وہ حیوانوں کی شکل بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں۔

سیاست دانوں کی بیچینی: ماشاء اللہ۔ پاکستان میں بڑے بڑے امیر، تاجروں اور زمینداروں کے وہ بچے جن کو مال و دولت کی فراوانی نے صرف اقتدار طلبی اور مزید دولت اندوزی کے نشے میں چور کر رکھا ہے۔ بقول شخصے۔ اندھوں میں کانا بھی بادشاہ ہوتا ہے۔ کچھ

رگٹ پٹ سیکھنے اور انگریزوں کی پیروی اور تقلید میں کمال سے کھنے والوں نے اپنے کو عقل مند اور دانا سمجھ رکھا ہے۔ چونکہ عوام اور پبلک میں اکثریت معاشی الجھنوں میں گرفتاروں اور خواہشاتِ نفسانی کے ماروں کی ہے۔ جو رات دن اپنی ضروریاتِ زندگی پورا کرنے کی دھن میں مصروف رہنے کی وجہ سے تقریر اور تحریر کے فنوں سے ناآشنا اور ملک کی سالمیت اور ملک والوں کی فلاح و بہبود کی غور و فکر سے مجبور ہیں۔ ان میں ان سیاست دانوں کی تقریروں اور تحریروں اور مال و دولت کے رعب داب کا بہت جلد اثر ہو جاتا ہے۔ ان سیاست دانوں کو اپنی اپنی مرادیں پوری کرنے کے لئے عوام میں سے بہت جلد آلہ کار لوگ مل جاتے ہیں۔ یہ اپنے کو ملک کا بڑا خیر خواہ اور ملک والوں کا محبِ صادق کہہ کر پھانس لیتے ہیں۔ اور سینکڑوں جماعتیں بنا کر مسلمانوں میں باہمی تفریق اور عداوت کے راستے ہموار کر[illegible] خواہشات اور نظریاتِ خود غرضی کی بدولت پاکستان کا وجود اور پاسیوں کی جان و مال عزت و آبرو خطرہ میں پڑ گئی اور جا بجا انھوں نے [illegible] داریوں سے لوٹ مار قتل و غارت، آتش زنیوں کے تخریبی کارناموں میں شجاعت و بہادری اور دلی جذبات کے دریائے طوفان کھول دیئے تو ملک و قوم کے محافظوں فوجیوں کی رگِ حمیت جوش میں آئی اور ہمارے موجودہ صدر ذی قدر چیف مارشل لاء آغا محمد یحییٰ خاں صاحب نے اپنی ایک للکار سے سیاسی فتنوں کو دبا بلکہ فنا کر دیا اور کسی بھی سیاست دان کو چوں و چرا کا یارہ نہ رہا تو اب انھوں نے اپنے ایجنٹوں یعنی اخباروں کے مدیروں، ایڈیٹروں اور نمائندوں کے

دروازے سے کھٹ کھٹاتے اور اپنی طلبِ اقتدار کی خواہشات کے طوفان کی تسکین کے لئے اُن کو آمادہ کیا۔ اور ہانپتے کانپتے صدر سے ملنے کے لئے دوڑتے رہے پریشان رہے۔ خدا خدا کر کے صدر سے شرف ملاقات کا موقع ملا تو اپنی اپنی سرکاروں کی سیاسی جدوجہد کی آزادی کے مطالبات نہایت ہی نامعقول انداز میں پیش کئے۔ مشرق اور خصوصاً جمہوریت اور جمہوری آمریت کے پرستاروں کے مرکزی پشت پناہ۔ روزنامہ نوائے وقت نے خوب سرخیاں جمائیں اور سیاسی لوگوں کی پریشانی اور خاموشی اور ان کے وقتی جمود کا رونا رو دیا۔ یہ تو صرف کسی قدر اطمینان ہی کا درجہ تھا۔ پورے اطمینان اور تسلّی کی کافی رونمائی اس سُرخی میں نمایاں ہے جو ہفتہ ۳ مئی کے نوائے وقت کی زینت ہے ملاحظہ فرمائیے۔

"جلد از جلد آزادانہ انتخابات"۔ یہ نوائے وقت کی جلی حروف میں سُرخی ہے اِسی سُرخی کے تحت چند سطریں ہم ناظرین کے فیصلے کے لئے پیش کرتے ہیں۔ یہ جملے صدرِ مملکت محمد یحییٰ خاں کی طرف منسوب ہیں :- (۱) مشرقی پاکستان کے باشندوں کی بھاری اکثریت ملکی سالمیت اور اسلام کی عظمت کا ہر قیمت پر تحفظ چاہتی ہے۔

اگر یہ جملہ واقعی صدرِ محترم آغا صاحب ہی کا ہے تو پھر یہ دونوں مقصد تو صرف اسلامی نظام ہی سے پُورے ہو سکتے ہیں اور اسلامی نظام اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قائم فرمایا ہوا ہے۔ فوراً اس کو جاری اور نافذ کر دیا جائے۔ پھر انتخابات اور الیکشن کی تخریب دین اور ملک کی لعنت کی حاجت نہیں رہتی چونکہ ہر مسلمان کے عقیدے میں اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ حاکمیت پر پُورا یقین اور حضورِ اکرمؐ کی رشد و ہدایت، راہنمائیِ کاملہ پر پُورا اعتماد ہے۔ اس معاملہ میں کسی انسان کی رائے

کو دخل دینے کا حق نہیں۔ سب ہی اس کے محکوم اور اسے پر نثار ہیں۔ (۲) ہفتہ جاریہ کے اخبار کا یہ جملہ بھی صدر کی طرف منسوب ہے کہ سیاسی پارٹیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور علمائے عامہ کے ترجمان کو ان کی تعداد میں کمی کرنے کے لئے اپنا فرض ادا کرنا چاہیئے۔ گویا صدر محترم نے ان سیاسی جماعتوں کی کثرت کو مُضر تسلیم کر لیا اور ان میں کمی کرانے کی جدوجہد کو اپنا فریضہ تسلیم کر لیا ہے۔ اور اس کی افادیت کے لئے نوائے وقت کے یہ جملے بھی قابلِ غور ہیں کہ صدر مملکت کی گفتگو سے سیاستدانوں نے جو کچھ سیکھا ہے اس کا یہ پہلو بہت نمایاں ہے کہ ہم خیال جماعتوں میں مشترک مقاصد کے حصول کے لئے محض باہمی تعاون یا اشتراکِ عمل کافی نہیں بلکہ انہیں اپنے مابین اشتراکِ عمل کو وحدتِ تنظیم بھی بنانا چاہیئے، یعنی ان کی تنظیم اور جماعت بھی ایک ہی ہونی چاہیئے۔ جب سب کا مقصد صرف ملک کی سالمیت اور ملک و عوام کی فلاح و بہبود ہے تو عملی جدائیاں اور بہت سی جماعتوں کا جواز ممکن نہیں ہے۔ اب ذرا مدیر محترم نوائے وقت کے اپنے مفسرانہ جملے بھی سُنئے جو ۳ ہی کے نوائے وقت میں مذکورہ سطور کے نیچے ہی نمایاں ہیں کہ یہ بات اب ڈھکی چھپی نہیں کہ تحریک جمہوریت میں شامل کئی جماعتیں اپنے مابین اشتراکِ عمل کو باقاعدہ وحدتِ تنظیم کی شکل عطا کرنے کا فیصلہ کر چکی ہیں اور اب اس فیصلہ کو صرف عملی جامہ پہنانا باقی ہے۔

اب میں ان مدیرِ نوائے وقت سے پوچھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے خاتم الانبیاء اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو وحدتِ تنظیم کی نعمتیں اپنی ہدایات میں فرمائی ہیں وہ کیوں کافی نہیں سمجھی جاتیں؟ اور ان کے متحد رکھنے کے صاف

و ظاہیر اختلافات کے ہوتے ہوئے کسی جماعت کی کیا حاجت ہے؟ پھر
مدیر نوائے وقت نے انہیں سطور میں یہ بھی کہہ دیا کہ یہ اپنی جگہ ایک تعمیری
اور مثبت قدم ہے۔ تو جناب یہ قدم تو پہلے آپ کے خاتم الانبیاءؐ
ہی نے اٹھایا اور اپنے ماننے والوں اور سچے امتیوں کی وحدت تنظیم
کے کرشمے بھی دنیا کو دکھا دیئے۔ اس وحدتِ مبارکہ کو پاش پاش کرنے
کی تعلیم ان سیاسی جماعتوں والوں کو کس نے دی تھی۔ جو اپنے اختلافات
اور انتشار سے ملک اہل ملک کی تخریب ہی کا ذریعہ بنتے رہے۔ ان کی
تخریبی کارروائیاں ہم سب نے بھی دیکھیں اور قیامت تک تاریخ ملتوں
کو ان عداوتِ نظریۂ اسلامی سے آگاہ کرتی رہیں گی۔ پھر بڑی فراخدلی
سے نوائے وقت یہ بھی رقمطراز ہے کہ اب تک نت نئی جماعتوں کے
قیام سے ہی وقت و مساعی (کوششوں) کا ضیاع ہو رہا تھا۔ اب اتحادِ
عمل کی بھی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔ شاباش! اس کو جو خدائے تعالیٰ
اور نبی کریمؐ کے فرض دیئے گئے ہوئے اتحادِ عمل کو ٹھکراتی رہی اور اب
مدیرِ محترم کے فرمانے پر اس طرف آنے لگی ہے!! اور نوائے وقت کے
نزدیک نت نئی جماعتوں کی پیدائش اور تشکیل تضیعِ اوقات و مساعی تھی
تو جناب آپ ہر نئی جماعت کے آلۂ کار کیوں بنتے رہے؟ اور ہر جماعت
کے گن گاتے رہے؟ مسٹر بھٹو کی پیپلز پارٹی نے جنم لیا۔ یعنی آدمیوں
کی جماعت۔ تو ان کے نزدیک پہلی جماعتیں آدمیت سے بھی خارج تھیں۔
پھر ہمارے بہادر ریٹائرڈ ایئر مارشل اصغر خاں صاحب کی جسٹس پارٹی

وجود میں آگئی اور اس عزم راسخ اور ارادۂ مصمم کے ساتھ میدانِ سیاست میں کود پڑی ہے کہ وہ ساری سیاسی جماعتوں اور ان کے منشورات کو غلط اور ناقابلِ عمل سمجھتی ہے۔ میں اس کا منصوبہ یا عقیدہ آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ خدائے تعالیٰ کا شکر ہے کہ موجودہ صدر بھی سیاسی پارٹیوں کی دل شکنی نہیں چاہتے اور وہ تمام اقتدار طلب جماعتوں کی اشک شوئی پر آمادہ ہیں۔ انھوں نے پرانی سیاست کے میدان یا اکھاڑے کی پارٹیوں کے داؤ پیچ کا تو علم بہم پہنچا لیا ہے۔ اب بالکل جدید اور طفلِ نوزائیدہ جسٹس گروہ کا بھی معائنہ اور مطالعہ چاہتے رہیں۔ خدائے تعالیٰ ان کو حقیقی اور اصلی تقاضوں سے آگاہی بخشے۔ آمین۔

یکم مئی ۱۹۶۹ء کے نوائے وقت کے فاضل ایڈیٹر صاحب یوں گویا ہیں کہ اگرچہ ایئر مارشل اصغر خاں صاحب بیشتر قومی مسائل کے بارے میں نظامِ اسلام پارٹی کے سربراہ چودھری محمد علی و عوامی لیگ کے صدر نواب زادہ نصراللہ خاں صاحبان سے عمومی طور پر اتفاق کرتے ہیں تاہم وہ اپنی پارٹی کی دوسری ہم خیال پارٹیوں سے فوری طور پر ادغام کے حق میں نہیں ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اگر حالات سازگار رہے تو اس مقصد کی تکمیل پانچ چھ ماہ کے بعد ہو سکے گی۔ ایئر مارشل کا مزید موقف یہ ہے کہ ہم خیال پارٹیوں کا ادغام (ملاپ) نئی طرز سے مسائل کے بارے میں ہمارے شائع کردہ منشور کی بنیاد پر ہونا چاہئے۔ اور مناسب یہ ہے کہ ان پارٹیوں کے ادغام کے بعد جو پارٹی معرضِ وجود میں آئے (یعنی معجونِ مرکب ہو) اس کا نام جسٹس پارٹی رہنے دیا جائے۔ یعنی

سب سے بہتر اسے نام و نشاں مٹا کر ان کی پارٹی جسٹس رہنی چاہیئے۔ بالفاظ دیگر دوسری ہم خیال پارٹیاں جسٹس پارٹی میں مدغم ہو جائیں۔ یعنی اپنی امتیازی شان کو فنا کر دیں اور نوابزادہ بھی جسٹس پارٹی کی فرمانبردار ہو کر رہیں۔ اور نوائے وقت کا حتمی فیصلہ یہ ہے کہ تاہم اصغر خاں کی اس خواہش کی تکمیل کے راستہ میں ایک رکاوٹ حائل ہے۔ ایر مارشل صاحب اور ان کی پارٹی کا منشور آئینی مسائل سے بالکل خاموش ہے۔ ان کے برعکس نظام اسلام پارٹی کے سربراہ ون یونٹ اور مرکز کے اختیارات کے بارے میں واضح موقف رکھتے ہیں۔ اب ناظرین کو یہ معلوم تو ہو گیا ہو گا کہ ان سیاسی پارٹیوں نے اپنے اپنے مقرر کئے ہوئے اقتدارات اور مناصب کے لئے سیاسی پارٹیاں بنا کر ملک میں اختلافات اور انتشارات کی لعنتی فضا پیدا کر دی ہے۔ بیچارے حکومت کے ڈنڈے کے زور سے دم بخود ہیں مگر تخریبی خیالات کی دنیا ان کے دماغوں میں ضرور آباد ہے۔

سیاسی جماعتوں کا ضابطۂ اخلاق: ۲۳ رمئی کے نوائے وقت میں صدر صاحب کے بیان فرمودہ جھنگ میں ایک تکلہ بر خبر ہے کہ ہاں نے سیاسی رہنماؤں سے کہا ہے کہ وہ اتفاق سے تم سے کوئی ضابطہ اخلاق وضع کریں۔ ہاں سب کو مجھ سے اتفاق ہے کہ ہم کو مہذب طریقے سے کام کرنا چاہیئے۔ آہ آہ۔ بتائیے اس ملک میں تہذیب و اخلاق کی بے سرو سامانی اور کس مپرسی کا حال کس قدر پتلا ہو گا جس ملک کی لیڈری اور رہنمائی کے مدعی بھی اخلاق باختہ ہوں۔ اس ملک کے ان عوام کی

اخلاقی اور تہذیبی حالت یقیناً ایسی ہی ہونی چاہیئے۔ جس کا مظاہرہ کامل طور سے صدر ایوب کی حکومت کے خاتمہ کا سبب بنا تھا۔ اور قوم اور سیاسی لیڈروں کی بلند اخلاقی جرأت صدر ایوب خاں صاحب کی حکومت ہی کے زوال کا سبب نہیں بنی بلکہ بہت سے بے گناہوں کی جانیں، مال و دولت اور گھر بار بھی تخریب کے شکار ہو گئے۔ خدا کی قسم ان لوگوں میں تہذیب اخلاق کی نشوونما ممکن ہی نہیں جو نفس امارہ کے بندے بن کر جاہ طلبی اور خود غرضی کے طوفان میں ڈوب چکے ہوں اور ان کی دنیا طلبی نے دونوں جہاں سے آنکھیں بند کرنے کا ہی سبق دیا ہو۔ مجھ کو جسٹس کارنیلئس صاحب نے مارشل لاء کے مسلط ہونے کے ایام میں فرمایا تھا کہ دیکھا آپ نے ملک والوں کی مردہ ضمیری۔ اگر یہ لوگ اسلامی تعلیم سے خوددار زندگی گذارنا سیکھ لیتے تو بہت سے معصوموں کی موت کا سبب نہ بنتے۔ کہنے لگے اسلام ایسی شاندار زندگی کی تعلیم دیتا ہے جس کی بدولت دنیا کی بیجان تو میں زندگی بلکہ حیاتِ ابدی سے فیض اندوز ہوتی ہیں۔ اگر واقعی ہمارے علماء اور محبانِ ملک مدبرین میں اسلامی اخلاق جلوہ گر ہوتے تو پاکستان انگلستان نہ بنتا۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

ایک نوجوان امیر اور ذی علم کے جذبات:

میں ۵ مئی ۱۹۶۹ء کو ایک نوجوان امیر اپنے ساتھیوں کے پاس بیٹھا تھا۔ ملک اور قوم کی اصلاح و درستی کی باتیں ہونے لگیں تو جوانانِ ملک کہنے لگے کہ مولانا ہمارے ملک میں عالموں اور علمائے تہذیب جدید و انگریزی دانوں اور قوم کی محبت کے مدعیوں کی تو خدا کے فضل سے

بہت ہی کثرت ہے۔ عالموں اور سیاسی لیڈروں کی بھی بہت جماعتیں اور انجمنیں ہیں اور بفضلہٖ تعالیٰ بڑے بڑے پُرکشش اور قوم کی اصلاح کے سائن بورڈ لگانے والی جماعتیں اور انجمنیں نئے نئے روپ دھارن کرتی اور پیاری پیاری سُرخیاں لگا کر اخباروں میں نمایاں ہوتی رہتی ہیں۔ اس گرم بازاری میں سنّی، شیعہ دونوں مدعیانِ اسلام فرقے ایک دوسرے پر سبقت ہی لے جانی چاہتے ہیں۔ لیکن گناہوں اور فواحش میں روز بروز اضافہ ہوتا ہی جاتا ہے۔ پھر ہمارے مُلک میں اخبار اور رسالوں کی بھی بھرمار ہے۔ یہ تمام لوگ کس مرض کی دوا ہیں؟

ملک محمدؐ طارق صاحب نے کہا مجھ کو پرسوں چند دوستوں نے اپنی کسی مجلس میں دعوت دی یہ غالباً نمازِ مغرب سے کچھ پہلے کا سُہانا وقت تھا۔ میں اگرچہ بہت مصروف تھا مگر وہ اصرار کرکے مجھ کو لے گئے۔ امیروں کے نونہالوں کی مجلس گرم تھی، ہر قسم کے ماکولات اور مشروبات بھی موجود تھے۔ کچھ کھانے کھلانے کا دَور شروع ہوا تو میں نے بھی شرکت کی۔ اس کے بعد شراب کا دَور شروع ہوا تو میری طرف بھی گلاس بڑھایا۔ میں نے کہا مجھ کو معاف کیجئے۔ میں اِس کی برداشت سے قاصر ہوں۔ تو کئی جوانوں نے کہا نہیں ملک صاحب آپ تو اس فکر و غم اور رنج و الم کو دُور کرنے والی چیز سے یقیناً اُلفت رکھتے ہوں گے!! میں نے کہا خدائے تعالیٰ کے فضل سے میں نماز ہی کو تمام فکر و اندوہ سے نجات دینے والا سمجھتا ہوں۔ اور اب اجازت دیجئے کہ میں وضو کرکے معراج المومنین میں مصروف ہو جاؤں۔ اِس کو اُن حضرات میں سے اکثر نے مذاق سمجھا اور اصرار کرنے لگے کہ ملک صاحب ایک گلاس تو پی

لیجیے۔ خدا کے فضل سے وہ ایک دوست مجھ کو خوب جانتے تھے۔ اُنھوں نے کہا بھئی اِن کو نہ بلاؤ۔ نماز کی تیاری کر رہے ہیں۔ نماز جاتی رہے گی اور ملک صاحب نماز کبھی نہیں چھوڑتے بلکہ خدا کے فضل سے اُن کے گھر کی مستورات، بچیاں بچے بھی نمازی ہیں اور زمانہ کے منافی خرافات سے گھر بھر بے زار ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ میں اِس اُمُّ الخبائث سے محفوظ رہا۔ ملک صاحب نے بڑی ہی تبلیغی اور اصلاحی ہمدردانہ صورت میں نہایت اطمینان سے فرمایا کہ مولانا صاحب اگر ہمارے علمائے کرام اور سیاسی لیڈر اور دوسری جماعتوں اور انجمنوں والے ذراسی تکلیف گوارہ فرما کر قوم کی اصلاح کی طرف توجہ فرماتے تو کچھ مشکل نہ تھا کہ ہماری سماجی حالت اسلام کی ترجمانی کر سکتی اور موجودہ خرابیاں کم ہوتی جائیں۔ تو میں نے کہا آپ محبانِ ملک و ملت سے معاشرہ کی اصلاح کے کس طریقے کو ذہن میں لئے بیٹھے ہیں؟ تو فرمایا آپ کسی ہوٹل میں بھی تشریف لے جائیں آپ کو شراب اور عریاں ناچ نظر آئیں گے۔ میں نے کہا ہوٹل والے حضرات جن میں کئی حاجی اور نمازی بھی ہیں وہ اپنے زیرِ سایہ اِن خرافات کو کس طرح گوارہ کرتے ہیں؟ تو کہنے لگے ہوٹل اور سنیما اور کلب تو اسی لئے کھولے جاتے ہیں کہ روپیہ کمایا جائے۔ اُن کو اپنی زیادہ آمدنی کے ذرائع سے غرض ہوتی ہے۔ قوم کے اعمال، کردار، اصلاح اور درستی سے غرض نہیں ہوتی۔ میں نے کہا کہ میرے کرم فرما حاجی فتح محمد صاحب بھی کیپیٹل ہوٹل کے مالک تھے اور مال روڈ پر ان کا ہوٹل ہے۔

میں کبھی مغرب کے بعد بھی ہوٹل میں جاتا تھا۔ چونکہ وہ عربی فارسی کی کتابوں کے سمجھنے کے لئے میری خدمات کو ضروری سمجھتے تھے۔ اللہ بخشے وہ خود بھی نمازی تھے اور اُن کے ہوٹل کے کئی ملازم بھی نیک اور نمازی۔ میں نے ہوٹل میں تو بہت سے حضرات کو سیلوں پر دیکھے۔ مگر شراب کی بوتلیں نہیں دیکھیں۔ اور میں نے دو ایک دن ایک باجا تو سنا تھا جو غالباً راشد ہی کو بجایا جاتا ہو گا۔ ناچنے والی عورت یا مرد کو تو کبھی بھی نہیں دیکھا۔ اور میں نے چودھری الحاج فتح محمد صاحب سے دریافت بھی کیا تھا تو انھوں نے کہا تھا کہ ہمارے ہوٹل میں شراب نوشی، زنا اور دوسری خرافات کی ممانعت ہے۔ پھر میرے بڑے کرم فرما بلکہ دین سے خاص تعلق رکھنے والے خواجہ عبدالمجید صاحب مرحوم دہلوی کا ہوٹل تو خاص خرافات ہی کے علاقے چوک سیکوڈ روڈ میں ہے۔ وہاں بھی ان کے زمانہ میں کئی برس تک نیچے چائے وغیرہ کھانے پینے کا ہوٹل تھا۔ اور اوپر بہت سے کمرے مسافروں کے قیام کے لئے تھے لیکن خواجہ صاحب مرحوم و مغفور نے تو بہت جلی حرفوں میں ایک بڑی تختی لکھوا کر نصب کر دی تھی جس میں لکھا تھا کہ "اِس ہوٹل میں شراب پینے اور زنا وغیرہ فواحش کی اجازت نہیں ہوگی"۔

اِس بیان سے میری غرض یہ ہے کہ اگر ہوٹل والے اپنے کو مسلمان سمجھتے ہیں تو اُن کا بھی اہم ترین فرض ہے کہ اپنے ہوٹل کو حرام کاموں کی گندگی سے پاک رکھیں۔ آپ نے شاید سُنا بلکہ دیکھا ہو گا کہ شملہ پہاڑی

کے جنوب میں چوراہے پر امبلیسڈر یا دوسرے انگریزی نام کا ایک بہت ہی بڑا ہوٹل شیخ محمد امین صاحب کا ہے جو غالباً پچھلے سال حج سے بھی مشرف ہو چکے ہیں اور حاجی شیخ محمد امین صاحب کے لقب سے مشہور ہیں۔ میں اُن کو کئی برس سے جانتا ہوں وہ بھی بفضلہٖ تعالیٰ اسلامی نظریات اور اس کی اشاعت سے خاص دلچسپی رکھتے ہیں اور بڑے خوش اخلاق تھے۔ پہلے جب وہ برانڈرتھ روڈ پر اپنی دوکان پر ہوتے تھے ملاقات کا موقع بہت آسانی سے مل جاتا تھا۔ ماشاء اللہ اب وہ بہت بڑے آدمی ہیں بڑا ہوٹل ہے۔ بڑے ذی عزت اور مشہور ہیں۔ ہوٹل کے بیچ میں ایسی جگہ قیام پذیر ہوتے ہیں کہ جہاں غریبوں کی رسائی محال ہو گئی ہے کیونکہ اُن کی ملاقات کے لئے کئی پاس پورٹ حاصل کرنے پڑتے ہیں۔ اُن سے ملنے کے لئے خاص الخاص اہتمام اور انتظام کی ضرورت ہوتی ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ پابندِ شریع، خوش اخلاق اور اصلاحِ ملک و قوم کے بھی دلدادہ ہیں۔ مجھ کو تو یقین ہی ہے کہ اُن کے ہوٹل میں شراب کے دَور دَورے نہیں ہوں گے۔ نہ عریاں ناچ اور وحشیانہ رنگ رلیوں کا جواز ہو گا۔ اور میں نے سنا ہے کہ اُن کے ہوٹل میں بڑے بڑے سرمایہ دار یا حکومت کے بڑے بڑے افسران ہی قیام فرماتے ہیں۔ میرا ضمیر تو یہ کہتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے جن کو بڑائی دی ہے وہ اُس کی نافرمانی یعنی شریعت کے خلاف کاموں سے پرہیز کرتے ہوں گے۔ کیونکہ بزرگی اور بڑائی۔ بلکہ شرافت اور محسن شناسی کا تقاضا ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے زیادہ نازو

نعم سے پالنے پوسنے اور بڑائی اور عزت عطا فرمانے کی قدر کرے اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ سے زیادہ عنایات اور اس کے فضل و کرم کا امیدوار رہے۔ اُس پیارے معبود و مالک و مولیٰ کا یہ بھی ذاتی ہزار تحسین و آفرین وعدہ ہے کہ ہم نیکوں اور شکرگزاروں کی نعمتیں زیادہ کرتے ہیں۔

بزرگی اور عزت کا تقاضا: تو یہی ہے کہ شر پھر عقل والا بھی اپنی بڑائی اور عزت میں چار چاند لگانے کی کوشش کرے اور دنیا والوں خاص کر اپنے دوست احباب اور ملنے جلنے والوں کے ہی عزت و وقار کے سکے جماوے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں، شراب نوشی، زناکاری، جوئے بازی اور بیہودہ کھیل تماشوں سے پرہیز کرتا رہے۔ کیونکہ بُرے کاموں کا انجام بھی بُرا ہی ہوتا ہے۔ اور بُرے جاہلانہ اور حیوانی حرکات کرنے سے آدمی کی عزت و آبرو میں بٹہ لگتا ہے۔ اگر سامنے نہیں تو پیٹھ پیچھے لوگ اس کی بُرائی ضرور کرتے ہیں۔ اور گھر والے ملک کے اور نیکی بدی میں تمیز کرنے والے ملازمین بھی اس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ دیکھئے یہ باتیں جو میں آج آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں واقعی سچی ہیں۔ اور حقیقت پر مبنی ہیں۔ امیروں اور مالداروں میں آپ نے حضرت الحاج شیخ سردار محمد صاحب علیہ الرحمۃ شاہوکی گرٹھی والوں کا نام ضرور سنا ہوگا۔ کہ ہر آدمی اُن کی دینداری، پرہیزگاری، تقویٰ اور قوم پروری کی وجہ سے اُن کی تعریفیں ہی کرتا تھا۔ اور سب لوگ ان کے لئے

درگاہِ خداوندی میں دست بدعا ہی رہتے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی دولت کی قدر کرتے تھے کہ اس کے احکام و ارشادات ہی کے مطابق خرچ کرتے تھے اور پھر دینی اور قوم کی فلاح و بہبود بلکہ ترقی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر نہایت خاموشی اور ریا و نمود کے بغیر ہی قابلِ قدر حصہ لیتے تھے۔ بڑے بڑے حکام بھی ان کی تعریفیں کرتے تھے اور ان کی عزت کو اسلامی فریضہ سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس عطا فرمائے آمین۔ اللہ تعالیٰ بخیر و عافیت دیر تک رکھے اُن کے فرزندِ ارجمند شیخ محمد صادق صاحب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے تمام نعمتوں سے مالا مال ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے میں اپنے برادر والدین سے سبقت لے گئے ہیں۔ دین کی اشاعت و تبلیغ، دینی مدارس، قومی انجمنوں اور اداروں میں دل کھول کر تعاون کرتے ہیں بہت سی بیواؤں، یتیموں کے وظیفے مقرر کر رکھے ہیں۔ پھر خدا کے فضل سے صرفِ وہ گرلز ہائی سکول بہت مدت سے جاری ہے۔ گویا حضرت الحاج شیخ سردار محمد صاحب علیہ الرحمۃ کا چشمۂ فیض ہے جس سے ہزاروں بچیاں دینی اور دنیاوی تعلیم کے زیور سے آراستہ ہو کر ملک کی فلاح و بہبود اور معاشرہ کی اصلاح میں کوشش کرتی رہتی ہیں۔ میں نے بہت ہی معتبر ذرائع اور اس چشمۂ علم و ہنر سے فیضیاب ہونے والوں کی زبانی سنا ہے نادار بچیوں سے فیس نہیں لی جاتی اور بعض بچیوں کی نوشت و خواند کا سامان بھی صرف حبِّ دین و فلاحِ قوم کے جذبہ سے مفت دیا جاتا ہے میں نے تو یہاں تک سنا ہے کہ بعض نادار غریب پڑھنے والی

بچیوں کو کپڑے لتے اور جوتے وغیرہ بھی دئے جاتے ہیں۔ کیا مالدار اور خوشحال بھائی بہنوں کی عبرت اور نصیحت کے لئے یہ مثال کچھ کم ہے؟ آپ یاد رکھئے کہ جو لوگ خاندانی شریعت اور بیدار بزرگوں کی نشانیاں ہیں وہ اپنی خاندانی عزت اور شہرت کو بٹہ نہیں لگاتے بلکہ زیادہ روشن کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بات اُن کے خوددار ذہنوں میں جم چکی ہے کہ بدی اور بُرائی کرنے والوں کو لوگ عام طور سے ذلیل اور حقیر سمجھتے ہیں اور اُن کے بزرگوں کے مبارک اور قابلِ فخر کارنامے بھی خاک میں مل جاتے ہیں۔ کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے:-

میراثِ پدر خواہی علمِ پدر آموز ؎ پسرِ نوح بابداں بہ نشست !

خاندانِ نبوتش گم شد

پھر ہمارے حاجی کرم دین صاحب مدظلہٗ اور اُن کے صاحبزادگان حاجی غلام رسول و حاجی امیرالدین صاحبان خصوصاً حاجی غلام حسین صاحب امیر انڈسٹریز والے۔ جو اب ماڈل ٹاؤن رہتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم سے دین اور قوم کی محبت میں مشہور ہیں۔ حاجی غلام حسین صاحب کے دوستوں سے مجھ کو معلوم ہوا کہ کئی بار اُن کو مغربی ملکوں کے دورے کا اپنے کاروبار کے متعلق اتفاق ہوا۔ اور عراق و عرب میں کافی مرتبہ جانے کا موقع ملا۔ مگر کبھی شراب جیسی ام الخبائث کو بھولے سے بھی منہ نہیں لگایا۔ غالباً ہمارے مذکورہ ملکوں خصوصاً مغربی مقامات پر جانے والوں کو معلوم ہے کہ وہاں کے ہوٹلوں اور اور کھانے کی دوکانوں میں شراب نوشی تو بجائے آب نوشی لازم ہے۔ اور میں نے تو یہاں تک سنا ہے کہ سوئر کی چربی اور شراب سے کھانے بگھارے

جانتے ہیں۔ اور بہت سے نو وارد تو بیچارے دھوکے سے اِن نجاستوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اور بہت سے جو اسلامی بلکہ انسانی بزرگی سے محروم ہیں وہ خود شوق سے اِن نجس ہوٹلوں کے حرام کھانے کھاتے ہیں۔ لیکن حاجی غلام حسین صاحب اپنے ساتھ پکانے کا سامان رکھتے تھے اور گھی، تیل بھی ساتھ لے جاتے تھے۔ اور خود کھانا تیار کر کے یا کسی بہت پرہیزگار پاکستانی مسلمان کے گھر کھانا کھاتے تھے۔ اِن مالداروں اور یورپ کی سیر کرنے والوں کو کیا اسلامی نظریات کی حفاظت اور اپنی آبائی بزرگی اور شرافت کو قائم رکھنے کا خیال نہیں ہوتا؟ جو یورپ اور عراق وغیرہ کے ہوٹلوں میں حرام چیزیں کھا کر مونچھوں پر تاؤ دیتے ہیں۔ آہ آجکل مونچھ جو کبھی فخر کی علامت اور مردوں کی مایۂ ناز نشانی ہوتی تھی وہ صنفِ نازک کی تقلید میں گُم ہو چکی ہے۔ اب تو بڑے بڑے بہادروں نے بھی مونچھوں کا صفایا کر دیا ہے اور دلوں کی تہ میں ہی تمام شجاعتیں اور مردانگیاں بھی پردہ نشین ہوتی جاتی ہیں اور نسوانیت اپنی بہادری کے جوہر دکھانے میں نمایاں کردار ادا کر رہی ہے۔ جس ملک اور قوم میں دیکھو عورتیں مردوں کی برابری کے نعرے لگاتی نظر آتی ہیں اور اکثر ملکوں کے قوانین بھی ان کی اس آزادی کے معاون ہیں جن سے مردانگی کے جوہر بھی دم بخود ہیں اور ان کا پردہ مردوں کی عقلوں کی زینت بن گیا ہے۔ بقول شاعر نازک خیال :- ؎

پوچھا جو بیبیوں سے کہ پردہ کہاں گیا ۔ کہنے لگیں کہ مردوں کی عقلوں پہ پڑ گیا

لیکن خدائے تعالیٰ کا شکر ہے ابھی تک مونچھ والے نہیں تو مونچھ والے بہادروں کے خلفِ الرشید ایسے ہیں جو خاندانی عزت و آبرو اور شرافت کی

ہواؤں سے اپنے بزرگوں کے لگائے ہوئے خاندانی پودوں کو زندگی بخش کر قائم رکھے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے مال و دولت کو اس کا عطیہ سمجھ کر اُسی کے کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔ زکوٰۃ باقاعدہ پوری نکال لیتے ہیں۔ اور حقداروں کو تلاش کر کے فریضۂ خداوندی کی تکمیل کرتے ہیں۔ دین اور قوم کی بقا کے کاموں میں دل کھول کر دولت خرچ کرتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ کے غریب بندوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے اور کہتے ہیں کہ اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو ہماری سخاوت اور قوم پروری کے جذبات مردہ ہو کر رہ جاتے۔ ان کے وسیلے سے ہم بھی خدائے تعالیٰ کے دیئے ہوئے مالی و متاع سے اپنی آخرت کا سامان کر لیتے ہیں۔ ان سے باقی رہی سخائے امیر

آپ کو شاید حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ بھی یاد ہو گا کہ اُن کے دورِ حکومت میں ہر شخص کو حلال طریقوں سے زندگی کی ضروریات کے قابل آمدنی ہو جاتی تھی اور جب زکوٰۃ نکالنے والے کسی کی حالتِ ظاہرہ سے مستحق زکوٰۃ سمجھ کر زکوٰۃ کا پیسہ لینے کی درخواست کرتے تو وہ کہتے کہ کیا آپ ہمیں محتاج سمجھتے ہیں؟ بھائیو! اگر ہمتِ تعالیٰ کے دین کی اشاعت و تبلیغ کرنے والوں اور دینی علوم حاصل کرنے والوں کو استغنا کی قابل دولت میسر ہو جاتی اور ہر آدمی اپنی ضروریاتِ زندگی بخوبی حاصل کر سکتا تو اہلِ خیر اور صاحبانِ نصاب کو سخاوت اور قوم و ملک پروری کی مبارک ڈگریاں کہاں سے ملتیں۔ اور ان کے جذبات اور ایثار و کرم کی قوتیں کس طرح اپنے جوہر دکھاتیں۔ میں یہاں آپ کو آپ کے لاہور ہی کے میاں تجمل حسین صاحب

کی مثال پیش کر کے صرف یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ امیروں اور مالداروں کے بچوں میں سچے مسلمان بھی اپنے خاندانی اور قابلِ فخر کارناموں کو قائم رکھنے کی جدوجہد میں لگے رہتے ہیں۔ لاہور والے بھی خوب جانتے ہیں کہ میاں اقبال حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ دین اور قوم کے بہت بڑے ہمدرد تھے اور انھوں نے پاکستانی بچوں کو اسلامی نظریات اور ایمانی رنگ میں رنگنے کے لئے ایک سکول اور بائی سکول گڑھی شاہو میں قائم کیا۔ اور خدائے تعالیٰ کے فضل سے وہ بڑی آب و تاب کے ساتھ فیض رسانی میں مصروف ہے۔ بہت سے بچے قوم کا مفید سرمایہ بن کر وہاں سے نکلتے رہتے ہیں۔ جس طرح قومی بلکہ اسلام کی اشاعت کے جذبات اور ایمانی تقاضوں سے مجبور ہو کر حضرت الحاج شیخ سردار محمد صاحبؒ نے بچیوں کے لئے تربیت و تعلیم کا سدا بہار باغ لگا دیا اسی طرح میاں محمد اقبال حسین صاحب نے بھی ایسا ہی علم کا چمنِ بہار آفرین قائم کیا تھا۔ اب اُن کے فرزندانِ ارجمند خصوصاً حضرت میاں تجمل حسین صاحب زاد اللہ عمرہٗ و اقبالہٗ اس کی آب یاری میں مصروف ہیں اور ان کی جوانی ہمارے جوانانِ پاکستان کے لئے شرافتِ خاندانی اور حلاوتِ علمی کے پیدا کرنے کے لئے مفید ترین نظیر اور مثال ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ نماز روزے کے پابند اور اخلاقِ حمیدہ اور عاداتِ پسندیدہ میں پایۂ بلند رکھتے ہیں۔ میں نے اُن کی گفتگو اُن کے ملازمین کے ساتھ بھی سنی ہے۔ مجال نہیں کہ کسی جملے سے رعونت اور غرور کی بو بھی آجائے۔ ملازموں سے گفتگو کا طریقہ ہی

ایسا ہے جس سے آقائی اور ماتحتی کا شبہ بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ میں نے اُن کے کسی ملازم کو کبیدہ خاطر اور پریشان نہیں پایا۔ میں کبھی کبھی میاں صاحب کے اخلاق اور برتاؤ کے بارے میں دریافت کرتا ہوں تو اُن کے ملازمین کہتے ہیں کہ جناب اُن کو ہماری ضروریات لازمہ کی ہم سے زیادہ فکر ہوتی ہے۔ کسی ملازم پر فوری کوئی پریشان کرنے والا واقعہ مسلط ہوتا ہے تو میاں صاحب سینہ سپر ہو جاتے ہیں۔ یا اللہ ان میاں تجمل حسین صاحب اور ان جیسے قوم پرور۔ اور اسلامی نظریات کے پابند خوشحالوں اور مالداروں کو تو ایسے اعمال و اخلاق کی مزید توفیق عطا فرما کہ وہ تیری نعمتوں اور رحمتوں کے مرکز محدود ہو جائیں اور ہمارے پاکستان سے شراب، ڈانس اور دوسرے کلب پرستی اور دھریت کے جراثیم فنا ہوتے رہیں۔ آمین۔ میاں صاحب نے اپنی کوٹھی میں بھی مسجد بنا رکھی ہے۔ شاید یہ اُن کے والد مرحوم ہی کے زمانۂ عاطفت کی ہو گی۔ پھر میاں صاحب کے بھائی اور والدہ محترمہ بھی پابند صوم و صلوٰۃ اور بہت ہی خوش اخلاق ہیں۔ ہم کسی کی تعریفوں کے پُل باندھنے کو دولت بٹورنے کے لئے اپنے واسطے بدترین لعنت سمجھتے ہیں۔ جو حضرات مجھ کو جانتے ہیں اُن کو معلوم ہے کہ میں کسی کی بھی بیجا ستائش کرنا بدترین فریب سمجھتا ہوں۔ میں تو آپ کا خادم ہوں جس کی تحریرات کبھی نہ کبھی آپ کی خدمت میں پیش ہو کر تصدیع خاطر کا سبب بنی ہونگی۔ میں صرف قوم کے اخلاقی پہلو کو نمایاں کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ اور مجھ کو ان قابل فخر خوبیوں کے بیان کرنے پر ان روایات کی کثرت نے آمادہ کیا ہے،

جن کو مالدار اور خوشحالوں کے متعلق مجلسِ نیک اور عقائدِ اسلامی میں موضوع بنایا جاتا اور پاکستان کے مستقبل کو بالکل تاریک سمجھا جاتا ہے چونکہ کسی ملک کی تہذیب و تمدن کا اندازہ وہاں کے اُن لوگوں کی زندگیوں اور عادتوں سے لگایا جاتا ہے جو سیاحوں اور بیرونی مصنفین کے محققانہ نظریات کا سرمایہ ہوتی ہیں۔ یہ بات ہمارے اپنے ملک کے لئے بھی نہایت شرمندگی کا ذریعہ ہے کہ یہاں کے امراء اور حکّام اور وہ حضرات جن کے اعمال و عادات سے غیر ملکی نووارد حضرات ہمارے نظام اور معاشرہ کا تخمینہ لگاتے ہیں۔ سیاحوں اور بیرونی حضرات کا تعلق تو زیادہ تر ہوٹلوں اور کلبوں اور چائے کافی نوشی کے ریستوران سے ہوتا ہے۔ وہ لوگ جب مذکورہ مقامات کے حاضرین کو خلافِ اسلام مشغلوں میں منہمک پاتے ہیں تو اسی کو پاکستان کا تمدن سمجھ بیٹھتے ہیں۔ حقیقتاً وہ سرمایہ دار اور بڑے چھوٹے حکّام جو اِن مقامات پر اپنی کافرانہ اور باشاہانہ فیاضی کا مظاہرہ کرتے ہیں وہ پاکستان کو نجستان ثابت کرنے کے بدترین مجرم ہیں۔ اور میں کہتا ہوں کہ وہ تمام حرکات و سکنات، اطوار و اقدار جن سے اسلامی نظریات اور ہمارے اسلاف اور بزرگوں کی مخالفت ہوتی ہو۔ پاکستان کے دامنِ پاک کے لئے بدنما داغ ہیں۔ آج مجھ کو لوگ ہوٹلوں، کلبوں اور ریستورانوں کی طرف گھسیٹتے ہیں کہ وہ پاکستان کو نجستان ثابت کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ اور میں اور میرے جیسے مبلغین اصلاح ملک اور قوم سے بالکل مایوس ہو کر جد و جہد چھوڑ دیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ لوگ اپنے آپ کو انسان کس طرح سمجھتے ہیں۔ جو

اسلامی اور شرافتِ انسانی کے تمام نشانات کو اپنی بدکرداریوں کے ذریعے مٹا رہے ہیں عیاں مانا کہ میں مغربی سیاست کو صرف مکر و فریب کا متعفن سنڈاس سمجھتا ہوں اور فی زمانہ مغربی ممالک کی بدکرداری اور احکامِ خداوندی سے بیزاری کو حیوانیت کے بھی بدترین مدارج کا سبب مانتا ہوں۔ لیکن میں ان نوجوانوں خاص کر امیر زادوں اور مغرب پرستی کے خوگروں سے ناامید نہیں ہوں، اور اسی لئے میں ہر مکتبۂ خیال کے گھر بچھونوں کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن کے خداداد آبائی مراتب شرافت کی رونمائی کی کوشش کرتا ہوں۔ کاش! ہماری قوم، ہمارے بچے، دین کے ہمدرد حضرات بھی اپنی مشیخت آبائی کے جبّوں قبّوں کو بالائے طاق رکھ کر اپنے اہل علم تعلیم یافتہ بھائی بہنوں کی اصلاح کی جد و جہد میں متفق ہو کر مصروف ہو جائیں۔ مجھے امید ہے کہ کامیاب ہونگے

ع بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد ٭ اگر خارے بود گلدستہ گردد

یہ اصلاحی کام کچھ مشکل نہیں ہے۔ ملک طارق صاحب نے جو بہت مدت سے اصلاحِ معاشرہ اور اسلامی نظریات کی اشاعت کے متعلق غور و خوض کرتے رہے ہیں۔

ملک کو اسلامی بنانے کا طریقہ: کہا کہ ہمارے علمائے کرام اور لیڈرانِ عظام ہر محلہ میں ایک ایسی انجمن یا کمیٹی بنا دیں جو محلہ والوں کی درستی کی جد و جہد کرتی رہے۔ ایک دفتر کھول لیا جائے جس میں ایسے مرد، عورت اپنے مذہبی فریضۂ اصلاح کی ادائیگی کے لئے تیار ہوں اور محلہ والوں کے اعمال و کردار کی تحقیق کریں اور

جن بھائی یا بہنوں سے اسلامی احکام اور طریقوں کے نہ ماننے کے خیالات ظاہر ہوں یا عملاً اسلامی طرزِ زندگی کی اپنے عمل اور عادت سے مخالفت کرتے ہوں ان کو اہلِ محلہ کی اصلاح پر اس طرح آمادہ کریں کہ ان لوگوں کو کسی قسم کا عذر باقی نہ رہے۔ اوّل پیار اور محبت سے اُن کو بُرے اعمال کی ان خرابیوں اور نتیجوں کو ذہن نشین کرائیں جو ان کی ذاتی عزت و وقار کو ذلّت و حقارت میں تبدیل کرتے ہیں اور پھر انکی جو اولاد اور دوسرے محلہ والوں کی بداطواری میں تعاون بلکہ تجربہ میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ اگر محبت پیار سے اُن پر کچھ اثر نہ ہو تو پھر تمام یا اکثر باثر محب ملک و قوم کو جمع کرکے اُن لوگوں کو نیک اعمال کی تلقین کرنی چاہئے۔ اگر پھر بھی ان کو جرائم اور بداخلاقی سے باز نہ رکھ سکے تو اُن کو پولیس کے حوالے کر دیا جائے۔ اور آج کل جبکہ مارشل لاء ملک میں اسلامی نظریات پھیلانے پر آمادہ ہے اس کو آگاہ کر دیا جائے۔ تو امید ہے کہ ہر محلہ سے جرائم پیشہ حضرات ختم ہو جائیں گے۔ اور پھر اس اصلاحی ادارہ کا یہ بھی فرض ہو کہ محلے کے بچے اور بچیوں کے لئے قرآنِ حکیم اور دینی کتابیں پڑھانے اور ضروریات دین سکھانے کا پورا انتظام کر دے۔ اور محلّہ کا کوئی بچہ بھی قرآنی اور دینی تعلیم سے محروم نہ رہے۔ اگر ان پاکستانی مسلمانوں خصوصاً عالموں اور قوم کے ہمدردوں کو نئی پود کو صحیح معنوں میں بزرگانِ دین۔ اور اسلاف کی صراطِ مستقیم پر چلانے کا جذبہ ہو تو۔ کریما، پند نامہ عطار اور بزرگانِ کی وہ مقبول کتابیں ہی انکے کورس میں لازم کر دیں جو اسلامی تہذیب اور اخلاق پیدا ہونے کا ذریعہ ہوں۔ اور اس وقت تک بچوں کو انگریزی تعلیم کے گڑھے

ہیں شہ ڈالا جائے جب تک وہ دینی اور آبائی تہذیب و اخلاق سے آراستہ نہ ہو جائیں۔ ہمارے محترم ملک اور قوم کی اصلاح کے سچے تمنائی جناب ریٹائرڈ چیف جسٹس پاکستان اے، آر کارنیلیس صاحب تو اس مبارک طریق اصلاح پر متعدد بار نہایت مدلل اور پسندیدہ تقاریر سے بھی اپنے دلی جذبات کا اظہار فرما چکے ہیں۔ جن پر بڑے بڑے علمائے اسلام اور مدبرین ملک وملت اُن کی تحسین و آفرین کئے بغیر نہیں رہ سکے۔ جسٹس کارنیلیس صاحب نے مجھے بھی کئی بار فرمایا ہے کہ انگریزی کی تعلیم ہی نے ہم کو اور ہماری قوم اور ملک کے اکثر افراد کو دینی اور مذہبی تہذیب و تمدن سے محروم کر دیا ہے۔ غیر ملکی حکومت تو صرف ایسی تعلیم ہی پر مصر رہی جو لوگوں کے دلوں میں اس کی عزت و حرمت بلکہ فوقیت اور برتری کا سکہ جما دے اور اس کی حمایت اور تقلید کی اشاعت میں تعاون کرے۔ اور اس کا مقصد بخوبی پورا ہو گیا کہ اکثر و بیشتر لوگوں میں اپنی مذہبی اور آبائی تہذیب و اخلاق سے نفرت پیدا ہو گئی۔ اور زندگی کے ہر شعبہ میں انگریزی تقلید پر گامزن ہو گئے۔ بلکہ انگریزوں کے مہلک طریقے بھی دینی نظریات سے بہتر سمجھنے لگے جو ملک اور قوم کی تخریب کا یقینی ذریعہ ہیں۔

آج ۱۳ / مئی ۱۹۶۹ء کو جج صاحب نے فرمایا کہ اسلام ہر مسلمان کو ملک کی اصلاح و بہبود کے جذبات کے تحت یہ اجازت دینا بلکہ فرض قرار دیتا ہے کہ اگر نظام حکومت میں کوئی شق یا قانون ملک اور ملک والوں کی تخریب کا پہلو نمایاں کرتا ہو تو اس کی تردید کر دے۔ اور حکومت کو صحیح مشورہ دیدے اور

حکومت کا فرض ہے کہ ہر دانا سمجھ دار اور معقول مشورہ دینے والے کا مشورہ قبول کرے۔ اور جس خرابی کی نشان دہی کرائی گئی ہے اس کو فوراً دور کر دے. در اصل یہ خود حکومت ہی کی مقبولیت اور استحکام کا ذریعہ ہے۔ اگر کسی حکومت کے قوانین اسلامی نظریات اور مدنی سیاست کے تقاضوں کے مخالف ہوتے ہیں تو ملک والے اس حکومت سے قدرتی طور پر نفرت کرنے لگتے ہیں اور پھر ہر ملک میں حاسدین اور طالبانِ اقتدار بھی ہوتے ہی ہیں وہ ان معترضین اور حکومت پر اعتماد نہ کرنے والوں کو اپنا آلۂ کار بنا کر حکومت کی بغاوت پر بھی تل جاتے ہیں۔ آج کل حکومتوں کی تبدیلیوں کی یہی وجوہات اور اسباب ہیں۔ چونکہ حکمران طبقات یورپ کی حکومتوں کی تقلید میں اپنے کو فرعون اور متکبر بنا لیتے ہیں اور کسی محبِ وطن اور بہی خواہِ حکومت کی رائے یا مشورہ کی پروا نہیں کرتے۔ بلکہ بعض یورپ زدہ تو ایسی مفید رایوں اور مشوروں کو سننا بھی گوارہ نہیں کرتے اور جن محبانِ قوم کے اس قسم کے عرائض یا خطوط آتے ہیں ان کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیتے ہیں اور اپنے خوشامدی حواریوں کی جی حضوری کی بدولت اپنی عزت وقار بلکہ مرتبۂ جلیلہ کی دولت کو بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ واقعی یہ تو بڑی ہی زندہ مثال ہے جس کو تمام پاکستان والے صدر ایوب کی حکومت اور اس کے زوال کے ایام مہلکہ میں دیکھ چکے ہیں۔ اور اس مخالفانہ جدوجہد سے ملک اور اہلِ ملک کو جو نقصانات پہنچے ہیں وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں بلکہ یہ تاریخوں میں مذکور ہو کر آئندہ نسلوں کو اپنے ملک کے حکام اور خود غرض طالبانِ جاہ کے بُرے کرتوت پر لعنت و

ملامت کرنے پر مجبور کرتے رہیں گے۔ کیا مسلمانوں خصوصاً ملک اور قوم کی محبت کے بڑے بڑے لمبے چوڑے دعوے کرنے والوں کے لئے یہ کچھ کم شرم اور غیرت کا موقع ہے کہ جسٹس کارنیلیس صاحب مسلمانوں میں غیر مسلم ہی سمجھے جاتے ہیں۔ وہ تو اسلامی اتحاد اور ایرانی تہذیب و تمدن پر اپنے قیمتی اوقات خرچ کرکے تقریری اور تحریری جدوجہد میں مصروف ہوں اور یہ مسلمانوں کے بچے اور خاندانی شرافت کے مدعی اسلامی نظریات کو چھوڑ کر انگریزوں کی تقلید پہ مچے رہیں۔

؎ نہ شناختی بکبار وی زکجا بدیں سفر آمدی
تو خمارِ نشۂ گیتی کہ ز خروش بے خبر آمدی

واقعی ہمارے علمائے کرام اور بزرگانِ قوم چاہیں تو ہمارا معاشرہ بہت ہی جلد اسلامی اور دائمی امن و امان کا نمایاں مرکز بن سکتا ہے۔ دیکھئے ہمارے پاکستانی چند سرمایہ دار ایسے بھی ہیں جن کے دم سے شراب خانے آباد ہیں اور شراب خانوں کے مالک بھی مالدار ہی لوگ ہیں ساگران کو شمہ بھر بھی ملک اور قوم سے محبت ہوتی تو شراب جیسی اُمّ الخبائث کو ملک میں فروغ دیکر جرائم اور بدکاریوں کی زیادتی کا ذریعہ نہ بنتے۔ بدکاریوں، چوری زنا، اغوار بلکہ ڈاکہ زنی اور سماج دشمن بداخلاقیاں اور بدکرداریاں شراب ہی سے جنم لیتی ہیں۔ اسی لئے اسلامی تعلیم میں اس کو اُمّ الخبائث مانا گیا ہے اور قرآن حکیم نے بھی شراب نوشی جوئے بازی کو شیطانی بدکاری سے ہی موسوم فرمایا ہے۔ یہ اکثر و بیشتر برائیوں بلکہ قتل و غارت کی بھی رہنما ہے۔ اگر ہمارے عمائدِ مصلحین اور محبانِ ملک جن سے اپنے خوش اخلاق اور اصلاح کے طریقے جاننے والے

حضرات چھوٹے چھوٹے وفود لےکر ان سرمایہ داروں کے پاس جاکر اُن کو شراب اور دوسری منشیات کی تجارت کی حرمت، اور نقصانات ذہن نشین کراتے رہتے اور حلال روزی کے ایسے ذرائع بتاتے جن سے وہ مطمئن ہو کر حرام کی کمائی اور تخریب ملک کی اس بد ترین وجہ اور سبب سے متنفر ہو جاتے تو یقیناً بہت سے عقلمند لوگ اس تجارت کے پاس بھی نہ جاتے۔ پھر گانجہ، چرس، افیون اور بھنگ وغیرہ کے ٹھیکے اور تجارت بھی حرام مطلق ہے۔ اِسی طرح مارفیہ کے ٹیکے ہیں جو ہماری بہادر اور دلیر قوم کے نوجوانوں بلکہ ہمارے باغِ رشکِ بہار کے نونہالوں کو فنا کر رہے ہیں کچھ کم نقصان دہ نہیں ہیں۔ مذکورہ طریق سے اُن کو بھی دُور کیا جا سکتا ہے۔

اللہ اللہ! یہ وہی قوم ہے جس کی سب سے بڑی جد و جہد برائیوں کو مٹانے کی طرف مبذول ہونی چاہیے تھی۔ کیونکہ قرآن حکیم میں اِس امت کا پیدائشی فریضہ ہی محرمات اور مہلک اعمال کو روکنا اور ملک اور قوم کی روحانی اور جسمانی خداداد قوتوں کو باقی رکھنا بلکہ زیادہ کرنے کی کوشش کرنا ہی ہے۔ آج وُہ قوم جو اپنے مُلک میں ان نجاستوں اور خرافات کو خود ہی پھیلا رہی ہے۔ اس سے زیادہ فرض فراموشی اور خودفروشی کیا ہوگی؟ کیا قوم کی محبت کا دم بھرنے والوں کا فرض ان برائیوں اور کمزوریوں کو مٹانا نہیں ہے؟ ہاں ایک چیز جو پاکستان میں اکثر لوگ بیشتر مادر تبھتے ہیں وہ ہے سینما بینی۔ مجھ کو یقین کامل ہے کہ ہمارے معاشرہ کی خرابی اور قوم کی بربادی میں سینماؤں کو بڑی جرأت اور بہادری رہی ہے۔ سینما وُہ مہلک اور بدمعاشیاں پھیلانے والا لعنتی مشغلہ ہے جس کو بڑے

بڑے لوگ تفریح طبع کہکر مفید سمجھنے لگے ہیں۔ یہ مانا کہ بعض پاک ضمیر بھائی بہن سینما کے ذریعہ عبرت اور نصیحت بھی حاصل کرتے ہیں اور بعض دِل ہلا دینے والے افلاس و غربت کے تماشات یا مناظر دیکھ کر دلوں میں ہمدردی کے جذبات بھی پیدا پاتے ہیں۔ مگر یہ ایسے خدا کے نیک بندے ہوتے ہیں جن کی عبرت کوشی اور پند نیوشی معاشرہ کی اصلاح کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔ جن حضرات کی پاک ضمیری کا اثر قوم اور ملک کی اصلاح کا ذریعہ بن سکتا ہے وہ عیاشی، خود غرضی اور جبر و تشدد و ظلم و ستم جیسے ناجائز طریقوں سے اپنا اُلو سیدھا کرنے کا ہی سبق لیتے ہیں۔ کیا سنیما بینی کی لعنت سے پہلے بھی ہماری قوم میں دھوکہ فریب، لوٹ مار، قتل و غارت اور اقتدار حاصل کرنے کے ظالمانہ اور تخریبی طریقے تھے؟ اکثر و بیشتر سیاسی لیڈر اور شاعر اور سرمایہ دار حضرات بلکہ اُن کے بیچے بچیاں اور مستورات بھی سنیما بینی کو زندگی کے لئے لازم سمجھتے ہیں۔ دیکھ لیجئے کہ اُن کے اعمالِ بد سے ملک اور ملک والوں کی کیا دُرگت ہے!! پھر لُطف یہ ہے کہ اس لعنت کے پھیلانے والے اور ملک والوں کو اس کی چاٹ لگانے والوں میں بڑے بڑے حاجی، نمازی، مولویانہ صورتوں میں نمایاں ہوکر سبقت لے جاتے ہیں کوشاں ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ جن اداروں میں یہ فلمیں تیار ہوتی ہیں اُن میں شراب کو خاص الخاص مقبولیت حاصل ہے۔ میں کئی بار شاہ نور کی طرف گیا ہوں اور ایکٹرز بچوں اور بچیوں سے باتیں کر چکا ہوں۔ کئی بچوں اور بچیوں نے نہایت شرمندگی

بلکہ افسوس سے کہا کہ ان اداروں اور کمپنیوں میں خداداد عصمت و عفت کی حفاظت بھی مشکل ہے۔ اکثر بچے بچیاں تو صرف جذباتِ جنسی کے پورا کرنے کی خاطر ہی ان اداروں سے وابستہ ہیں۔ پھر آپ کے ریڈیو اسٹیشن کے متعلقین کے متعلق بھی خوش آئند اور مفیدِ ملک و قوم، کردار کا ثبوت نہیں ملا۔ ملک میں بے شرمی، بے حیائی پھیلانے میں فلم سازی کے مراکز اور سینما حال اور ریڈیو اسٹیشن کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہے۔ اور چونکہ پاکستان کے کالجوں، سکولوں کے اکثر اساتذہ، اور معلمین و معلمات بھی سینما بینی کے رسیا ہوتے ہیں۔ اس لئے کالجوں، اور سکولوں کو بھی عزت اور حرمت کا پاسبان نہیں کہا جا سکتا۔

آہ آہ! اس قوم کی حالت پر کون نہیں روئے گا کہ جس کے اصلاحی ادارے بھی بداخلاقی کی تعلیم و تربیت سے گریز نہیں کرتے۔ پھر ہمارے اخباروں کو بھی ملاحظہ فرمائیے۔ میرے عقیدۂ راسخہ میں تو اخبارات ہی تمام برائیوں کے سچے پرچارک اور محرک ہیں۔ گویا ان اخبارات کے مالکوں، اڈیٹروں اور اس کے علم و ادب کو بدنام کرنے والے نمائندوں نے تخریبِ ملک ہی کو اپنی روزی کا ذریعہ سمجھ رکھا ہے۔ کونسا اخبار ہے جو ملک میں انگریزوں کی پیدا کردہ مہلکِ ملک و قوم ایذا دل آزار طریقوں کے پھیلانے میں نمایاں نہیں ہے؟ اور کونسا اخبار ایسا ہے جو اہلِ ملک میں فرقہ پرستی اور تفریق سازی اور انتشار اندازی کا عادی نہیں ہے؟ اور اتحادِ اسلامی کی دعوت دیتا اور اسلامی اخوت کے مفید طریقوں کی اشاعت

کرتا ہو۔ کوئی تو حکومت کے ہاں اعمال و افعال کی ستائش ہی کو اپنی زندگی کا ذریعہ سمجھتا ہے جو حکومت کو خاک میں ملا کر ہی چھوڑتے ہیں اور کوئی ملک اور قوم کو تباہ کر لے والے لعنتی الیکشن اور انتخابات ہی کو زندہ اور قائم کرنے کے لئے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگاتا ہے۔ اگر ان مذکورہ لوگوں میں اللہ تعالیٰ حاکم الحاکمین اور اس کے آخری رسول رحمت اللعالمین کی عزت و محبت کا ایک شمہ بھی ہوتا تو یہ اسلامی قانون اور اسلامی معاشرہ کی اشاعت و تبلیغ کے ذریعے ملک و قوم کے مفید بلکہ فلاح و بہبود کے مبارک کاموں کی طرف رہنمائی کر سکتے تھے۔ سب کے سب پڑھے لکھے اور کہاں کہاں کی بڑی بڑی ڈگریاں رکھتے ہیں مگر جناب جسٹس کارنیلس صاحب کا یہ سچا مقولہ ان تمام حضرات پر صادق آتا ہے کہ صرف روپیہ و دولت اور اپنی اپنی پارٹیوں، جماعتوں اور ٹولیوں کی برتری حاصل کرنے کے چکر ہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور سب کی تمنا اور آرزو دنیا کی دولت و عزت ثروت ہی کے اردگرد چکر لگانے میں ختم ہو رہی ہے۔ بینکوں کو بھرنے یا کوٹھیاں، کاریں اور جائیدادیں خرید کر نہایت عیاشی سے انگریزوں کی طرح زندگی کے لطف اٹھانے ہی میں لگے ہوئے ہیں۔ کونسی بڑی سے بڑی تنظیم ہے جس کے اشتہارات ان مدعیانِ علم و ادب کے اخبار و رسائل میں نمایاں سرخیوں اور ایکٹروں کی فحش تصاویر کے ساتھ نہیں ہوتے؟ اور کونسا اخبار ہے جو سیاسی جرائم کا ممنونِ احسان نہیں ہے؟ اب تو رسالے بھی اخبار والوں کی تقلید میں سب کچھ یہی کرنے لگے ہیں۔ یعنی

اسلامی نظریات اور اعمال سے دور رکھنے کی جدوجہد ہی ان مذہبوں کے لئے مایۂ ناز بن گئی ہے۔ میں بڑے وثوق کے ساتھ ان پرنسپلوں۔ بڑی بڑی ڈگریوں والے افسروں اور علاموں سے کہنا چاہتا ہوں کہ آپ حضرات نے یہودیوں اور انگریزوں سے اسلامی تعلیم بھی انہیں کے عقائد کی روشنی میں پائی ہے۔ آپ بھی اسلام کو اسی نظر سے دیکھتے ہیں جس نظر سے آپ کے غیر مسلم اساتذہ دیکھتے تھے۔ تو بیچارے مسکرا کر گردن نیچی کر لیتے ہیں۔ اب تو میرا یہ عقیدہ اور ایمانی نظریہ بن گیا ہے کہ یہ لوگ جو ملک والوں میں انگریزوں کی تقلید کے پھیلانے میں لگے رہتے ہیں۔ اہل ملک میں بے شرمی، بے حیائی اور بے پردگی کے عروج اور اسلامی نظریات سے غفلت کا یہی لوگ بدترین ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔ اور حقیقت میں اُن کے علوم جدیدہ یعنی جہالت ہی کو اپنا رہے ہیں۔ مسلمان کا اہم ترین فرض ہے کہ حق بات کہتا رہے اور ملک والوں کو برے اور ہلاک کرنے والے طور طریق سے بچانے کی کوشش کرنے میں لگا رہے۔

کیا یہی ملکی محبت ہے؟

میرے پیارے بھائی بہنو! آپ نے اکثر اوقات یہ دیکھا ہوگا کہ لوگ امیروں، مالداروں خاص کر وقت کے حکام کی منقبت اور قصیدہ خوانی میں لگے رہتے ہیں بلکہ ان علوم جدیدہ کے ڈگری یافتوں اور بعض مولویوں میں بھی لوگوں کو بے وقوف بنا کر اپنا الو سیدھا کرنے کے عادی لوگ موجود رہتے ہیں۔ وہ حاکموں اور سرمایہ داروں کی بدکرداریوں کی تعریف

د توصیف ہی کمی نہیں کرتے کیونکہ اس کے بدلے میں حکامِ وقت سرمایہ دار ان کے بہت سے کام نکال دیتے ہیں اور بعض حکومتوں میں تو ان کو پرمٹ لائسنس اور بہت سے ذرائع آمدنی مہیا ہو جاتے ہیں۔ پھر اللہ بخشے ہمارے شعرائے کرام بھی ہر دور کی منقبت، گانے بجانے کی مجالس کی زینت ہیں۔ اور مشاعرے تو انہیں کے دم قدم سے ہیں۔ وہ تو اپنی شاعری کے میدان کے تلاشی ہی رہتے ہیں۔ کیا آپ نے ایوب خانی دس سالہ دور کو ملاحظہ نہیں فرمایا کہ بہت سے علماء اور مشائخین کے بدنام کرنے والے نام نہاد لوگ ان کی تعریفوں کے پل باندھتے رہے۔ اور ان کی صدارت دہ سالہ کو رحمتِ خداوندی سمجھ کر ان کی مزید حکومت کے لئے وظیفے کرتے تھے۔ اور تو اور جلسوں میں ان سے درخواستیں کرتے تھے کہ آپ اپنی صدارتِ عظمیٰ کو بغیر مقابلے اور انتخابات کی احتیاج کے دائم اور قائم رکھئے۔ ایڈیٹروں، مدیروں، اور ملک کے شاعروں، ادیبوں نے بھی کچھ کم انعامات حاصل نہیں کئے۔ لیکن ان خود غرضوں کی خوشامد در آمد اور ناجائز چاپلوسی ہی نے ان کو اپنے ملک کی ضروریات اور خواہشات سے لاپرواہ کر دیا اور آخر کار ان کی صدارت کی جڑیں ہل گئیں۔ خدا کی قسم یہ لوگ صرف صدر ایوب خاں ہی کے دشمن ثابت نہیں ہوئے بلکہ ملک والوں کے ساتھ بھی بہت بڑا ظلم و ستم کیا ہے کہ ان کی جائز خواہشات اور مطالبات نہیں مانے گئے۔ اور پھر ایک دن وہ بھی آگیا کہ خود صدر کا وجود معرضِ تلف میں پڑ گیا اور تمام ملک

ہیں ان کی صدارت کی بغاوت نے ملک والوں کو بے چین بھی رکھا اور بہت سے معصوموں کو ہلاک بھی کروا دیا۔ اور بہت سے مکانات جلوائے۔ اور بہت سی دوکانیں بھی لٹوا دیں۔ اور نوبت یہاں تک جا پہنچی کہ ملک والوں کی محبت کا دم بھرنے اور خود غرضوں کو سبز باغ دکھانے والے پڑھے لکھے لیڈر ہی قتل وغارت کا سبب بنے۔ کیا ان میں سے کسی کو ملک یا ملک والوں کا دوست اور خیر خواہ کہا جا سکتا ہے؟ اس پر طرہ یہ ہے کہ پھر بھی مجاہل عارفانہ کے پیشہ ور شاعر، ادیب اور اخباروں کے اڈیٹر اور اپنی آنکھوں سے تخریب ملک وملت کے تمام تماشے دیکھنے والے بھی الیکشن اور انتخابات والی حکومتیں چاہتے ہیں۔ چونکہ اکثر پڑھے لکھے رنگے بٹے جاننے والے ہیں۔ وہ اپنا اُلو سیدھا کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ان میں ملک کی محبت اور ملک والوں کے ساتھ ہمدردی کا ایک شمہ بھی ہوتا تو یہ سارے کے سارے صرف اللہ تعالیٰ ہی کا قانون اور اس رحیم وکریم خدائے قدوس ہی کی حکومتِ عالیہ کی جد وجہد کرتے!! گویا ان کی نگاہ میں تو خدائے تعالیٰ کا وجود ہی نہیں ہے۔ اگر خدائے جل وعلیٰ کو موجود سمجھتے تو اُس کے نظام اُس کے حبیب رحمت اللعالمینؐ کے مبارک طریقوں کی مخالفت کیوں کرتے؟ اور ان کے خلاف خود غرض جاہ پرستوں کی حکومت کے راستے صاف کرنے میں ملک کے بے گناہوں کو کیوں مرواتے؟۔ بتایئے کوئی عقلمند بھی ایسے لوگوں کو کسی قسم کا مفید وجود بھی سمجھ سکتا ہے۔ جو خدائے تعالیٰ ہی کے منکر ہوں۔ علامہ نے بہت ہی درست فرمایا ہے:-

ؔ تیری نگاہ میں ثابت نہیں خدا کا وجود
میرے یقین میں ثابت نہیں وجود تیرا

ملک کی محبت کا نشان؛ تو صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا فرمائی ہوئی ہدایتوں سے اُس کے بندوں کو فائدے پہنچائے جائیں۔ اُن کی عادتوں اور کاموں میں خوبی اور نفاست پیدا کی جائے۔ اُن کو بندگانِ خُدا کے فدمت کی فلاح و بہبود کے راستوں پر چلایا جائے۔ اصلی بات یہ ہے کہ اچھا اور پاک مال ہی ملک و قوم کی خدمتوں اور ترقیوں میں اپنے جلوے دکھا سکتا ہے۔ حرام اور ناجائز طریقوں سے حاصل کئے ہوئے مال و دولت کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ وہ ملک اور ملک والوں کی تباہی اور بربادی کا ذریعہ بنے۔ وہ لوگ جن کے باپ دادوں نے انڈیا کے مسلمانوں کو مروانے اور ہلاک کر دینے کے لئے انگریزوں کی مدد اور غلامی میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں کئے اُن کو انگریزوں نے بڑی بڑی زمینیں اور علاقوں کا مالک بنا دیا اور خدائے تعالیٰ کی زمین قوم فروشوں اور لالچیوں کو دیدی۔ اکثر و بیشتر یہ لوگ انہیں زمینداروں کی اولادیں ہیں جو اپنی صدارتوں اور بڑی بڑی پوسٹوں کے حاصل کرنے کی خاطر ملک میں انگریزوں کے لعنتی طریقہ الیکشن۔ اور انتخابات کے ذریعہ لڑائی جھگڑوں، قتل و غارت اور لوٹ مار کے بازار گرم کرواتے ہیں۔ کیونکہ اپنے آبائی حرام مالوں کے ذریعے بہت سے لوگوں کو اپنے پھندوں میں پھانس رکھا ہے کہ وہ ان کی طرفداری اور

ووٹ دینے دلوانے کے منصوبے بنائے بیٹھے ہیں۔ اس وقت اکثر و بیشتر الیکشن اور انتخابات کے تقاضے وہی لوگ کرتے ہیں جو خدائے تعالیٰ کے مفید ترین نظام اور خاتم الانبیاءؐ کے رحم وکرم اور امن و امان پھیلانے والے طریقوں سے بیزار ہو کر صرف اپنے پجاریوں اور حرص وطمع کے بندوں کی رائے سے اپنے اپنے منصوبوں کی تکمیل چاہتے ہیں۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ شرابیوں، زانیوں، جواریوں، ریس بازوں، چندہ، ڈمدک اور حرام چیزیں کھانے والوں اور سود خواروں اور فرعون کی طرح غریبوں، کسانوں پر ظلم وستم کرنے والوں کو خدائے قدوس کے نظام والی حکومت میں کوئی مرتبہ، عہدہ نہیں مل سکتا۔ بلکہ اُن کی حرام اور ناجائز مخرب ملک وملت عادتوں کو چھڑانے کے لئے ان کو اسلامی تعزیرات کے شکنجوں میں کھینچا جائے گا۔ اور وہ ملک وملت کے لئے بدترین دشمن ثابت ہو کر سخت ترین سزاؤں کے لائق قرار دیئے جائیں گے۔ اس لئے وہ اسلامی نظام نہیں چاہتے۔ بلکہ اس کی صراطِ مستقیم کے مخالفانہ ایسے طریقوں کے منصوبے تیار کرتے ہیں کہ وہ نظامِ اسلامی جاری ہی نہ ہونے پائے۔

اگر ان سیاست کے ماروں اور انگریزی تہذیب کے پرستاروں کے دل ودماغ میں ایک چنگارہ، تنگا بھی ایمان کی روشنی کا ہوتا تو کہتے بلکہ کوشش کرتے کہ دل وجان کے جذبات کے ساتھ اپنے گناہوں اور بدکاریوں سے تائب ہو کر اللہ تعالیٰ کے احکام اور خاتم الانبیاءؐ

کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنیکا عہد واثق کر لیتے چونکہ اللہ تعالیٰ کے نظام میں
بڑے سے بڑے گناہ سے توبہ کرنے پر آدمی پاک ہو جاتا ہے اور پھر
اللہ تعالیٰ پر ایمانِ کامل لاکر اسلامی نظام کو جاری کر کے اور اللہ تعالیٰ
کی اعلیٰ حاکمیت کے انوار سے ملک و قوم کو منور کر دیتے۔ چونکہ مومن
اور مسلمان کی پہچان ہی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی کریم صلی اللہ
علیہ وآلہٖ وسلم کا سچا فرمانبردار بن کر زندگی بسر کرے اور دوسروں کو بھی
ان کا فرمانبردار بنانے کی جدوجہد کو فرض سمجھے۔ آپ ہی کے شہر لاہور
میں شیخ محمد یامین صاحب انبالے والے بہت پکے مسلم لیگی تھے۔
جن کو اللہ تعالیٰ نے سرمایہ دار بنایا تھا۔ جو اپنے سرمایہ سے قوم اور ملک
کی خدمت کرتے تھے۔ اور مسلمانوں کو کافروں کے ظلم و ستم سے بچانیکی
ہمیشہ کوشش کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس عطا فرمائے
وہ تبلیغی جماعت کے بھی سرگرم رکن تھے۔ اور اس میں جہاں مال کی ضرورت
ہوتی دل کھول کے دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو پاکستان میں بھی اُن کے
مکانات اور جائیدادوں کے عوض مفید عمارات دلوا دی تھیں۔ تاجر تو
وہ خاندانی ہی تھے۔ اب بھی بفضلہٖ تعالیٰ ان کے بھائی شیخ الحاج محمد یونس
صاحب کراچی میں بڑے پائے کے تاجر ہیں اور راولپنڈی اور لاہور
وغیرہ شہروں میں بھی ان کے بھائیوں اور بچوں کی دوکانیں ہیں۔ مگر
اکثر و بیشتر افراد دین کے پابند ہیں۔ قرآنِ حکیم اور اسوۂ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ
وآلہٖ وسلم کے سچے قدردان ہیں۔ انارکلی میں بفضلہٖ تعالیٰ ان کا بھی ہوٹل ہے

جس میں مسافر ہی قیام کرتے ہیں۔ لیکن انکے ہاں بھی ایسے ہی لوگوں کو کمرے دئے جاتے ہیں، جو دیندار اور نمازی ہوتے ہیں۔ خود ہوٹل ہی کی عمارت میں عربی کا مدرسہ بھی ہے۔ شراب نوشی اور زناکاری کی لعنت تو اس ہوٹل کے خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتی۔ یہ کہنا کہ سرمایہ دار جس نے ملک کو خراب کیا ہے بالکل غلط ہے۔ برانڈرتھ روڈ پر حضرت الحاج شیخ فضل الٰہی صاحب خدائے تعالیٰ کے فضل سے بہت بڑے تاجر ہیں۔ اور گرمی شاہو میں رہتے ہیں وہ جماعت ہی سے نماز پڑھتے ہیں۔ اور دین کی تبلیغ اور اپنے بھائی بہن مسلمانوں کی بھی دینی اور دنیوی فلاح و بہبود کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ بہت سی بیوگان اور یتامیٰ کے وظیفے مقرر کر رکھے ہیں۔ مساجد کی دیکھ بھال اور مرمت میں بھی روپیہ خرچ کرتے رہتے ہیں۔ یہ کتاب تو مسلمانوں کی ترقی کے اسباب و علل اور ان کے اخلاق و عادات اور پاکبازی کی بشارتوں کے بیان کے لئے ہے۔ اس میں مسلمانوں کو نصیحت اور عبرت حاصل کرنے کی زندہ مثالیں بھی اسی غرض سے پیش کی گئی ہیں۔ میرے خیال میں اگر ایسی مثالیں بیان کی جائیں جن کو پڑھنے والے خود اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ سکیں تو اتمام حجت کا بہترین طریقہ ہے۔ جس کو آسمانی کتابوں میں بھی قابل بیان سمجھا گیا ہے۔ رئیسوں، امیروں کو اگر غریبوں اور اپنے سے کم درجے والوں سے نفرت ہوتی ہے اور ان کی طرف عبرت و نصیحت کے لئے نظریں نہیں اٹھتیں بلکہ ذلت اور حقارت کے ہی کے نظریہ سے دیکھتی ہیں۔ تو اگر ان میں

شمہ بھر عقل و شعور اور انسانی جذباتِ تخیلی عزت موجود ہوں تو پھر ان جیسوں
کی مثالیں قوم کے لیے عبرۃ الغافلین ہونا چاہیئیں۔

عبرۃ الغافلین: مجھ کو بہت ہی اچھی طرح یاد ہے کہ جب دھلی
میں پاکستان کی تشکیل و تعیین ہو رہی تھی۔ تو
قائدِ اعظم اور ان کے رفقائے کار وہاں موجود تھے اور تمام کانگریسیوں
نے بھی تمام انڈیا کے لیڈروں اور نیتاؤں کو جمع کیا تھا۔ جس میں تمام
علمائے کرام جو کانگریس میں شریک تھے دھلی میں تشریف لائے
تھے۔ مجھ کو قائدِ اعظم نے اپنے اور ان کے خطوط وغیرہ کا ذکر کر کے فرمایا
کہ آپ مولانا ابوالکلام اور دوسرے علمائے کرام سے دریافت تو
کیجئے کہ ان کے پاس ہندوؤں کے ساتھ اتحاد یعنی مسلم و کافر کے
اشتراک کے جواز کی کیا سند ہے۔ چنانچہ میں مسٹر آصف علی
صاحب کے مکان پر پہنچا۔ جہاں مولانا ابوالکلام صاحب موجود تھے
اور زیادہ تر کانگریسی علمائے کرام ڈاکٹر انصاری صاحب کی کوٹھی
دریا گنج میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ میں نے مولانا ابوالکلام صاحب سے یہی دریافت
کیا تو وہ اپنے طرزِ کلام منطقی کے ذریعے اس کے جواز کی بڑی کوشش
کرتے رہے۔ آخر کار میں نے کہا کہ یہ منطق و فلسفہ۔ جواز و عدم
جواز کے معنی کی حیثیت سے کبھی بھی قابلِ قبول نہیں ہو سکتے۔
آپ کوئی نص۔ آیتِ قرآنی یا ارشادِ نبی رؤف الرحیم لائیے۔ تو کہنے
لگے جناب میرے پاس اس اشتراکِ کفر و اسلام کی کوئی شرعی دلیل

تو نہیں ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے۔ میں نے کہا آپ کے لئے دعا
کرتے ہوئے شرماتا ہوں۔ کونسی آیت اور حدیث آپ کے ذہن میں
نہیں ہے؟ یہ کہہ کر میں نے اپنی کتاب دُرّۃُ الغافلین ان کی خدمت
میں پیش کر دی تھی۔ جس میں میں نے آیات و احادیث کے ساتھ
حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی، مولانا مظہر الدین صاحب
مالک الامان و حدت اور مولانا عبد الماجد صاحب بدایونی، مولانا
نثار احمد صاحب اور حضرت مولانا مظہر اللہ صاحب رحمتہ اللہ اور
حضرت مولانا ظفر علی خان صاحب اور علامہ اقبال علیہم الرحمتہ کی نثر ایں
بھی پیش کی تھیں۔ خدائے تعالیٰ کے فضل سے دُرّۃُ الغافلین کا بہت
اچھا اثر ہوا تھا اور کئی کانگرسی اس شرکت کو چھوڑ کے پاکستان کے طالب
ہو کر پاکستان کے نظریہ کے حامی بن گئے تھے۔ اسی طرح ان امیروں
اور مالداروں اور سرمایہ داروں کے لئے ہمارے دلائل و براہین اللہ
بہ زندہ شالیں دُرّۃُ الغافلین ہی کا کام دیں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ غالباً
پنجاب کے کارخانہ داروں اور سرمایہ کاروں سے حضرت الحاج میاں محمد
دین صاحب رحمتہ اللہ علیہ نیشنل فین والے بھی پوشیدہ نہیں ہوں گے۔
اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ بہت ہی سخی تھے۔ انھوں نے سینکڑوں
مسجدیں تعمیر کیں اور بعض مساجد کے اماموں اور موذنوں کی تنخواہیں
بھی مقرر کر دیں۔ پھر ٹیکسے تو بیت اللہ شریف اور مدینہ منورہ کئی بار
بھیجے اور پاکستان کے کئی شہروں کی مسجدوں میں گھڑی کے لگائے

ہوئے پہنچا رہا ہے۔ خداداد رحمت کی ہواؤں سے نمازیوں کے اطمینان اور دلی دعاؤں کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔ پھر میں نے سنا ہے کہ بیوہ عورتوں، اور مفلسوں، ناداروں کے وظیفے بھی مقرر کر دیئے۔ پھر ایک بات الحاج میاں محمد دین صاحب میں دوسرے کارخانہ داروں اور دولت مندوں کے لئے نہایت ہی نصیحت آمیز تھی کہ اپنے کاریگروں اور مزدوروں کو خوش رکھتے تھے۔ غنڈہ گردی سے زمانہ ظلم سیاست میں بہت ہے۔ بڑے چھوٹے کارخانوں کے مزدوروں نے ہڑتالیں کیں مگر میرے علم کے مطابق نیشنل ٹین کی فیکٹری والوں کی ہڑتال کی آواز نہیں آئی۔ میاں صاحب مرحوم اپنے مزدوروں اور ملازمین کا بہت ہی خیال کرتے تھے۔ میں نے ان کے ہاں کے بڑی پوسٹ اور معمولی تنخواہ والوں سے کئی بار دریافت کیا مگر یہی معلوم ہوا کہ حضرت میاں صاحب کہے اور عرض کئے بغیر ہی ضروریات زندگی کے مطابق تنخواہ اور اجرت دیتے ہیں۔ میں نے ان کے قریبی احباب سے سنا ہے کہ میاں صاحب اکثر کہا کرتے تھے کہ ہمارے ہاتھ پاؤں اور دولت اندوزی کا ذریعہ یہی ملازمین ہیں، جن کے دم قدم سے ہمارے کاروبار کو زندگی اور ترقی نصیب ہوئی ہے۔ اگر یہ ناخوش اور پریشان رہیں گے تو پھر ہم کو ان کی کمائی بھی حلال نہیں ہوگی۔ ان کے بچے بھی معاملات میں بہت اچھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو نماز، زکوٰۃ اور دوسرے اخلاقی

نظریات کی پوری پابندی کی توفیق رفیق عطا فرماتا رہے۔ اور ان کے ذریعے سے میاں صاحب مرحوم کا مبارک طریقۂ خدمتِ دین اور اصلاح و بہبودِ قوم جاری رکھے آمین۔ میں نے اُن کے ملازموں ہی سے سُنا ہے کہ اُن کے فرزندان ارجمند بھی شراب نوشی، کلبوں کے ڈانس، ریسوں اور جوئے کی لعنت سے بالکل محفوظ ہیں۔ تکبر اور ریا و نمود سے بھی کوسوں دُور ہیں۔ کیا زندہ مثال اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل اور قوم کی حفاظت اور دین داری اور معاملات کی خوش اسلوبی کی کچھ کم ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ جن لوگوں کو اپنے خاندان اور بزرگان دین سے شمہ بھر عقیدت اور اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ حاکمیت اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہدایتِ کاملہ پر یکا یقین ہے وہ ہمیشہ انگریزوں کی تقلید اور بداخلاقیوں سے خود بھی دُور رہتے ہیں اور اپنے احباب اور ماتحتوں کو بھی بچاتے رہتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہمارے پاکستان خصوصاً پایۂ تخت لاہور میں بھی دین کی اشاعت و تبلیغ اور ملک والوں کی فلاح و بہبود چاہنے والوں میں ایسے حضرات بھی ہیں جو اپنی نیکیوں اور فیض رسانیوں کو پوشیدہ رکھنے میں بھی کوشاں ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو سب کچھ دے رکھا ہے اور بڑے سرمایہ داروں اور امیرزادوں میں قابلِ تحسین و آفرین ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اپنے اکثر اوقات اللہ تعالیٰ کے ذکر اس کی عبادت اور بندگانِ خالق و مالک کے کاموں میں صرف کرتے ہیں اور پھر کسی پر احسان نہیں

جناتے۔ اور نہ اپنی تعریف و نمود و نمائش ہی پسند کرتے ہیں۔ میں ان کے متعلق زیادہ لکھنا تو ان کی ناراضگی کے خیال سے نہیں چاہتا۔ لیکن ان کا تعارف کرانا بھی ضروری جانتا ہوں کہ کیسی وقت شریعت مطہرہ کی اشاعت یا قومی فلاح و بہبود کے اجتماعی اور موثر کاموں میں ان کی شرکت سے برکت حاصل کی جا سکے۔

حضرت الحاج میاں نور اللہ صاحب اگرچہ لائل پور کے مشہور سرمایہ دار خاندان سے تعلق رکھتے ہیں مگر لاہور میں زیادہ رہتے ہیں کہ اجتماعی فلاحی کاموں سے محروم نہ رہیں۔ پھر ان کے صاحبزادگان اور بچیاں اور ان کے شوہر بھی ماشاءاللہ تعالیٰ اکثر نیک پابند شریعت اور شیطانی کاموں اور مشغلوں سے اجتناب کرتے اور دوسروں کو بھی محبت سے رہنے کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ وہ بڑی بڑی پوسٹوں سے سرفراز ہیں۔ میں ان کے صاحبزادوں اور دامادوں سے بھی ملا ہوں۔ اسلامی نظریات کے حامی اور خدا رسیدہ ہیں۔ پھر میاں غلام قادر صاحب شاذو لیبارٹری والے بھی ہمارے سرمایہ داروں کے لئے نہایت ہی بیش بہا نمونہ ہیں۔ ان کی جوانی بھی دین اور قوم کی مایۂ ناز خدمات میں پھلی پھولی اور عروج شباب کے مراتب کا گہوارہ بنی رہی۔ اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کے خاندان کو ہمیشہ اپنی خدمات سے سرفراز فرماتے رہے۔ ان کے صاحبزادگان بھی جوانوں کے اخلاق و عادات کی درستی کے لئے نہایت کارآمد سبق ہیں۔ دینی اور قومی معاملات میں انہماک اور تمام منہیات اور ان اعمال شیطانی سے کلی پرہیز جن کو ہمارے بہت سے شریف زادگان اپنا شعار

اور باعثِ فخر مشغلہ سمجھتے ہیں۔ دیکھئے میں تو اسی آدمی کو انسان سمجھتا ہوں جو اپنے خالق و مالک اور اس کے رحمت اللعالمین سردارِ دوعالم خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فرمانبرداری اور ان کے مبارک قوانین اور ضوابط کی حمایت و پاسداری میں لگا رہے۔ ماشاء اللہ یہ مبارک جذبات میاں شجاع الرحمٰن و میاں ذکاء الرحمٰن و میاں ہارون الرحمٰن میں پاتا ہوں۔ ان کو اپنے خاندان کی خداداد عزت و شرافت کے استحکام ہی کے کاموں میں مشغول پاتا ہوں۔ یہ تو مانتا ہوں کہ جب اللہ تعالیٰ دولت دیتا ہے تو اس کے خرچ کے نامناسب مواقع بھی نظر انداز نہیں کئے جاتے ہیں اور روپیہ، ریا نمود، دوستوں کی آؤ بھگت یا ظاہر طور سے بڑے بڑے افسروں کی پریس میں اور ان کی توجہ اپنی طرف منعطف کرانے کے لئے ڈالیاں بھی پیش کی جاتی ہیں۔ مگر ہمیں تو ان فضول خرچیوں پر صدمہ ہو رہا ہے جو دوسری اور وہاں بھی زندگی کے عذاب کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ آخر سب کلمہ گو ہمارے اسلامی بھائی بہن تو ہیں ہی ان کی خوشی سے یقیناً ہم کو مسرت ہوتی ہے۔ لیکن ان فضول خرچیوں پر صدمہ ضرور ہوتا ہے جو معاشرہ کی تخریب کا ذریعہ اور پھر عذاب آخرت کے اندیشہ کو یقین سے بدل ڈالتی ہیں۔ یہ فضول خرچیاں پڑھے لکھے اور بڑی بڑی ڈگریوں والوں کے ہاتھوں ہوتی ہیں۔ تو معاً خیال ہوتا ہے کہ ان بھائی بہنوں کو علومِ جدیدہ نے نہ دنیا کا رکھا اور نہ دین کا۔ کیونکہ انہیں علومِ جدیدہ سے ناآشنا بھائیوں کو دین دنیا کی سرخ روئی کے کاموں میں مشغول پاتا ہوں۔ میں تمام تجارتوں سے زیادہ مشکل السلک کے لئے مفید ان تجارتوں اور

کاروبار کو سمجھتا ہوں جن کے ذریعہ قوم کے لئے ردیبوں میں کفایت شعاری کا عنصر زیادہ ہوتا ہے۔

کباڑ خانہ: آپ سب جانتے ہیں کہ ہر آدمی چاہتا ہے کہ اس کی کوئی چیز بھی ضائع نہ جائے۔ خصوصاً وہ چیزیں جو اب کسی وجہ سے کار آمد نہیں ہیں۔ پڑی پڑی خراب نہ ہو جائیں بلکہ کسی طرح ان کو فروخت کر کے ٹکے سیدھے کئے جائیں۔ آپ نے بھی کبھی ایسی چیزیں یا وہ کتابیں جو کسی جماعت میں پڑھی جا چکی ہیں۔ فروخت کرنے کا خیال ضرور کیا ہوگا۔ اگر پرانی کتابیں خریدنے والے بھائی نہ ہوں تو یہ غرض پوری نہیں ہو سکتی۔ ہمارے ان بھائیوں کا بھی بڑا احسان اور قابلِ قدر خدمت ہے جو پرانی کتابیں یا چیزیں خرید لیتے ہیں۔ مگر مشنری اور بڑے بڑے پمپ یا انجن بیکار یا خراب ہو جاتے ہیں تو چونکہ وہ قیمتی ہوتے ہیں اس لئے ان کا ضائع کرنا بھی نقصان مانا جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہی ہے کہ اس نے ہمارے بعض قوم کے ہمدردوں کو یہ جذبہ عطا فرمایا ہے کہ پرانے قیمتی بیکار یا ناقابلِ استعمال پرانے مشینی انجن اور دوسری چیزیں۔ بگڑی ہوئی کاریں، موٹروں، سائیکلیں۔ بلکہ دائرہ ویل میں کام آنے والی بڑی بڑی اشیاء کو بھی خریدتے پھرتے یا کہنے سننے پر قیمتاً لے لیتے ہیں۔ آپ خود غور کیجئے۔ استعمال شدہ اور بعض خراب ناقص مشینوں، انجنوں اور قیمتی پرزوں کو گھر سے رد کئے اور چالو سکوں کے بدلے میں لے لینا اور اپنے بھائیوں کو تضیع مال کے غم والم سے

نجات دلا کر اُن کی مٹھی گرم کردیا گیا کم سخاوت اور قوم پروری ہے؟ پھر بعض ہیٹنوں اور ایجنٹوں کو اُٹھا کر لانا اور اپنی دوکانوں میں بٹھانا بھی کچھ کم محنت و مشقت کا عمل نہیں ہے، پھر میں نے سنا ہے کہ بعض زیادہ قیمتی سامان جس کے ضائع ہونے کے خطرات مالکوں کی شدید تشویش کا باعث ہوتے ہیں قرض دام کر کے بھی خریدنا بہت ہی بڑا ایثار ہے! آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ کسانی کے بعد سب سے بڑا مرتبہ تجارت کا ہے۔ اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دلچسپ مشغلہ اور حلال روزی کا ذریعہ تجارت ہی تھا۔ اس میں برکت بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت ہے۔ کیونکہ تجارت میں اپنا مال خرچ کر کے مال خریدا جاتا ہے اور خدائے تعالیٰ ہی سے اس کے بکوانے اور روپیہ وصول کرانے کی امیدگی رہتی ہے۔ خصوصاً لوگوں کی استعمال شدہ ناقص چیزیں خرید لینا تو بہت ہی زیادہ توکل کا ذریعہ ہے۔ بعض انجن اور مشینیں تو بہت ہی زیادہ قیمت اور روپیہ خرچ کرنے پر بکری کے قابل ہوتی ہیں۔ قربان جاؤں اللہ تعالیٰ رحیم و کریم کے کہ وہاں کباڑی بھائیوں کی حوصلہ افزائی فرماتا ہے۔ اور ان کی محنت و مشقت کا صلہ اچھے اور نفع دینے والے نرخوں پر بکوا کر دیتا ہے۔ ٹھیک ہی مقولہ ہے کہ "مالِ حلال بود بجائے حلال رفت"۔ کہ ہمارے کباڑی بھائی اپنے اس قدر محنت و مشقت سے حاصل کئے ہوئے مال کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے کاموں میں بڑی دریا دلی اور سخاوت سے خرچ کرتے ہیں اور اپنے دین کی خدمات

اور قوم پروری کے وہ جوہر دکھاتے ہیں کہ تجربہ اور عقل حیران رہ جاتے ہیں۔ اگرچہ دہلی میں بھی یہ قوم کے ہمدرد یعنی بے کار چیزوں کے ضائع ہونے کے غم سے بچاتے اور ضرورت مند بھائیوں کو کم خرچی اور بالانشینی کے فیض سے ہم کنار کرنے کا پیشہ کرتے تھے۔ مگر ان کے کردار اور قومی اور دینی خدمات کے جوہر پاروں کی چمک دمک سے محروم تھا۔ خدائے تعالیٰ بھلا کرے جناب حافظ محمد اسلم اور میاں محمد دین اور صوفی بلکہ الحاج میاں محمد یعقوب صاحبان کا کہ انھوں نے مجھ کو اپنے قابلِ فخر اخلاق کا مظاہرہ فرما کر اس بابرکت اور بہر صورت مفید کاروبار کے فائدوں کی معلومات بہم پہنچانے کا بہت مبارک ذریعہ ذہن نشین کرا دیا۔ یہ پہلی ملاقات بھی تانگے میں ہوئی تھی۔ میں ان حضرات سے ملنے کو کبھی کبھی جانے لگا مگر ان کی ملنساری اور دینی خدمات اور قومی شفقت کی مقبول ترین عادتوں نے مجھ کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔

الحاج صوفی محمد یعقوب صاحب کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی کا ممتاز مرتبہ حاصل ہے۔ میں نے ان کو دیکھا کہ بڑی بڑی بے مصرف وقت امیدی ضائع رسال چیزوں کو خریدتے رہتے اور ان کو بڑی محنت سے درست اور کارآمد بنا کر نئی چیزوں کی نسبت کم منافع پر ضرورت مند حضرات کو بڑی فراخدلی سے دیتے رہتے ہیں۔ پھر قومی اور سماجی کاموں میں بھی اپنے ہم پیشہ

احباب کے ساتھ کافی حد تک دلچسپی لیتے ہیں۔ بابو ربان کے ایثار وکرم کا اندازہ
لگانے کے لئے مجھ سے متعارف پر نظر عنایت کافی ہے۔ میں اشاعت دین
میں بھی اور اپنی ذاتی مالی مشکلات میں گھر گیا تھا۔ باتوں باتوں میں مجبوراً میری
زبان سے ظاہر ہو گیا تو بڑی فراخدلی اور بے غرضی سے میرے ساتھ
پورا تعاون فرمایا اور پھر مجھ کو ان کے دینی علوم کی تحصیل کا تلاطم خیز اشتیاق
مجبور کرنے لگا کہ روزانہ ان کی خدمت میں اپنی مختصر سی معلومات کا ہدیہ پیش کرتا
رہوں۔ انھوں نے بڑے شوق سے عربی پڑھنی شروع کی اور اب بغیر
اعراب کے عربی کی کتاب جو اسلامی نظریات و معتقدات کے تذکرہ اور اولیائے
کرام کے واقعات میں نہایت صحیح روایات سے پُر ہے پڑھتے ہیں۔ چونکہ
مجھ کو ان کے پاس بیٹھنے کا غالباً ایک گھنٹہ تو ضرور اتفاق ہوتا ہے۔ اس
مختصر وقت میں بھی بہت سے سائل آتے ہیں۔ کسی کو محروم نہیں کرتے مگر
بعض کچھ ایسے شریف بھی آتے ہیں جن کو دس روپئے سے کم دینا حاجی صاحب
کی سخاوت کے لئے عار محسوس ہوتا ہے۔ بفضلہ تعالیٰ دو حج کر چکے ہیں
اور اللہ تعالیٰ کے مکان مبارک بیت اللہ شریف کی زیارت اور سرور
دو جہاںؐ کے روضۂ اقدس کی حاضری کے جذبات میں کچھ زیادتی ہی ہے۔
پھر چند بیوگان بھی آتی رہتی ہیں۔ ان کو بھی محروم نہیں کرتے۔ کھیل تماشوں،
سینما وغیرہ کو شاید خواب میں بھی نہیں دیکھتے۔ نہایت خوش اخلاق اور
متانت کے کھرے ہیں۔ لوگ اُن کی بہت عزت کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے
کہ احکامِ خداوندی پر عمل کرنے سے ہی لوگوں کے دلوں میں عزت آتی

ہے۔ میں نے بڑے بڑے اُن سرمایہ داروں کو بھی دیکھا جن کی بداعمالی
اور احکامِ خداوندی سے سرتابی کی بنا پر ان کے گھر والے اور ملازمین بھی
دِلوں میں نفرت کرتے ہیں۔ پھر اسی پیشہ "کباڑ" کی تجارت میں بڑے مشتاق
الحاج میاں اللہ رکھا صاحب بھی ہیں۔ ان کو بھی احکامِ خداوندی کی بجا آوری
اور احکامِ شریعت کی پابندی میں روحانی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ زیادہ
اوقات اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ذکر و اذکار ہی میں خرچ کرتے ہیں۔ سخاوت اور
مروت میں بھی وہ کباڑی مارکیٹ بلال گنج میں بہت مشہور ہیں۔ نیک کاموں
اور تبلیغی اُمور سے خاصی دلچسپی رکھتے ہیں اور قوم کی فلاح و بہبود کے کاموں
میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے ہیں۔ کھیل تماشوں، سینما وغیرہ سے اُن کو نفرت
ہے۔ اپنی محنت سے حاصل ہوا روپیہ اچھے اور کاروبار کے لئے ضروری
کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔ خود بھی کئی بار زیارتِ بیت اللہ شریف سے
مشرف ہو چکے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور بھی چند حاجی اس مارکیٹ میں ہیں۔ لیکن دینی اور
قومی کاموں میں اِس مارکیٹ کے اکثر حضرات فراخدلی سے حسبِ توفیق خدمات
شیخ محمد ایوب صاحب کی صدارت میں انجام دے رہے ہیں۔

میں نے سُنا ہے کباڑی مارکیٹ کی کمیٹی بھی انہیں کاموں کے لئے تشکیل
دی گئی ہے۔ پھر ایک بات یہ بھی سُنی ہے کہ کمزور اور کم سرمایہ تاجروں کی امدادِ
ضروری بھی اس کمیٹی نے اپنے فرائض میں شامل کر لی ہے۔ یعنی اگر کسی غریب

تاجر کو قرضِ حسنہ کے طور پر روپئے کی ضرورت ہو تو یہ کمیٹی قرض دیتی ہے۔ اور یہ کباڑیہ بھائی بھی قرض ادا کر دیتے ہیں۔ اُن تاجروں کی طرح نہیں ہیں جو اپنے اہم پیشوں سے جلتے ہوں۔ دہلی کے ہوں یا لاہور اور امرتسر یا کراچی کے کباڑیہ کا پیشہ کرنے والوں میں باہمی محبت، اتفاق۔ اپنے اہم تجارتی معاملات میں مشورہ کرنے کی عادت بھی بہت پیاری ہے۔ اور تکبر وغیرہ جو دوسری قسم کے تاجروں کے اکثر افراد میں نمایاں ہوتا ہے ان کباڑی بھائیوں میں نہیں ہوتا۔ دیکھئے ان سے دلی ربط و ضبط رکھنے والوں میں بھی بفضلہ تعالیٰ، اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی دولت کے باوجود بھی ملنساری اور انکساری کی صفت نمایاں ہوتی ہے۔ جناب میاں شرف الدین صاحب میکلوڈ روڈ والے انگریزی کے بھی بڑے قابل اور اپنے خاندانی علوم میں بھی بہرۂ وافر رکھتے ہیں۔ بڑے کارخانے کے مالک اور لاہور کے نہایت ذی عزت رئیسوں میں ہیں۔ لیکن اسلامی نظریات کے ایسے قدر دان ہیں۔ کہ سلام پہلے کرتے ہیں اور میلے کچیلے کاریگروں اور کباڑی بھائی بہت ہی بے تکلفی اور اسلامی اخوت کے جذبہ سے پیش آتے ہیں۔ پھر دین اور قوم کی خدمات کو خوشی خاطر انجام دے کر بہت مسرت محسوس کرتے ہیں۔ احسان جتانا یا اپنی شخصیت مآبی کے نمایاں کرنے کا پہلو اختیار کرنا بہت ہی معیوب جانتے ہیں۔ پھر مولوی محمد امین صاحب اپنے بھائیوں اور بچوں سمیت، اسلامی جذبات کے پورا کرنے میں نہایت پوشیدگی سے کوشاں رہتے ہیں۔ اور یہ چیز بھی ان کی خاندانی پابندی اسلام کی مبارک صفت سے

مزین ہونے کا آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اِن کے والدِ بزرگوار کو دیکھ کر آپ یہ نہیں سمجھ سکتے کہ یہ چھوٹے تاجر ہیں۔ اخوتِ اسلامی کے دلدادہ اور ایثار و کرم کے مجسمہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرماتا رہے۔ آمین۔

غریبی کی شان: غریبی کے معنی تو سب لوگ جانتے ہیں۔ جو نکہ ہر طرف غریبوں کی ہی کثرت ہے۔ لیکن مسافرت اور نادراری اجنبیت کو بھی غریبی اور غربت کہتے ہیں۔ اگر اس کے اصلی معنوں کو یاد رکھیں تو سب کے سب ہی غریب ہیں۔ نہ کوئی بھانا رہے گا۔ خالی ہاتھ آتے ہیں اور خالی ہاتھ ہی جاتے ہیں۔ جن لوگوں کو عقل ہے ان کو ہر وقت اپنی اصلی حالت یاد رہتی ہے۔ اور یہی چیز تمام نبیوں کی مایۂ ناز دولت تھی کہ وہ دنیا میں اپنے کو مسافر سمجھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو خالقِ مطلق اور مالکِ کل ماننے کا ثبوت اپنی زندگی کے ہر پہلو سے ظاہر فرماتے تھے۔ اور اسی کی تلقین بھی کرتے رہتے۔ بلکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تو غریبی نادارِی پر فخر کیا ہے اور خدائے تعالیٰ سے دعائیں کرتے تھے کہ مجھ کو غریبوں میں رکھنا اور غریبوں ہی میں اٹھانا۔ اس کا یہ اثر تھا کہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور اسد اللہ الغالبؓ نے اپنی مبارک زندگیاں بھی نہایت غربت سے گزاریں۔ اپنے مال و دولت کو اسلام کی اشاعت و تبلیغ میں خرچ کرتے رہتے۔ اور خداداد مال و متاع میں سے اپنی زندگی کی ضرورتیں پوری کرنے کو جائز سمجھتے۔

باقی روپیہ پیسہ اور برتنے کی چیز، بس ان لوگوں تک پہنچاتے اور تلاش کر کے دیتے جو زندگی بسر کرنے کے اسباب کے حاصل کرنے سے مجبور ہوتے تھے۔ غلاموں کو خرید کر آزاد کرنا۔ بیواؤں، یتیموں، اپاہجوں اور لوگوں کی زندگی کی ضرورتوں پر خرچ کرنا اہم ترین فرض سمجھتے تھے۔ اور ان کی مبارک شریعت اور طریقت میں یہ چیز بالکل ہی گوارہ نہیں تھی۔ کہ خداداد نعمتوں اور دولتوں سے اپنی زندگیاں ممتاز کر لیں، اور دوسرے مجبوروں کو بالکل نظر انداز کر دیں یا مال و دولت کو جمع کرتے رہیں۔ اے میرے مسلمان کہلانے والے بھائی بہنوں! کیا آپ قرآنِ حکیم سے اس درجہ ناآشنائی اور ناواقفیت کا ثبوت دے سکتے ہیں یا اس پر فخر کرتے ہیں کہ مال و متاع جمع کرنے کی دھن ہی آپ کا معیارِ زیست بن کر رہ جائے۔ میرے ایمان میں وہ شخص انسان کہلانے کا حق بھی نہیں رکھتا جو قرآنی نظام کو حقیر اور ناقابلِ عمل سمجھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود قرآنِ کریم میں صاف بیان فرما دیا ہے۔ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ یعنی اس کے لئے بہت ہی سخت خرابی (یا دوزخ کا انتہائی دردناک عذاب ہے) جو لوگوں کے پیچھے ان کی برائی اور عیب جوئی کرتا ہے اور سامنے بھی ان کو برا یا حقیر سمجھتا ہے اور وہ وہی ہے جو مال جمع کرتا ہے اور اس کو شمار کرتا رہتا ہے۔ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ رہے گا۔ كَلَّا لَيُنبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ یقیناً وہ بدترین عذاب والی دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

آپ کو مال جمع کرنے والوں کی وہ حقیقت معلوم ہوگئی جو خالقِ مطلق نے نے بیان فرمائی ہے اور اس پر عمل فرما کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہلِ بیت اطہارؑ اور صحابۂ کبارؓ نے دکھا دیا جو قیامت تک حدیثوں اور معتبر تاریخوں میں دنیا کی رہنمائی کا سامان بہم پہنچاتا رہے گا۔ کیا کوئی عالم احادیث و تواریخ سے بتا سکتا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا اُن کے خلفائے عظام اور اہلِ بیت کرامؑ نے مال اس لئے جمع کیا ہو کہ ضرورتمندوں کو دیکھتے ہوئے اُن پر خرچ نہ کیا جائے اور ان کی موت کے بعد اُن کے ورثا میں تقسیم کیا گیا ہو۔ یا اُنھوں نے اپنی زندگیاں عیش و آرام اور فضول خرچیوں سے گزاری ہوں؟ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ چند صحابۂ کبارؓ بڑے بڑے مال دار تھے۔ بلکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہلی زوجۂ مکرمہ رضہ بہت مالدار تھیں مگر اُن کا تمام مال و متاع اسلام کی اشاعت اور غریبوں مسکینوں کے آرام و راحت میں ہی صرف ہوتا تھا۔ میرا دعویٰ ہے کہ جو لوگ خاتم الانبیاء سرورِ دو جہاںؐ اور اُن کے خلفاءؓ و اہلِ بیتؑ سے سچی عقیدت رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اُن کے مال و متاع ہی سے ہمارے پاکستان کے وفادار مفلس، کم سرمایہ بلکہ مجبوروں کی زندگیاں گزرتی ہیں۔ میں نے تو آپ کے سامنے اُن کبار خانہ والوں کی مثال بھی پیش کر دی جو نہایت محنت و مشقت سے حاصل کی ہوئی دولت کو قوم اور ملک کی امانت سمجھتے ہیں۔ عوام کی بھلائی اور ترقی کے کاموں اور مجبوروں کو سخت ترین مصیبتوں سے آزاد کرانے کے

سلئے ہی خرچ کرتے ہیں۔ آپ کبھی تو کبارسی مارکیٹ میں جاکر دیکھئے کہ اکثر دیسی اور اسلامی لباس میں ٹوپی، کُرتے، پاجامے ہی ملبوس سجادہ نشین، بناوٹ، بناؤ سنگار سے لاپرواہ ہو کر دو کانوں میں خراب اور ناکارہ پرزوں، مشینوں، انجنوں کے درست کرنے میں مصروف ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ علوم و فنون اور گٹ پٹ کی ڈگریوں کے مرہونِ منت نہیں ہیں۔ مگر خدائے تعالیٰ کے فضل سے اس اپنی غریبانہ حالت ہی میں لاکھوں کے کاروبار سے سرفراز ہیں۔ مگر اسلامی سادگی اور ایمانی نشانات کے قائم رکھنے میں بڑے بڑے گریجویٹوں سے فوقیت اور برتری کے تمغے رکھتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کے فضل سے پاکستان میں ایسے لوگ بھی ضرور ہیں جو عملاً اسلامی زندگی کے شیدائی ہیں۔ مثلاً الحاج راؤ محمد ظفراللہ خاں صاحب جن کی شکل و صورت اور لباس بھی آبائی اور اسلامی ہے۔ پھر کھانے بھی وہی پسند کرتے ہیں جو رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پسند تھے۔ درست کا گوشت ہرا یعنی لیا گیا۔ جس کو لوکی اور کدو بھی کہا جاتا ہے۔ جمعہ کو حجامت بھی کراتے ہیں یعنی سر منڈوا لیتے اور مونچھوں کو بھی شرعی بنا لیتے ہیں۔ نماز کے تو عاشق ہیں۔ ایک ضروری کام سے بندہ شاید آٹھ سے پہلے ہی جا دھمکا۔ نوکروں سے معلوم ہوا کہ چاشت کی نماز میں مصروف ہیں۔ باہر بیٹھ گیا۔ خدا خدا کر کے نماز سے فارغ ہوئے تو سلام دُعا کے بعد عرض کی کہ جناب اشراق اور چاشت کی ۴ اور ۸ رکعات بھی کافی ہوتی ہیں۔ آپ نے ایسے وقت

وقت میں بھی پیش پیش ہیں جو میں کا دستور ہو گیا یہ ملنے والوں کی تکلیف کا سبب ہوتا ہے۔ فرمایا اگر خدا تعالیٰ کے نزدیک کیا ہے؟ میں نے کہا قرب کا بہترین ذریعہ۔ لیکن اس قرب خداوندی کے صدقے میں اس کے بندوں کو اپنے قرب کے انتظار میں رکھنا کیسا ہے؟ تو زیر لب مسکرا کر خاموش ہو گئے۔ تہجد کو غالباً دو بجے اٹھتے ہیں، اور کسی ملازم کو جاڑے میں بھی پانی گرم کرنے کی تکلیف نہیں دیتے۔ ٹھنڈے پانی ہی کو وضو کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ ملازموں اور مزدوروں سے نہایت نرمی وانکساری سے گفتگو کرتے ہیں۔ بندوں کے حقوق کی ادائیگی کو بھی کافی اہمیت دیتے ہیں۔ میں ایک روز ملنے گیا شاید دس بجے کا وقت ہوگا تو لغاری صاحب تشریف لے آئے۔ یہ وہی لغاری صاحب ہیں جو مختلف سرکاری پوسٹوں کے گورنر رہے ہیں۔ یا سرکاری بڑے بڑے عہدے ان کو طواف کرتے ہیں۔ رانا صاحب نے ملازم سے کہا کہ میاں کوئی مشروب بہت ٹھنڈا لغاری صاحب کی خدمت میں پیش کرو۔ تو لغاری صاحب نے فرمایا کہ یہ مشروبات میں کئی ماہ سے نہیں پیتا۔ میں نے کہا کیوں؟ تو کہنے لگے مشکوک ہیں۔ یہ سن کر مجھ کو بڑی خوشی ہوئی کہ لغاری صاحب صرف شکل وصورت ہی میں جو ہر اتباع نبوت سے مزین نہیں ہیں۔ بلکہ دل میں بھی یہ اسلامی ثقافت جلوہ افروز ہے۔

الحمد للہ کہ ہمارے پاکستانی افسروں میں بھی اسلامی نظریات سے سرفراز ہونے کے جذبات نمایاں ہیں۔ اے جی آفس میں محمد سرفراز خان صاحب

جن کو عام طور سے حاجی صاحب ہی کہا جاتا ہے۔ باقاعدہ رشد و ہدایت کے مجاز ہیں۔ بہت سے نفوس کو اپنے انوارِ ہدایت سے منورہ فرماتے رہتے ہیں۔ پھر اسی دفتر میں حضرت مولانا اظہار الحق صاحب بھی تھے۔ اب واپڈا میں نو ملازمین ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے حج سے مشرف ہو چکے ہیں۔ اور چودھری نذیر احمد صاحب بھی پابندیٔ شریعتِ مطہرہ میں دوسرے بھائیوں کے لئے نصیحت و عبرت کا مجسمہ ہیں۔ ان کے علاوہ میں مسٹر فیض رسول اور میاں عبدالواحد خاں صاحبان وغیرہم بھی اسلامی نظریات اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے دل و جان سے قدردان ہیں۔ قصہ کوتاہ میں نے تو لاہور کے تاجروں، افسروں، اور فوجیوں اور پولیس والوں میں ایسے مبارک حضرات بھی دیکھے ہیں جن کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ یاد آتا ہے۔ اور ان کی صحبت میں بیٹھ کر دین و ایمان کی تجلیاں نظر آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے سرمایہ دار اور بڑے بڑے دوسرے افسروں کو بھی توفیقِ رفیق عطا فرمائے کہ وہ عوام اور متعلقین کے لئے دین میں دل لگانے اور حضور اکرمؐ کا سچا اُمتی بن جانے کے لئے مشعلِ راہ بن جائیں۔ چونکہ بڑوں کی نیکیاں چھوٹوں کی رہنمائی کا ذریعہ بہت ہی جلد بن جاتی ہیں۔ اور دوسرے سرمایہ دار اور افسران کے دلوں میں بھی شوق پیدا ہوتا ہے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لاڈلے بن کر دو جہان کی عزتیں اور سرخروئی حاصل کریں آمین۔

میرا ارادہ تھا کہ اسی کتاب میں اُن اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا ذکر خیر

کرکے کچھ تو ثواب لے لوں۔ کتاب بڑی ہو جائیگی تو اللہ تعالیٰ چھپوا ہی دیگا جس نے بڑی کتابیں بھی چھپوا کر مفت تقسیم کروادی ہیں۔ ایک کرم فرما اور ذی علم بھائی نے فرمایا کہ مولانا آپ ملک کی صحیح اصلاح چاہتے ہیں تو ان بہن بھائیوں کا تعارف کرائیے جنھوں نے اسلامی نظریات کو اپنا کر قوم کے اعمال کی درستی کیلئے قابلِ فخر نمونے پیش کئے ہیں اور کرتے رہتے ہیں۔ آپ کتاب کا نام رکھئے "موجودہ زمانے کے بزرگان دین" یہ مشورہ مجھ کو بہت ہی پسند آیا کیونکہ مجھ کو کئی رنگ ٹ پٹ کے ماہرین اور بڑی پوسٹوں پر متمکن حضرات نے فرمایا تھا کہ میاں آپ مولوی لوگ اپنی کتابوں رسالوں میں اُس دقیانوسی زمانے کے قصے اور مثالیں بیان کرتے ہیں جو سائنس کی نور پاشیوں سے بالکل محروم تھا۔ یہ جدید تعلیم و تہذیب کا زمانہ ہے اس میں پرانے انسانوں کی قدر و منزلت نہیں ہو سکتی۔ تو میں نے ان کو جواب مسکت یہ دیا تھا کہ افسوس آپ کی اس انسانیت پر کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مقرب ترین انبیاء علیہم السلام کے اُن واقعاتِ مبارکہ کو دقیانوسی سمجھتے ہیں جو آسمانی کتابوں کے شاہکار ہیں۔ علامہ اقبال نے صحیح فرمایا تھا کہ ؎

نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے ٭ جہاں پاؤ پھینک کر توڑ ڈالو!

تو یہ سُن کر وہ خاموش رہے۔ پھر میں نے اُن کو اپنی کتاب "خاتم الانبیاء" بھی دیدی چونکہ میں نے اُس میں نئی تہذیب اور نئے علومِ جدیدہ کی پوری وضاحت کی ہے اور ان کے نقصانات کو مفصل بیان کر دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق کی صحت و عافیت اور آرام کے لیئے جو طریقے بھی اپنے نبیوںؑ کے ذریعے بیان کیئے۔ اور انھوں نے ان پر عمل کر کے دکھایا ہے پس وہی دنیا کے واسطے مفید نظام ہے۔ اِن خود غرض سائنسی اور تمام دنیا پر اپنا وحشیانہ اور ظالمانہ نظام مسلط کرنے کے ایسے ناہنجار طریقے نکالے ہیں جن کو کوئی عقلمند بھی گوارہ نہیں کرتا اور نہ کوئی آسمانی شریعت ہی اس کے جواز کا فتویٰ دے سکتی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ حضرت خاتم الانبیاء احمد مجتبیٰ، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ورُودِ مسعود ہی پہلے آمرانہ اور ظالمانہ طریقوں کو مٹا کر رحیمانہ اور تمام بنی نوع انسان کے لئے مساویانہ نظام کے جاری کرنے کے لئے فرمایا تھا۔ دنیا کا کوئی انسان بھی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ انھوں نے یا اُن کے صحابہ کبارؓ اور اہلِ بیتِ اطہارؑ نے خداداد نعمتوں کو اپنے ذاتی فائدوں میں صرف کیا ہو۔ ہمارے حضورؐ پر ایمان لانے والے بفضلہٖ تعالیٰ بڑے بڑے مالدار تاجر تھے۔ لیکن انھوں نے اسلام کا حلقہ بگوش ہو کر تمام مال ومتاع کو مخلوقِ خدائے تعالیٰ کی خدمت ہی کے لئے سمجھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفۂ اوّل کی مثال تو میں پہلے ہی پیش کر چکا ہوں کہ انھوں نے بندگانِ خدا کی فلاح و بہبود کے لیئے تمام اندوختہ بلکہ اپنے گھر کے پاک نفوس کو بھی حضورِ اکرمؐ کی خدمت میں پیش کر دیا تھا۔ اور یہی حال اکثر فرمانبردارانِ نبی کریمؐ کا رہا۔ پھر یہ تمام پہلے ایمان لانے والے

تو مکۂ معظمہ کے وہی حضرات تھے جو حضورِ اکرمؐ کی غربت و افلاس کے ایام بھی دیکھ چکے تھے۔ حضورؐ نے کبھی بھی اپنی اور اپنے گھر والوں کی فارغ البالی کو ترجیح نہیں دی۔ اور انتہائی عسرت کے زمانے میں بھی دوسروں کی ضرورت کے پورا کرنے کو ہی اپنی بعثت کا ظاہر کار سمجھا۔ آپ ناظرین کے سامنے اُن مدینہ کے رہنے والوں کے حالات بھی موجود ہیں جنھوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی رحمت اللعالمینی کے واقعات سُن کر ہی حضورِ اکرمؐ کو مدینہ شریف بلایا تھا۔ جب وہ مہاجرین اپنی تمام املاک اور ضروریاتِ زندگی مکہ ہی چھوڑ کر مدینہ آ گئے تھے تو مدینہ کے تمام مسلمانوں نے حضورِ اکرمؐ کی خدمتِ اقدس میں متفق ہو کر درخواست کی تھی کہ حضورؐ ہم کو آپؐ کا خدائی اور آسمانی نظام ہی آپؐ کی غلامی پر آمادہ کر چکا ہے۔ لہٰذا ہم نہایت منتقل مزاجی اور صمیمِ قلب سے عرض کرتے ہیں کہ تمام مہاجرین ہماری منقولہ اور غیر منقولہ املاک میں برابر کے شریک ہیں اور جو حضرات اپنی رفیقاتِ حیات بیویوں کو بھی نہیں لا سکے یا مر چکی ہیں ہم میں سے ہر آدمی اپنی بیویوں میں سے ایک ایک یا دو دو کو طلاق دے کر اپنے مہاجر بھائیوں کے ساتھ عدت کے فوراً بعد ہی نکاح کر دیں گے۔ یہ سُن کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اور مہاجرین بہت ہی خوش ہوئے اور پھر سب کو اہلِ مدینہ بھائیوں نے اپنے مکانوں، زمینوں، جائیدادوں۔ اور باغات میں برابر کا شریک بنا لیا اور جو مہاجرین بیویوں سے محروم

تھے۔ مدینہ والوں نے اپنی بیویوں کو طلاق دیدے کر عدت کے بعد مہاجرین کے حبالۂ نکاح میں دے دیا۔ یہ تھا اسلامی نظام کا ہنگامہ سا خاکا۔ اور قرآنِ حکیم میں اسی نظام کو اسلامی نظام فرما کر اس کے قائم کرنے والوں کو اپنی رضامندی کی سند عطا فرمادی ہے۔

وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔ (پ ۱۱۔ سورۂ توبہ) یعنی وہ لوگ جو پہلے ایمان لانے والے ہیں مہاجرین میں سے اور انصار میں سے (یعنی مہاجرین اور انصار) اور وہ لوگ جنھوں نے کامل طور سے ان مہاجرین و انصار کی پیروی کی اللہ تعالیٰ اُن سب سے راضی ہو گیا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ (اس کے نظام مساوات و اخوت کو سچے دل سے مان لیا) اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے نہروں والی جنتیں مقرر فرمادی ہیں۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اور یہ اُن کی بڑی ہی کامیابی ہے۔ بس جو لوگ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے مہاجرین و انصار کی پیروی کرتے اور اپنے مالوں کی باقاعدہ زکوٰۃ نکال کر حقداروں کو دیتے ہیں اور اگر زکوٰۃ کا روپیہ ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری نہیں کرتا۔ تو اپنی جیب سے بھی اپنے ملک والے ضرورت مندوں کو دیتے ہیں۔ جو صدقات ہیں

جن کی ہدایات آیاتِ قرآنی میں موجود ہیں۔ مسلمان کو یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے پاس مال و متاع ہوتے ہوئے ملک والوں کی مجبوریاں دُور کرنے میں تساہل کرے یا دوسروں کی تکالیف کو دُور کرنے کی کوشش نہ کرے۔ بس مسلمان وہی ہیں جو اپنے مال و متاع اور ضروریاتِ زندگی کو اس لئے جمع کرتے ہیں کہ وقت آنے پر انفرادی یا اجتماعی ضرورتوں پر نکل آئے۔ اور قوم و ملک کی مجبوریاں دُور ہو جائیں۔ جب اسلامی حکومتیں تھیں تو بیت المال ہوتا تھا اور سعودی عرب اور دوسرے اسلامی نظام والے ملکوں میں اس وقت بھی بیت المال ہوتا ہے اور سرمایہ، ملک اور ملک والوں کی ضرورتوں پر خرچ ہوتا ہے۔ لیکن اس کی غرض یہ نہیں کہ لوگ زکوٰۃ و خیرات لینے کا پیشہ اختیار کر لیں۔ اور تندرست و توانا لوگ مانگتے پھریں۔ اسلامی نظام میں بیکار رہنا اور کام کاج کر کے ضروریاتِ زندگی حاصل کرنے کی طاقت ہوتے ہوئے سوال کرنا بھی قانوناً حرام ہوتا ہے۔ بس یہی نظام حقیقت میں اسلامی نظام ہے۔ اور اس کے قیام کے لئے سرمایہ داری، اور جائز طریقوں سے مال و متاع حاصل کرتے رہنا فرضِ عین ہے۔ جس کی تاکیدیں آیاتِ قرآنی میں جا بجا موجود ہیں۔ مجھ کو بڑی مسرت ہے کہ غریبوں کی طرح زندگی بسر کرنے والوں میں ابھی تک یہ نظام ہے جس کی مثالیں ہم نے کبار طبی حضرات کی زندگی سے پیش کی ہیں۔ کیونکہ وہی غریب ہیں جن کی تعریفیں قرآنِ کریم اور حضورِ اکرم صلعم کے

ارشادات میں موجود ہیں۔ حضورؐ نے فیصلہ فرمادیا۔ بَدَءَ الْاِسْلَامُ غَرِیْبًا۔ وَسَیَعُوْدُ غَرِیْبًا۔ یعنی اسلام غریبوں (غیر متکبر دل اور انحوت والوں) سے شروع ہوا ہے اور انہیں میں رہے گا۔ آپ نے علامہ اقبال اور مولانا حالی وغیرہما سچے اور پاک طینت شعرائے کرام کے ہاں بھی غریبوں کی دینداری کے مضامین پڑھے ہوں گے۔ مجھ کو افسوس ان نام نہاد شاعروں پر ہے جو تکبر، غرور و شہوانی اور حیوانی جذبات کو برانگیختہ کرنے اور اسلامی نظام کو مٹا کر روسی اور دھریوں کے نظام کی مدح سرائی کرتے ہیں۔ خدا کی قسم قوم اور دین کے سب سے بڑے دشمن یہی شعرا اور مصنفین اور لیڈر رہیں جو دھریت کی تعریف یا تقلید کی گندگی سے معاشرہ کو گندہ کر رہے ہیں۔ میں تو ایمان سے کہتا ہوں کہ ان میں کوئی بھی میرے سامنے اپنی انسانیت ثابت نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم نے ایسے ہی آدم زادوں کو حیوانوں سے بدرجہا بدتر فرمایا ہے۔ ہمارے اس پاکستان کو نجستان بنانے کی جدوجہد ہی کو یہ لوگ اپنا دین وایمان سمجھتے ہیں۔ مجھے پاکستان کے حاکموں کی عقل وسمجھ اور سیاست دانی پر بھی تعجب ہے کہ ایسے موذیوں ملک پر مسلط ہوئے دن انعامات کس طرح کرتے رہتے ہیں۔ کیا حکام پاکستان، پاکستان کو نجستان بنانے ہی پر تلے ہوئے ہیں کہ دھریوں، روسی اور چینی ظالمانہ نظاموں کی تعریف کرنے والوں کو نوازتے رہتے اور ان کی ناپاک جدوجہد کو جاری رہنے دیتے

ہیں۔ آپ ذرا ان شاعروں اور لیڈروں کو اپنی آنکھوں سے بھی دیکھتے ہیں کہ یہ خداداد دولت کو شرابوں، کلبوں، ریسوں اور فحش فلمیں بنانے اور اسلامی مخالفت کے نظریات پھیلانے میں صرف کرتے ہیں۔ کیا ان میں سے کوئی بھی ایسا ہے جس نے اپنی دولت و ثروت سے ملک کے اپاہجوں، بیماروں اور مجبوروں کی امداد کی ہے؟ یا ناداروں کی پریشانیاں دور کی ہیں؟ میاں صاحب میں تو پاکستان کے دین کے اکثر پیشوا عالموں کو بھی دیکھتا ہوں کہ اپنے اپنے حلقے کے سادہ لوح عوام کو بدھو بنا کر جماعتیں بنائی ہیں۔ اور جماعت کے امیر بن کر اکثر نہایت عیش و آرام کی زندگیاں گزارتے ہیں۔ مگر فری میسن کی طرح ان کے شرائط بھی ایسے سخت ہوتے ہیں کہ جو ان کی ہاں میں ہاں نہ ملائے اس کو اپنے خود ساختہ جماعتی نظام کی رو سے مجرم گردانتے۔ اور مستوجب سزا قرار دیتے ہیں۔

اللہ اللہ بڑی حیرانی ہے کہ ایک خدائے تعالیٰ، ایک ہی قرآنِ حکیم اور ایک ہی نبی رؤف الرحیمؐ، ایک ہی اسلام اور ایک ہی ایمان ہے۔ پھر یہ برساتی کیڑوں کی طرح سیاسی خود غرض جاہ طلبوں کی جماعتوں کی شکل میں مدعیانِ دین اور تابعانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ جماعتیں کس طرح ڈھالی ہیں۔ حالانکہ قرآنِ حکیم اور نبی رؤف الرحیمؐ نے اتفاق ہی کی تعلیم دی ہے۔ اسلام اور اسلامی نظریات و معتقدات کی اشاعت و تبلیغ کو جماعت سازیوں ہی نے نقصان پہنچایا ہے اور عوام عقلمند

طبقات میں بھی ان سے نفرت پیدا ہوگئی ہے اور بیچارے عوام کالانعام میں سے بہت سے دین سے ناآشنا، دھریوں، منکرین حدیث، چکڑالویوں اور روس وغیرہ سے تنخواہ پانے والے دشمنانِ دین کے پھندوں میں جا پھنستے ہیں۔ مجھ کو فری میسن بدترین دشمنانِ دینِ اسلام کی حقیقت بھی آج کل اخبارات اور خصوصاً ڈائجسٹ سے معلوم ہوئی کہ اس میں بھی مسلمان خاندانوں کے نوجوان گرفتار ہو چکے ہیں۔ بتائیے اور انصاف فرمائیے کہ علمائے کرام کا تو اہم ترین فریضہ اسلام کی تعلیم اور صداقت کو غیر مسلموں کے دلوں میں اتارنے کی جدوجہد قرار دی گئی ہے۔ ان کو مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے طریقوں سے کیا غرض؟ میں نے سیاسی اور دینی جماعت سازوں میں دُنیا کے عیش و آرام اور خلافِ اسلام نظریات کی پیروی تو بہت دیکھی تھی۔ مگر ان جماعت ساز عالموں میں بھی خودغرضی اور دنیا کی طمع کچھ کم نہیں۔ ہاں چند عالموں کو میں نے دیکھا کہ وہ بھی اپنی جماعت کے عرفِ عام میں امیر ہی تھے مگر انھوں نے اپنے رہنے کے لئے مکان تک بھی نہیں بنایا۔ میں نے لاہور میں بھی تین عالموں کو ایسا ہی پایا۔ شیرانوالے دروازے میں حضرت مولانا احمد علی صاحب مرحوم اور حضرت مفتی محمد حسن صاحب مرحوم جامعہ اشرفیہ والوں کو اور وہاں حضرت مولانا ابو الحسنات مرحوم کو بھی ایسا ہی پایا کہ ان کا ذاتی مکان یا کوٹھی نہیں تھی۔ سنا ہے کہ مولانا احمد علی صاحب مفسرِ قرآن کرایہ کے مکان میں رہتے تھے۔ اسی طرح مولانا

ابوالحسنات صاحب کے متعلق معلوم ہوا۔ مگر ان تینوں میں اسلام کی اشاعت و تبلیغ کے جذبات نمایاں تھے۔ اور مفتی محمد حسن صاحب اور مولانا احمد علی صاحب کو تو اپنی آنکھوں سے ناداروں کے ساتھ ہمدردی کرتے اور بڑی بڑی رقمیں دیتے دیکھا ہے۔ جس طرح دہلی کی جامع مسجد شاہی کے امام حضرت مولانا سید احمد صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد مظہر اللہ صاحب امام شاہی مسجد فتح پوری تھے کہ وہ اپنے خرچ غریبوں کی طرح رکھے ہوتے تھے۔ مگر حاجت مندوں کے لئے ان کی سخاوت کے دروازے ہر وقت کھلے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو اپنے اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرب کے بہت بڑے درجے عطا فرماتا رہے۔ آمین

آپ کو اس تحریر سے معلوم ہو گیا کہ اسلام میں سرمایہ داروں یعنی مالداروں کے اہم ترین فرائض میں عاجزی، انکساری اور نادار اور ضرورت مند انسانوں کی ہر طرح حاجت روائی شامل ہے۔ یہ یورپی، مغربی تہذیب کے مارے ہوئے مالداروں نے اپنے اخلاق وعادات اسلامی راستے سے محروم کر دئے۔ اور تکبر، غرور اور اکثر نے عیاشی اور فضول خرچیوں کو مالداری کی امتیازی شان دیدی ہے۔ یہ سرمایہ داری اسلام میں حرام مطلق ہے۔ یہ تو ملک اور قوم کو تباہ کرنے کے لئے بدترین دشمن ہے۔ اسی نے ملک میں مغربی بلکہ فرعونی تہذیب کو جاری اور ساری کر دیا ہے۔ دیکھئے ایسی مالداری، امیری اور سرمایہ داری مسلمانوں

کے لئے لازم ہے۔ جو اسلامی نظریات و تہذیب کے پھیلانے کا ذریعہ بن سکے۔ میں نے الحاج میاں نور اللہ صاحب کی مثال پہلے بھی دی تھی کہ وہ فون پر بھی پہلے ہی سلام کرتے ہیں۔ اسی طرح الحاج رانا محمد ظفر اللہ خاں صاحب ہیں۔ اور میرے خیال میں دوسرے مسلمان سرمایہ داروں میں بھی اسلامی نظریات کے پھیلانے کے لئے سرمایہ داری کو اچھا ذریعہ سمجھتے ہوں گے لیکن اکثریت مسلمانوں میں بھی ایسے ہی سرمایہ داروں کی ہے۔ جو سلام کرنے اور سلام کا جواب دینے کو بھی کسرِ شان جانتے ہیں۔ اور اسلامی نظریات کو حقیر سمجھ کر ان کے پابندوں کو بھی حقیر سمجھتے ہیں۔ ان کی غرض یہ ہے کہ کم مایہ نادار خصوصاً کاریگر اور مزدور طبقہ صرف ہماری خدمت اور سرمایہ داری کی لوجا کے لئے بنا ہے۔ واقعی ان کی سرمایہ داری اور اس سرمایہ داری کو قائم کرنے والا نظام بھی اسلامی نظریات کے نزدیک قابلِ نفرت ہے۔ اسلام اسی فرعونی نظام کے مٹانے کے لئے ہی آیا ہے۔ وہ تو انسان بھی اسی آدمی کو مانتا ہے جس کی جدوجہد بندگانِ خدا سے مجبوریاں دُور کرنے کے لئے ہی جاری ہو۔ چونکہ ایسے کافرانہ اور ظالمانہ نظام کو وہی حکومتیں جاری کرنے کی اجازت دیتی ہیں یا اپنی مدد سے جاری کراتی ہیں۔ جو خود ظالمانہ طریقوں سے ملک والوں کو لوٹ کھسوٹ کر اپنے خاندان کو نئی نسلوں تک عیش و آرام کے وسائل دینا چاہتی ہیں۔ اور شریف اکثریت اسی نظام پر لعنت بھیجتی بلکہ اس کو مٹانا

ہی اپنا بڑا کارنامہ سمجھتی ہے۔ مجھ کو تعجب ہے ان حاکموں کی عقل پر جو ملک میں چند لوگوں کو بڑی بڑی تجارتوں کی آزادی دیدیتے ہیں تاکہ وہ اہلِ ملک کے خون چوستے رہیں۔ آخر میں ایسی ہی حکومتوں کا خون چوسنا بھی عوام اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ مگر جاہلوں نادانوں خصوصاً ان خود غرض لیڈروں پر افسوس جو ایسے نظام کو اسلامی نظام سمجھتے ہیں اور اس کے انسداد کے لئے وہ پردہ اپنی حکومتوں کی بنیاد قائم کرنے کے لئے روس اور چین کے اس نظام کی اشاعت کرتے ہیں۔ حالانکہ روس اور چین کا نظام قانونِ خداوندی کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ ان دونوں کے ہاں کوئی ملک والا بھی زمین جائیداد اور آمدنی کثیر کے ذرائع کا مالک نہیں سمجھا جاتا۔ سب چیزوں پر چند افراد خود غرض حکومت کے دست نگر بن کر قابض ہو جاتے ہیں۔ اور تمام ملک والوں کو اپنا غلام بنا کر قیدیوں کی طرح روٹی، کپڑے اور سر چھپانے کو جگہ دیدیتے ہیں۔ عقلاً اس سے زیادہ ظالمانہ نظام کسی عقلمند کے تصور میں بھی نہیں آسکتا۔

اسلامی نظام سرمایہ داری چاہتا ہے:

اسلام چونکہ مالکِ بحر و بر اور اس کے رہنے والوں سے افلاس کو دور کرنے کو سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ اس کے نظام میں تمام عقلمند دانا اور ترقی حاصل کرنیوالے لوگوں کی عزت اور حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ بلکہ ان کو حکم دیا جاتا ہے کہ ایسے کاروبار میں لگے رہیں جو زیادہ تر آمدنی کے اسباب ہوں۔ لیکن ان

تمام ذرائع آمدنی اور تجارت میں تمام اہلِ ملک آزاد ہوتے ہیں۔ جس آدمی کو حلال طریقوں سے سرمایہ حاصل کرنے کے طریقے آتے ہوں اُس کو ان ذرائع کے استعمال کی آزادی ہوتی ہے۔ اور حکومت ایسے ہنرمندوں اور تاجروں کی ہر طرح حوصلہ افزائی کرتی ہے جو ملک سے افلاس کو دور کرنے کے طریقے عمل میں لاتے ہوں۔ کیوں کہ اسلامی حکومت کی غرض ملک والوں کی پرورش اور اُن کے جان و مال، عزت و آبرو اعمال کی حفاظت ہوتی ہے۔ اسلامی حکومت میں ہر ملک والے کی خداداد قابلیت سے ملک والوں کو فائدہ پہنچانا مدِنظر ہوتا ہے۔ اس لئے وہ ایسے قانون جاری کرنا ضروری سمجھتی ہے جن کے تحت ملک والوں کی عادتیں احکام شریعہ کے مطابق بن جائیں۔ اور جرائم کا ارتکاب نہ ہو سکے اور ہر شخص خداداد قابلیت کے ذریعے ملک و قوم کو فائدہ پہنچا سکے۔ اسی لئے سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ زندگی کی ضروریات میں کسی غیر ملک یا قوم کا محتاج ہونا بھی اسلامی حکومت کے مزاج استغنا طلب کے خلاف ہوتا ہے۔ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ اسلام تمام بنی آدم کو مساوی حقوق دلواتا ہے۔ اس میں مالداری اور عسرت قابلِ لحاظ نہیں۔ لیکن چونکہ افلاس اور ناداری دور کرنے کے لئے دولت کی ضرورت ہے۔ اس لئے وہ دولت مندوں کو مفید سمجھتا ہے اور ان کو دولت خرچ کرنے کے وہ راستے بتاتا ہے جن پر گامزن ہو کر مالدار دنیا اور دین کی سرخروئی حاصل کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی

تِجَارَۃٍ تُنۡجِیۡکُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ اَلِیۡمٍ ۝ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ وَتُجَاہِدُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ بِاَمۡوَالِکُمۡ وَاَنۡفُسِکُمۡ ؕ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝ (پ ۲۸ ع ۱۰) یعنی اے ایمان والو! کیا میں تم کو ایسی سوداگری (تجارت) بتادوں جو تم کو دردناک عذاب سے نجات دیدے۔ (وہ تجارت یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ۔ اور اس کے رسول پر اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرو اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے یہ تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے۔ اگر تم سمجھدار ہو۔ اِس آیۂ کریمہ میں مالوں سے بھی جہاد کرنے کا حکم ہے سا آپ کو معلوم ہے کہ جب کبھی کسی سرکش اور خدائے تعالیٰ کی باغی نافرمان قوم کی اصلاح کے لئے فوج کشی کا وقت آتا تو مجلسِ شوریٰ میں مشورہ کیا جاتا کہ جو لوگ مالدار ہیں وہ مجاہدوں کے لئے گھوڑوں، اونٹوں اور رسد کا سامان مہیا کریں۔ چنانچہ مالدار لوگ ایسا ہی کرتے تھے۔ اور جن لوگوں کو سپہ گری اور جہاد کرنے کی مشق تھی وہ جہاد کرتے تھے لیکن حضورِ اکرم ﷺ کے ساتھیوں میں تو مالدار اور نادار اکثر لوگ فنونِ حرب سے واقف ہی تھے۔ اور جان و مال سے اسلام کی سربلندی اور مظلوموں کے آزاد کرانے کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔ مالدار تو دوسرے ناداروں کے ساز و سامان بھی مہیا کرتے اور پھر جہاد کرنے کے لئے اپنے آپ کو نوجوان لڑکوں اور بھائی بندوں کو بھی تیار کر دیتے۔ آخر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ اور حضرت ابوبکر رضؓ، حضرت عمر رضؓ خاص کر حضرت عثمان رضؓ جیسے کو مال و متاع خرچ کرنے کی وجہ ہی سے اسلام کے بڑے خادموں اور معاونین

میں شمار کیا جاتا ہے۔ مالدار صاحبان ہی غیر مسلموں کے نقش قدم پر ہوئے اور زمرۂ انسانیت سے خارج سمجھے ہوئے غلاموں کو مال دے کر ہی خریدتے تھے۔ اور ان کو تمام مسلمانوں کی برابری کے درجے پر مشرف کر کے غلامی کی ذلت اور حقارت سے بچایا جاتا تھا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ بھی غلام تھے ان کا فروں سے بہت اذیت پاتے تھے۔ ان کو مال دے کر خرید لیا گیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنا بیٹا بنا لیا۔ دنیا کے تمام ملکوں میں غلاموں کو انسانوں میں بھی شمار نہیں کیا جاتا تھا۔ اور ان سے حیوانوں کی سی محنت و مشقت بھی لی جاتی تھی۔ اگر وہ اس میں قصور کرتے تو ان کو سخت ترین سزائیں دی جاتی تھیں یعنی تمام دنیا کے لوگ غلام کا پیدائشی حق ہی ذلت اور حقارت سمجھتے تھے۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اپنا بیٹا بنا کر تمام لوگوں پر بزرگی بخشی۔ یہ تو آپ بھی جانتے ہیں کہ دنیا میں سب سے پیارا بیٹا ہوتا ہے۔ تو آپ نے اسی وجہ سے ان کو بیٹا بنا لیا تا کہ لوگ ان کی عزت و احترام میں کمی نہ کریں۔ اور جس طرح میں پیار کرتا ہوں دوسرے بھی پیار کریں۔ اور جب مدینہ منورہ میں بھائی چارے کے قیام کا مسئلہ درپیش ہوا تو حضور اکرم نے حضرت زید کو اپنے چچا حضرت حمزہ کا بھائی بنا دیا۔ اور آپ کو بھی معلوم ہو گا کہ حضرت زید کو حضرت امیر حمزہ ہی نے خرید کر آزاد کیا تھا۔ تب حضور اکرم نے حضرت زید کی صلاحیتوں خصوصاً زہد و تقویٰ کو دیکھ کر اپنا بیٹا بنا لیا۔ آپ خود خیال فرما سکتے ہیں کہ جب زید حضور اکرم کے بیٹے کہلانے لگے تو ان کی عزت و عظمت کا درجہ کیا ہو گا؟ پھر حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ موتہ میں حضرت زیدؓ کو فوج کا سردار مقرر فرمادیا۔
اپنے تمام لوگوں نے جو آزادوں کے بچے اور خود آزاد تھے پورے طور پر حضرت
زیدؓ کی سردارِ فوج ہونے کی حیثیت سے کامل فرمانبرداری اور اطاعت
کی۔ حضرت زیدؓ کا نکاح حضورِ اکرمؐ نے اپنی پھوپی زاد بہن زینب
بنتِ جحش سے کرادیا اور حضرت زینب خاندانِ قریش کی نورِ چشم تھیں۔
اور پھر جب سے بڑی قابلیت، تدبر اور صلاحیت کا اعلیٰ درجہ ظاہر کرنے لگے۔
یہ مثال بھی بہت عجیب ہے کہ حضرت زیدؓ کے بیٹے حضرت اسامہؓ کو روم
کی لڑائی کے لیے لشکر کا سردار بنا کر بھیجا اور اس لشکر میں مہاجرین و انصار
میں سے بڑے بڑے حضرات کی اکثریت شامل تھی۔ یعنی حضرت ابوبکر صدیق،
اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم جیسے حضرات بھی تھے۔ اور ان بندگانِ دین
نے اسامہ بن زیدؓ کی قیادت میں رومیوں پر بڑی شاندار فتح حاصل کی۔ ایسی تو
بہت سی مثالیں موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہے کہ مالداروں نے غلاموں
کو خرید کر دائمی ذلت و حقارت سے نجات دلا کر بڑے بڑے اعلیٰ مراتب
سے مستفیض ہونے کا موقع دیا۔

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ بھی ایک ظالم کافر کے غلام تھے۔ اُن کو
بھی خرید کر آزاد کیا گیا اور وہ مسجدِ نبویؐ کے ایسے مؤذن مقرر ہوئے کہ اُن
کی ایک آواز پر بڑے بڑے صحابہ کبارؓ بلکہ خود حضورِ اکرمؐ بھی لبیک کہتے ہوئے
مسجد میں تشریف لاتے تھے۔ حدیثوں میں روایت ہے کہ ایک روز
کسی وجہ سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ صبح کی اذان نہ دے سکے۔ کسی دوسرے

صاحب نے اذان نہ دی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور اکرمؐ کے پاس آئے اور کہا کہ آج آپؐ کی مسجد میں اذان نہیں ہوئی۔ اور ابھی تک فرشتے نماز بھی پڑھ سکے۔ اس پر حضور اکرمؐ نے حضرت بلالؓ کو خبردار کیا اور مبارک باد دی کہ آپ کی اذان پر فرشتے بھی نماز ادا کرتے ہیں۔ پھر انھوں نے اذان دی۔ آپ لوگوں نے تو ہندوستان کی تاریخ بھی پڑھی ہوگی غلاموں کے خاندان نے برسوں حکومتیں کیں۔ کیا دنیا میں کوئی قوم بھی ایسی گزری ہے جس نے غلاموں کو بادشاہ بنایا ہو؟ یہ شرف سرمایہ اور مالداری ہی کو حاصل ہے۔ کہ وہ مجبور بلکہ غلاموں کی آزادی کا بھی ذریعہ بنتی ہے۔ قومی اور ملکی تمام کاموں کی انجام دہی کے لئے دولت کی ضرورت ہے اور دولت حاصل کرنے کے جائز ذرائع استعمال کرنے کا ہر شخص مجاز ہے۔ لیکن یہ بات تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ سرمایہ داری کس کو راس ہوگی اور کس کی سرمایہ داری سے دین اور ملک کی خدمات ہو سکتی ہیں۔ دنیا میں نفع حاصل کرنے کے لئے تو سب ہی تجارت کرتے ہیں لیکن بعض حضرات کی تجارت خوب چلتی اور خاطر خواہ آمدنی ہوتی رہتی ہے۔ اور بعض اسی قسم کے تاجر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں۔ رزق تو سب ہی کو ملتا ہے لیکن رزق میں کمی بیشی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ وہی سب کا رب ہے جس کو جس قسم کی ضرورت ہے۔ وہ ویسا ہی بنا دیتا ہے۔ اگر سارے کے سارے ہی سرمایہ دار ہو جائیں اور کسی کو کسی کی حاجت نہ رہے تو دنیا کا نظام خراب ہو کر رہ جائے۔

اوّل تو یہ سوچنا بھی ضروری ہے کہ سرمایہ داری، مالداری اور فریبات

زندگی کا انتظام اور اس دنیا کی آبادی کس کے دم قدم سے ہے یہ سب نادار وں ہی کے دم سے ہے۔ بڑے بڑے کارخانے، فیکٹریاں، ادارے اور دفاتر بلکہ دنیا کی حکومتیں بھی کم مایہ، غریبوں سے جاری ہیں۔ آپ مکانوں سے لے کر زندگی کے تمام تعمیری کاموں کے بارے میں غور کیجیے کہ وہ غریبوں ہی کے وسیلے سے سرانجام پاتے ہیں۔ اگر غریب اور کم مایہ حضرات نہ ہوں تو دنیا ایک ہفتے ہی میں تباہ ہو جائے۔ زندگی کے قیام، صحت، عافیت، صفائی اور نظافت سب کچھ غریبوں ہی کے دم سے ہے۔ اسی لئے سرمایہ داروں پر غریبوں کی خدمات اور کاملی معاونت اور ان کی حفاظت فرضِ عین قرار دی گئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اپنے غلاموں، ملازموں اور ماتحتوں کو اپنے جیسا کھانا کھلایا کرو۔ اور اپنے جیسا کپڑا پہنایا کرو۔ اور ان کو اپنی طرح عزت کی نگاہ سے دیکھو۔ صحیح حدیثوں اور تاریخوں میں بالکل صحیح قابلِ اعتماد روایات سے ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ فتح مکہ کے بعد ایک طرف سے گذرے دیکھا کہ آقا اور سردار لوگ کھانا کھا رہے ہیں اور غلام ملازمین ایک طرف ان کو پانی کھانا لانے کے لئے کھڑے ہیں۔ تو حضرت عمرؓ ان لوگوں پر بہت ہی ناراض ہوئے کہ آپ لوگ ان کو نیچ اور اپنے سے کم درجہ کا کیوں سمجھتے ہیں؟ اور ان کو اپنے ساتھ کھانا کیوں نہیں کھلاتے ؟ تو وہ سردار اور آقائیت کے دعویدار بہت ہی شرمندہ ہوئے اور ان ملازموں کو اپنے ساتھ کھانے کے لئے بٹھا لیا۔

حضورِ اکرم اور صحابہؓ کا دستور یہی تھا کہ جتنے حضرات موجود ہوتے سب ایک ہی دسترخوان پر کھانا کھاتے اور ہر شخص بلا امتیاز پانی یا روٹی سالن لانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا۔ سفر میں بھی خود حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہمیشہ دستور تھا کہ آپ کھانا پکانے اور ضروریاتِ زندگی تیار کرنے میں سب کے ساتھ شریک رہتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کے متعلق کئی روایاتِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ آپ غلام کے ساتھ سفر کرتے اور راونٹ ایک ہوتا تو آپ اور غلام باری باری سے سواری کرتے اور اسی طرح کبھی آپ شتر کی مہار پکڑ کر چلتے، غلام سوار رہتا تھا۔ بیت المقدس کی فتح کے وقت جب شہر کے قریب پہنچے تو غلام سوار تھا اور عمرؓ مہار پکڑ کر جا رہے تھے۔ لوگوں نے بہت اصرار کیا کہ آپ امیرالمومنین ہیں اور یہاں غیر مسلمین خصوصاً یہودیوں کے ملک میں تشریف لائے ہیں آپ کا سوار ہو کر چلنا قرینِ مصلحت ہے؟ تو آپ نے فرمایا ہماری سب سے بڑی مصلحت اللہ تعالیٰ اور حضورِ اکرمؐ کی اطاعت ہے۔ سرمایہ داری کیا وہ تو تمام ملکی سرمایہ داروں کے سردار تھے۔ وہ سرمایہ داری اور مال متاع کو اللہ تعالیٰ اور حضورِ اکرمؐ کے ارشاداتِ گرامی کے پورا کرنے میں صرف کرتے تھے۔ اگر مال و دولت رکھنا ضروری نہ ہوتا تو وہ اسلام کی اشاعت اور غلاموں کے آزاد کرنے اور بیکسوں کی ضرورتیں پورا کرنے کی خدمات کس طرح انجام دیتے؟ حضرت امام حسنؑ بھی بہت بڑے مالدار تھے۔ مگر ان کا روپیہ غرباء اور مسافرین ہی کی آسائش میں خرچ ہوتا تھا۔ اور خود جو کی روٹی اور پیوند لگے کپڑے استعمال

کرتے تھے۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے تابعداروں کی یہ صفت بھی بیان فرمائی ہے کہ وہ دِل کے غریب ہوں گے۔ یعنی اُن کے خیال میں فرعونیت، تکبر و غرور نہیں آئے گا۔ اپنی نمائش اور امتیازی شان کے لئے خدائے تعالیٰ کا مال خرچ کرنا گوارہ نہیں کریں گے۔ ناظرینِ کتاب کو معلوم ہوگا کہ ۲۳ سال کے مختصر زمانے میں حضورِ اکرمؐ نے عرب، عراق اور ایران جیسے ممالک کو فتح کر لیا تھا۔ اور آپؐ کے بعد صحابہؓ و اہلِ بیتؑ نے تمام عالم میں فتوحات کے پرچم لہرائے۔ یہ تمام کام مال و دولت کو چاہتا تھا۔ پھر جب روم، مصر اور ہندوستان جیسے ممالک فتح ہو گئے۔ تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اُس کے وعدے بھی برابر پُورے ہوتے ہوئے دنیا کو نظر آنے لگے کہ تمام حکومتوں کے جمع کئے ہوئے مال و متاع اور خزانوں کے وہ مالک بن گئے۔ لیکن اِس کے باوجود تعمیرِ ملک و ملت کے کاموں میں اپنی اپنی قابلیت کے مطابق مصروف رہے۔

مالداروں کے فضائل:

اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرمادیا۔ لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔ یعنی کوئی بڑی خوبی کی بات نہیں ہے کہ تم اپنی توجہ مشرق یا مغرب کی طرف کر لو۔ بات یہ تھی کہ یہودی بیت المقدس کو قبلہ سمجھنے میں اتراتے اور اپنی فوقیت سمجھتے تھے۔ اور مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے ابتدائی مکان خانۂ کعبہ کو قبلہ بنا لیا تھا۔ بعض مسلمان بھی اس پر فخر و مباہات کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا کہ یہ تمہارے لئے کوئی فخر کی بات نہیں۔

بلکہ ہم نے جب تک بیت المقدس کو قبلہ خانہ چاہا بنائے رکھا۔ اور مسلمان بھی اسی طرف رُخ کر کے عبادت کرتے رہے۔ اور جب ہم کو منظور ہوا تو ہم نے اپنے پیارے خاتم الانبیاءؐ کے مطالبے پر خانہ کعبہ کو قبلہ بنا دیا۔

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ج (پ۲ رکوع ۶ سورۂ بقرہ)۔ یعنی سب سے بڑی نیکی اُس آدمی کے حصہ میں ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں اور کتاب قرآن حکیم اور تمام نبیوںؑ پر ایمان لایا اور اپنا مال دیتا ہے اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے اپنے قریبی رشتہ داروں، ہمسایوں، یتیموں، مسکینوں۔ یعنی ایسے لوگوں کو جن کی آمدن خرچ کے قابل نہیں ہوتی۔ مسافروں اور سوال کرنے والوں، غلاموں اور اُن لوگوں کے چھڑانے کو جو روپے کے بدلے میں قید بھگت رہے ہوں۔

ناظرین! تاریخ عرب آپ کو معلوم ہے کہ یہودی مالدار سخت ترین سود خوار تھے۔ دُگنا اور چوگنا سود لیتے تھے اور جو لوگ ان کو سود نہیں دے سکتے تھے اُن کو قید کر دیا کرتے تھے۔ ان قرض داروں میں مجبور مرد اور عورتیں بھی ہوتی تھیں۔ تب مسلمانوں کو حکم ہوا کہ ان لوگوں کو بھی یہودیوں کے ظلم وستم سے بچائیں۔ یعنی ان کے قرض ادا کر دیں۔ چنانچہ اس آیۂ کریمہ کے نازل ہونے کے بعد مالدار مسلمانوں نے یہودیوں کے قرض داروں کو آزاد کرا دیا۔ اور پھر عرب میں یہ دستور بھی غیر مسلموں

میں عام تھا کہ بیوہ عورتوں کی شادیاں نہیں کرتے تھے۔ اور ہندوستان میں تو زیادہ تر بیواؤں کو ستی کرا دیا جاتا۔ عرب والے بھی ان بیواؤں کو منحوس سمجھتے تھے۔ یا تو غیر ملکیوں کے ہاتھ فروخت کرتے یا بیچاری، نہایت عسرت اور مجبوری کے ساتھ زندگی گزارتی تھیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے ایسی ہی حالت میں نکاح کیا کہ آپؐ کنوارے ۲۵ سالہ نوجوان تھے اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی عمر اُس وقت چالیس سال کی تھی۔ اس زمانے میں عرب، ایران، توران، یمن، ترکستان اور تمام مغربی ملکوں اور تمام مشرقی ممالک میں بھی چالیس سالہ عورت سے نوجوان لوگ شادی کرنا بہت ہی معیوب سمجھتے تھے۔ عورت کے مالدار ہونے کی وجہ سے شادی کر بھی لیتے تھے۔ تو اس کا مال چھین کر اس کو نکال دیتے تھے۔ بوڑھے بوڑھے لوگ نوعمر لڑکیوں ہی کو پسند کرتے تھے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس ظالمانہ، اور جاہلانہ دستور کو مٹا دیا۔ کہ آپؐ کی اکثر بیویاں بیوائیں اور زیادہ عمر والیاں ہی تھیں۔ صرف حضرت عائشہؓ نوجوان باکرہ تھیں۔ چونکہ حضورِ اکرمؐ دینِ خداوندی کی تکمیل کے لئے تشریف لائے تھے۔ تمام دنیا کفر و شرک، ظلم و ستم سے تاریک تھی۔ آپؐ نے دینِ اسلام کی روشنی پھیلانے کی ایسی راہ اختیار فرمائی کہ تھوڑے ہی دنوں میں عرب اور عراق بلکہ اطراف و جوانب کے ممالک سے بھی تاریک گھٹائیں چھٹ گئیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہر ملک میں رسم و رواج اور زندگی بسر کرنے کے طور طریقے

عورتوں ہی کے ذریعے سے جاری ہوتے ہیں۔ اسی لئے خاتم الانبیاءؐ نے ایسی تجربہ کار اور فہین عورتوں سے شادیاں کیں جو عورتوں میں اسلامی اخلاق مکمل طریقے سے جاری کرا سکیں۔ چنانچہ ان مبارک امہات المومنینؓ نے اپنا فرض نہایت خوش اسلوبی سے پورا کیا اور آپؐ کی صاحبزادیاں بھی عورتوں کے مزاجوں سے کفر و شرک اور جہالت کی عادتیں نکالنے میں کامیاب ہوئیں۔ خصوصاً حضرت فاطمہ زہراؓ خاتونِ جنت تو نہایت ہی شدومد سے اپنے زمانۂ طفولیت ہی سے دینِ خداوندی کے پھیلانے کی مشق کرتی رہیں۔ اور آپ نے اسلامی اخلاق و عادات کے ساتھ ساتھ بہادری اور دلیری کے جذبات بھی بھر دیئے۔ تکبر و غرور اور باہمی تفاخر کی تمام راہیں بند کر کے اخوت و مروت کے چشمے جاری کر دئیے اور اس خدمتِ دین میں اس قدر کمالی رکھتی تھیں کہ حضورِ اکرمؐ ان پر اعتمادِ کلی فرماتے تھے۔ آپ سب حدیثوں اور تاریخوں میں پڑھ چکے ہوں گے کہ حضرت اسد اللہ الغالبؓ بھی تبلیغِ دین میں پیش پیش تھے۔ اور اسلامی نظریات کے پھیلانے کی خداداد طاقتیں رکھتے تھے۔ جب حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کا نکاح انؓ کے ساتھ ہو گیا تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ اور میری لختِ جگر فاطمہ دونوں عورتوں اور مردوں کی اصلاح کے کاموں ہی میں مصروف رہیں اور ان کے ہوتے ہوئے عورتوں کی اصلاح کے لئے دوسری بیوی کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ ممکن ہے آپ دونوں کی طبیعتوں میں کسی قسم کا انقباض اور انتشار پیدا ہو جائے۔ اور

تبلیغی جد و جہد میں کمی آجائے۔ اور حضرت خاتونِ جنت کی تعلیم اس قدر مکمل تھی کہ آپ کے دونوں صاحبزادے اور بچیاں بھی اصلاحی نظریات کے پھیلانے ہی میں منہمک رہے۔ عورتوں کی وجہ سے مرد بھی جاہلانہ رسموں میں جکڑے ہوئے تھے۔ اور جو بچے پیدا ہوتے تھے وہ بھی تمام باتیں ماؤں ہی سے سیکھتے تھے۔ پہلا مدرسہ تو ماں کی گود ہی ہے سُبحان اللہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چودہ ازواجِ مطہرات اور اپنی بچیوں اور اپنی سسرال والوں اور بچیوں کی سسرال والوں کو اسلام کا سچا مبلغ بنا دیا تھا۔ اُنہیں کے طفیل شدید ترین بگڑا ہوا معاشرہ بھی اللہ تعالیٰ نے قلیل مدت میں دنیا کے لئے رہنما بنا دیا۔

بعض ناسمجھ خصوصاً یورپ زدہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضورِ اکرم ص کی بہت سی شادیاں ہمارے لئے باعثِ شرم ہیں۔ کچھ یہودی اور انگریز مصنفین نے اس کو بہت زیادہ بُرا سمجھا ہے!! مجھ کو اِن مسلمانوں پر افسوس ہے کہ ایسی قوم اور ملک کے افراد بھی حضورِ اکرم ص کی چودہ پندرہ شادیوں پر اعتراض کرتے کھڑے ہو گئے کہ جن کے گھر حیوانوں کی طرح کثرتِ بدکاری کے گہوارہ بنے ہوئے ہیں۔ اے میرے پاکستانی بھائیو! آپ نے اپنے شہر لاہور کی گشت کیوقت اپنی آنکھیں بند تو نہیں رکھیں، اور نہ آپ نے آنکھوں پر پٹیاں ہی باندھی ہوں گی۔ دیکھئے ابھی تک کچھ یورپ کی عورتیں بھی پاکستان میں ہیں۔ اور پھر آپ کی حکومتِ پاکستان کی فراخدلی اور سخاوتِ نظام کے طفیل چند امریکن

لڑکے اور لڑکیاں بھی آتے رہتے ہیں۔ ان کے اخلاق و عادات سے
بھی کئی اخبارات میں اُن کا تعارف کرایا جا چکا ہے۔ مَیں تو زیادہ تر گرجوں
میں بھی پادریوں اور مردوں ہی سے بات چیت کرتا رہا ہوں۔ صرف
ایک بار جناب ڈاکٹر کیپٹن عبدالوہاب صاحب اور جناب عبدالواحد
صاحب افسر محکمہ ونا پڈا کے دولت خانہ، اچھرہ موڑ کی کوٹھی میں کسی ضروری
کام سے حاضر ہوا تو اُن کے پاس گراؤنڈ میں ایک مرد اور ایک عورت
مبلّغ عیسائیت آئے ہوئے تھے۔ وہ مبلّغہ صاحبہ نہایت ہی پُرتکلّف انداز
میں انگریزی میں مسیحیت کی تبلیغ میں مصروف تھیں۔ مَیں گیا تو دونوں بھائیوں
نے میری طرف اشارہ فرمایا۔ مَیں نے اُن نوجوان مبلّغہ صاحبہ کا لباس
دیکھا تو بالکل ننگی ہی تھا۔ اعضائے نسوانی اپنی نمائش میں پیش پیش
تھے۔ مَیں نے کہا بیٹی آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام نامی اور اُن کی
والدہ ماجدہ حضرت مریم علیہما السلام کا اسم گرامی کیوں بدنام کرتی پھرتی ہیں؟
وہ تو شرم و حیا کے بہترین مبلّغ تھے۔ اور آپ عریانی اور بے شرمی پھیلاتی
پھرتی ہیں! تو کہنے لگیں پردہ تو دل کا ہے۔ مَیں نے کہ دل تو خود سینہ کے
پردہ میں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے مستور اور پوشیدہ ہے۔ مگر ان اعضائے
نسوانی کے بے پردہ ہونے کی کون سی دلیل ہے؟ کیا آپ نے حضرت مریم
علیہما السلام کا اسٹیچو اور تصویر کبھی ملاحظہ نہیں فرمائی؟ اور ان ننوں
کو بھی نہیں دیکھا جو کبھی کبھی پاکستان میں بھی اپنے مذہب کی خدمات کے
لئے آتی ہیں۔ ان کے چہرہ کے سوا اور کوئی عضو بھی اپنی نمائش کی جسارت

نہیں کر سکتا۔ کیا عیسیٰ علیہ السلام کے مبارک طریقے کی تعلیم کے مطابق وہ لباس ہے یا آپ کا لباس ہے کہ بُری نگاہوں کی نہایت آزادی سے حوصلہ افزائی کر رہا ہے۔ پھر اپنے پاکستان کے اُن مسلمانوں کے رہن سہن سے مجھ کو پڑھانے کی وجہ سے کچھ نہ کچھ واقفیت ہے۔ عورتیں اپنے مرد احباب فرینڈز سے ملاقاتیں کرنے میں بھی بالکل آزاد ہیں۔ تو وہ مبلغہ صاحبہ نہایت شرمندہ ہوئی تھیں اور شرم کے مارے میری طرف التفاتِ مزید سے بھی قاصر ہو گئی تھیں۔ یہ حالات جو میرے مشاہدات کی زینت بنے ہیں وہ تو ہیں بیرونِ ملک یورپ کے مقلدوں کے لیکن جناب سابق چیف جسٹس محقق یورپ بلکہ مغربی ممالک کے آشنا سے مجھ کو کبھی کبھی روزانہ اور اکثر تیسرے روز دو ڈھائی گھنٹے گفتگو کا موقع ملتا ہے۔ وہ چند ماہ قبل یورپ اور مغربی ملکوں کا دورہ کر کے تشریف لائے فرمایا۔ وہاں حدودِ آدمیت سے بھی کوسوں دُور ہو چکے ہیں۔ صرف تاجرانہ اور روپیہ کمانے میں اہلِ یورپ اسلامی خوش معاملگی کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں۔ ہم نے اسی کتاب معراج سردارِ دوعالم ؐ میں پہلے بھی ان کے مغربی ممالک کے چشم دید حالات بیان کر دئے ہیں۔

مغربی تہذیب کا اثرِ بد: غالباً ناظرینِ کتاب ہذا سے تُرک، ایران اور مصر وغیرہ کے مسلمان کہلانے والوں کے حالاتِ حاضرہ پوشیدہ نہیں ہوں گے!!

کیا اِن ممالک کے اکثر و بیشتر افراد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یا اُن کی ازدارج مطہرات رضی اللہ عنہم اور بناتِ مبلغات خصوصاً حضرت علی علیہ السلام اور حضرت فاطمہ زہرہ خاتونِ جنت علیہا السلام سے بھی کسی قسم کی مشابہت کا عملی ثبوت دے سکتے ہیں؟ بفضلہ تعالیٰ ہمارے پاکستانی حکام دینی اخوت کے جذبات سے مزین ہیں جس کا ثبوت وہ اپنے اسلامی بھائی بہنوں کو مذکورہ بالا ممالک سے بلا کر دیتے رہتے ہیں۔ ہم غریبوں کو بھلا حکامِ عالیشان کی مجالس عالیہ کے شرف کا تو یارہ نہیں۔ مگر ان محترم اور محترمات مسلم ممالک کے مہمانوں کی تصاویر اخبارات و رسائل میں دیکھ کر معلوم کر لیتے ہیں۔ کیا ان کو کسی علامت اور نشانی کے ذریعے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یا ان کے گھر والوں سے کسی مشابہت، اور مماثلت کا شرف بھی حاصل ہے؟ اکثر و بیشتر مغربی اقوام کی جیتی جاگتی تصویریں ہی نظر آتے ہیں۔ جج صاحب مذکور نے بھی چند بار اپنی تقریروں اور لیکچروں میں فرمایا کہ یہ لوگ اپنے ذاتی اور ملکی مفاد کی خاطر اسلام کے نام نامی سے وابستہ ہیں۔ عملاً ان کو اسلام سے صرف نمائشی تعلق ہے اگر یہ لوگ درحقیقت اسلامی نظریات و عقائد سے مزین ہوتے تو اپنے اسلاف کی طرح دوسروں کو اپنا مقلد اور پیرو بنا لیتے اور اسلامی جتنے بھی نظریات ہیں وہ تمام مذاہب کے مقابلے میں برتری اور فوقیت کے اظہار میں شمس النہار کی طرح ظاہر و باہر ہیں۔ اسلامی نظریات کی ہی یہ خوبی تھی کہ انھوں نے مدتِ قلیلہ میں تمام دنیا کے اہلِ علم و

عقل کو مسحور کر لیا تھا۔ اور اب بھی جو حضرات اسلامی کتب اور بزرگانِ دین و اسلافِ اسلام کے صحیح حالات پڑھتے ہیں وہ اسلام کی تعریف و تحسین کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اسلام دنیا میں اپنی صداقت اور انسانی فلاح و بہبودی کا بہترین ذریعہ ہونے کی وجہ سے مقبول ہوا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے نجی حالات اور آپ کے متعلقین کے گھریلو معاملات ہی دینِ اسلام کی تبلیغ کا ذریعہ بنے ہیں۔ جج صاحب نے حجۃ اللہ بالغہ میں سے اسلامی سیاست، تمدن، عدل و حکام کے فرائض اور اسلامی اخلاق و عادات کا ترجمہ انگریزی میں کیا تو میں نے کہا جناب یہ کس لئے ہے؟ تو فرمایا کہ میں کتابی صورت میں چھپوا کر مغربی ملکوں میں بھیجوں گا۔ شاید ان کے ضمیر اسلامی تعلیم سے زندہ ہو جائیں اور ان کے بے جان قلوب میں روحانیت جلوہ گر ہو جائے۔ ایک دن جناب جج صاحب نے فرمایا کہ میں حیران ہوں کہ جس قوم کے پاس حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ رحمت اللہ علیہ کی کتاب ہے۔ اُس کے دِل مُردہ کس طرح ہو گئے ہیں؟ اللہ اللہ سابق چیف جسٹس مسٹر کارنیلئس صاحب کے نظریات حقیقت کے مظہر ہیں۔ کاش ہمارے اہلِ علم مدعیانِ اسلام بھی اپنے نظریات کی اصلاح فرمائیں۔ اگر ان موجودہ مسلمانوں کو اسلام کی عزت اور عظمت کا احساس ہو جائے تو پھر دنیا کی کایا ہی پلٹ جائے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم تو چند اہلِ بیت اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے پابندِ احکامِ الٰہی ہونے کی برکت

سے صدیوں کے بگڑے ہوئے معاشرہ کی اصلاح اس طرح فرما سکے کہ دنیا میں اس کی تقلید کو ترقی کا بہترین ذریعہ سمجھا جانے لگا۔ اگرچہ مسلمان اکثر و بیشتر ملکوں میں فاتح کی حیثیت سے پہنچے اور اپنے ایمانی کردار سے ان ملکوں کی اصلاح کرتے رہے۔ مگر بعض ملکوں میں مسلمان لوگ تجارت کے ذریعہ بھی گئے اور وہاں کوئی ادارہ تبلیغ کا بھی جاری نہیں کیا۔ لیکن ان کے احکام خداوندی اور حضورِ اکرم ؐ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرتے رہنے ہی کی برکت سے انھوں نے اُن کے رسم و رواج میں تبدیلی پیدا کردی۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہر ملک میں جہالت کے رسم و رواج عورتوں ہی کے سبب سے جاری رہتے ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ ؐ کے فرمانبرداروں نے عورتوں کے جاہلانہ رسوم کو کثرتِ ازدواج کے ذریعوں سے مٹایا۔ حضورِ اکرم ؐ نے یہی یہ مبارک طریقہ جاری فرمایا تھا۔ تجربہ کار سنجیدہ اور اچھائی و برائی میں کامل تمیز کرنے والی عورتوں سے نکاح کئے۔ انھوں نے حضورِ اکرم ؐ کے نجی اخلاق و عادات کو دیکھ کر پھر اپنے میکے والوں اور دوسری آنے جانے، میل ملاپ والی عورتوں میں پھیلایا۔ پھر آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ ہر آدمی کی سسرال والے بھی آتے جاتے اور ملتے ملاتے ہی رہتے ہیں۔ وہ بھی اِن مفید باتوں اور مبارک عادتوں کو دیکھتے ہیں۔ کچھ نہ کچھ شرم کا تقاضا ضرور ہوتا ہے کہ اچھائیاں اختیار کریں زیادہ نکاح کرنے اور ہر مسلمان کو چار چار عورتیں رکھنے کی وجہ سے ان کے ذریعے اسلامی نظریات جاری کرنے میں بہت مدد ملی۔ مسلمان تجارۃ

جس ملک میں رہتے تھے وہاں کی عورتیں ان کی زوجیت کے شرف کو دل و جان سے پسند کرتی تھیں اور اسلامی طریقے اس میں پھیل جاتے تھے آج کل یورپ زدہ قومیں صرف ایک ہی نکاح پر زور دیتی ہیں اور نکاح کے علاوہ غیر مردوں سے اُن کی عورتوں کو ملنے اور ربط و ضبط رکھنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح اِن کے مردوں کو غیر عورتوں سے بے تکلفی نصیب ہوتی ہے۔ دیکھ لیجئے کہ اس قلتِ ازدواج کے بُرے اثرات بھی دُنیا کو اپنی لپیٹ میں لئے جا رہے ہیں اور تو اور پاکستان کہلانے والے ملک ہی میں اِن یورپ زدوں کی تقلید کی خرابیاں دیکھتے رہتے ہیں۔ آپ ذرا عقل سے بھی کبھی کبھی کام لے لیا کریں۔ اگر اُن جدید تہذیب کے یورپ زدوں کا جذبۂ قلتِ ازدواج نفسانی نفاست پر مبنی ہوتا تو ان کی عورتوں کو باہر نکلنے اور گھومنے پھرنے کی خاطر سُرخی پوڈر، میک اَپ اور تنگ لباسوں کی کیا ضرورت تھی؟ اور اپنے اعضائے نسوانی کی نمائش میں چار چاند لگانے کی کیا حاجت تھی؟ میں تو منشی فاضل، مولوی فاضل یا ادیب فاضل وغیرہ درجوں کی تعلیم دینے کی وجہ سے ایسی ماڈرن عورتوں کو دیکھ چکا ہوں ان میں زیادہ تر اپنے حُسن و جمال کی نمائش ہی کے جذبات نمایاں تھے۔ میں نے کہا کہ بیٹی آپ کے شوہر تو آپ کی گھریلو سادگی کی زندگی پر ہی آپ سے راضی رہتے ہیں۔ تو آپ باہر جاتے وقت بناؤ سنگار اور ٹیڈی لباس اور سُرخی پوڈر لگا کر حسین بننے کی کوشش کیوں کرتی ہیں؟ بعض نے تو شرمندگی کے سوا جواب نہیں دیا مگر بعض نے کہا کہ اگر ہمارے

ملنے جلنے والی عورتیں ہمیں سادگی میں باقی رہیں تو ہماری ہنسی اُڑاتی ہیں کہ یہ سوگوار صورت کیوں بنائی ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ ماڈرن عورتوں نے بھی معاشرہ پر کافی اثر ڈالا ہے۔ بعض بڑے بڑے سرمایہ داروں یا افسروں کی عورتوں کو انارکلی میں دیکھا کہ اُنکے نسوانی اعضاء مع ناف کے اپنی نمائش میں کوشاں ہوتے ہیں۔ کسی کے پاس تو دوپٹہ بھی نہیں تھا اور لباس ایسا چُست کہ اگر ان کے محرم چٹکی لیں تو جسم کی کھال ہی گرفت کا نشانہ بنے۔ اور بعض گلوں میں دوپٹے تو ڈالے ہوئے تھیں مگر وہ دوپٹے اپنا فرض ادا کرنے میں بہت ہی مجبور تھے کہ ان کو بار بار سینے کی طرف رُخ کرنے پر بھی دھکیل دیا جاتا تھا۔ یہ باتیں میں اس لئے کر رہا ہوں کہ ایک بیوی والے حضرت تو اپنی طبیعتوں کے جذبات اور اپنے خیالاتِ تہذیبِ جدید کی اشاعت میں کامیاب ہیں کہ اکثر و بیشتر لڑکے، لڑکیاں ٹیڈی اور بے حیائی کے کاموں پر اتراتے اور اکڑ کر چلتے ہیں۔ آپ بتائیے کہ شریر اور حسن پرست نگاہوں کا گزر کہاں ہو؟ اگر بالفرض سعادت شعار نگاہوں کو بند کر کے چلیں تو کیسے چلیں؟ پھر قدم قدم پر کاریں، سکوٹر، سائیکلیں اور تانگے وہاں جان لینے کو موجود ہیں۔ نہ جانے ماندن نہ پائے رفتن۔ غالباً حسن نمائی کے انہیں مناظر کے خیال سے کسی شاعر نیک مزاج نے یہ شعر تیار کیا تھا۔ ؎

کہاں لے جاؤں دل دونوں جہاں میں اس کی مشکل ہے
یہاں پریوں کا مجمع ہے وہاں حوروں کی محفل ہے

معاشرہ میں خرابیاں تو بہت جلد پھیلتی پھولتی ہیں مگر نیکیوں کی ترویج میں بہت ہی زیادہ کوشش کرنی پڑتی ہے۔ اسی کوشش کے لئے مسلمانوں نے اپنا قیمتی سرمایہ اور اوقات صرف کیا۔

حضرت امام حسن علیہ السلام کی مثال: آپ کو معلوم ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام اپنے بچپن ہی میں آغوشِ مادر سے محروم ہو گئی تھیں۔ آپ کو حضورؐ نے بہت پیار سے پرورش کیا اور آپ بھی بچپن ہی سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمات انجام دینے اور رفاقت میں پیش پیش رہیں۔ یہ سچا واقعہ ہے کہ ایک بار خانہ کعبہ میں حضورِ اکرمؐ نماز میں مصروف تھے کہ ابوجہل، ابولہب اور ابوسفیان وغیرہم کفارِ مکہ نے چاروں طرف جمع ہو کر مذاق اڑانا شروع کیا۔ اور اونٹ کی اوجھڑی منگوا کر رکوع کی حالت میں حضورِ اکرمؐ کی پشت مبارک پر ڈال دی۔ کسی نے جاکر حضرتِ خاتونِ جنتؓ کو اطلاع دیدی۔ آپ اگرچہ ننھی بچی تھیں مگر بے دھڑک تشریف لائیں اور اوجھڑی کو حضورِ اکرمؐ کی پشت مبارک سے گرا دیا۔ اور ان ظالموں کی طرف منہ کر کے کہا کہ تم بوڑھے اور قوم کے سردار مانے جاتے ہو۔ تم کو شرم نہیں آتی کہ خدائے تعالیٰ کی عبادت میں بھی خلل ڈالتے ہو۔ اور یہ چاہتے ہو کہ میرے باباجان رکوع ہی میں پریشان رہیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ بہادری کا تقاضا تو یہ ہے کہ مجبوروں اور کمزوروں کی مدد کی جائے۔ مگر تم لوگ بے خطا میرے باباجان کو

کو دُکھ پہنچاتے ہو۔ کیا یہی تمہاری انانی اور بڑے پن کا ذریعہ ہے؟

اِس صداقت آمیز جملے نے اُن کو خاموشی پر مجبور کیا اور آپس میں کہنے لگے کہ دیکھو محمدؐ کی بچی بھی اپنے باپ کے دین پر کس طرح بہادری اور دلیری سے کام کرتی ہے۔ اِس کے منہ سے دِل ہیں، ہم جیسے بڑوں کا بھی کچھ خوف نہیں ہے۔ ابو سفیان نے جواب دیا چونکہ وہ اِس خدمت کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا وسیلہ سمجھتی ہے۔ محمدؐ کے عمل میں یہی تو کشش ہے کہ ذرا سے بچے بھی اس کی اشاعت میں ہم جیسے بڑوں کے کان کترتے ہیں۔ سُبحانَ اللہ انہیں فاطمہؑ کے بڑے بیٹے حضرت حسن علیہ السلام تھے جو دنیا کے عیش و آرام اور مسلمانوں میں تفریق کے سب سے بڑے مخالف تھے دشمن لوگوں میں اُن کے اعمالِ حسنہ اور بہادری کی مقبولیت کو کم کرنا چاہتے تھے۔ مگر جن دلوں میں ان کی خوبیاں جم گئی تھیں وہ ان کی اطاعت ہی کو دین و ایمان جانتے ہیں۔ اسی مقبولیت کی بنا پر حضرت ابو سفیانؓ کے بیٹے حضرت معاویہؓ نے حضرت امام حسنؑ سے اپنی حکومت کے ختم ہونے کا اندیشہ دل میں جما لیا تھا اور جان توڑ کوشش کی کہ حضرت امام حسن علیہ السلام خلافت سے دست برداری کا اعلان کر دیں۔ چنانچہ جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہٗ کو اس کا علم ہوا تو نہایت فراخدلی اور خاندانی سخاوت کے جذبے سے خلافت سے دست برداری کا اعلان کر دیا۔ چونکہ حکومت موجودہ کی ہاں میں ہاں ملانے والے ایسے لوگ بھی کچھ نہ کچھ موجود تھے۔ گو اکثر جاں نثارانِ اہلِ بیت

اظہار سے کچھ تشویش محسوس کرتے تھے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام نے دونوں کے دِل ملا دئے اور حسد یا جاہ طلبی کے جذبات کو ٹھنڈا کر دیا۔ خدائے تعالیٰ کے فضل سے حضرت امام حسنؑ کی عام مقبولیت کی بنا پر مسلمانانِ وقت ان کی خدمات کو فرض سمجھ کر تحائف پیش کرتے رہتے تھے۔ جب آپ نے دنیا طلبی سے مطلق بیزاری اختیار کی تو حضرت معاویہؓ نے بھی آپ کی خدمات مالی کو عین سعادت سمجھا۔ اس لئے حضرت حسن علیہ السلام بڑے مالدار مانے جاتے تھے۔ لیکن اُن کی سخاوت اور دریادلی کا یہ عالم تھا کہ چند یہودیوں نے یہ مشورہ کیا کہ حضرت حسنؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نواسے اور دینِ اسلام کی اشاعت میں پیش پیش ہیں۔ ان کا امتحان تو لیا جائے کہ کیا وہ اپنے ناناؐ کے طریقے پر ہیں۔ یا عیش و عشرت میں پڑ کر امیروں کی زندگی میں گم ہو گئے ہیں؟ انھوں نے اپنے گاؤں سے بہت بولنے والے فصیح و بلیغ یہودی کو ایک دو آدمیوں کے ساتھ حضرت امام حسن علیہ السلام کی خدمت میں نہایت گستاخانہ انداز میں گفتگو کرنے کے لئے بھیجا۔ یہ بڑ بولا بڑے غرور کے ساتھ اُن کے عیوب یا بداخلاقی کے اظہار کی بڑی قوی امید لے کر دولت خانہ پر حاضر ہوا۔ اور آپ کو نہایت ہی گستاخانہ انداز سے پکارا۔ آپ اندر سے مسکراتے ہوئے تشریف لائے اور نہایت نرمی سے فرمایا کہ آپ کو کیا تکلیف ہے؟ اِس پر اُس نے کہا کہ آپ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نواسے ہیں۔ مگر دنیا کے مصیبت زدوں سے

بالکل غافل ہو کر عیش و آرام میں مصروف ہیں۔ یہ سن کر آپ نے ایک تھیلی دینار کی اپنی بغل سے نکال کر دیدی۔ راوی نے لکھا ہے کہ اسی دن حضرت معاویہ رضؓ کی طرف سے ایک ہزار دینار سونے کے سکے نذرانہ کے طور پر آئے تھے وہ آپ نے اس یہودی کو عطا فرما دئے۔ اور فرما دیا کہ اگر یہ معمولی رقم آپ کے لئے کافی نہ ہو تو پھر بھی میں آپ کی امداد کے لئے آمادہ ہوں گا۔ وہ یہ اخلاق اور صبر و حلم دیکھ کر فوراً کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ اور کہا کہ میں یہودی ہوں مجھ کو میری قوم نے آزمائش کے لئے بھیجا تھا اور میں نے آپ کی شانِ مبارک میں ناشائستہ الفاظ زبان سے نکالے ہیں۔ آپ مجھ کو معاف فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا ہم کو تو آپ کے الفاظ پر آپ کی انتہائی ضرورت ہی کا احساس ہوا۔ اور کچھ تو ذہن میں بھی نہیں آیا۔

یہودی نے روپیہ واپس کرنے پر بہت اصرار کیا۔ مگر آپ نے فرمایا۔ ہم اہلِ بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ دستور نہیں کہ دیا ہوا مال واپس لیں۔ آپ خوشی سے اپنی اپنے عیال اور کنبے والوں کی ضرورتوں میں صرف کیجئے۔ یہ شخص بہت خوش ہو کر اپنے مقام پر پہنچا اور ان سے پورا واقعہ بیان کیا چونکہ انہیں کی قوم کے دو گواہ بھی موجود تھے اور دینار بھی تھے۔ سارے یہودی دیکھ کر حیران ہوئے۔ اور فیصلہ کیا کہ واقعی وہ خدائے تعالیٰ کی آسمانی حکومت کے شہنشاہ ہیں اور ان کے نانا جان سچ مچ تمام دنیا کے لئے رحمت تھے۔ اس پر تمام یہودی مسلمان ہو گئے۔ اور بھی سینکڑوں حدیثی اور تاریخی واقعات ایسے

ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ کے اہل بیت اور صحابہ کبار رض کی سخاوت اور اہلِ عالم کی حاجتیں پوری کرتے رہنے کی بیّن دلیل ہیں۔

افسوس! اُن متعصب اور علم کے دشمن اور عقلِ سلیم سے محروموں پر جو رحمت اللعالمین یا اُن کے متعلقین ہیں اپنی بدکرداریوں کا عکس دیکھنا چاہتے ہیں سادہ لوح اُن کی خود غرضی اور آرام طلبی کے جھوٹے اتہامات لگا کر اپنی بد طینتی کا ثبوت دیتے ہیں۔ یہ روایت تمام احادیث و تواریخ میں موجود ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کے دسترخوان پر سینکڑوں مسافر اور بیکاری کی مصیبت کے ستائے ہوئے بلکہ کم مایہ اور مجبور حضرات اچھے اچھے کھانے کھاتے تھے اور حضرت امام عالی مقام جَو کی روٹی سے نمک کے ساتھ روزہ بھی افطار فرماتے تھے۔ ہم حضرت امام حسن کی تبلیغی اور معاشرہ کی درستی میں چار چاند لگانے والی ایسی مثال بھی پیش کرنے پر مجبور ہیں جس کو کور باطن غلط رنگ دیتے ہیں۔

زیادہ نکاح اور طلاقیں: آپ بھائی بہنوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ ارشادِ گرامی بھی ضرور یاد ہوگا۔ جس میں حضور نے طلاق کو ابغض الاشیاء فرمایا ہے۔ یعنی حضور کے نزدیک حلال اور جائز کاموں میں طلاق زیادہ تکلیف دِہ تھی۔ چونکہ اس میں گھر کی ویرانی کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا جو رب کا خالقِ مطلق اور مالک و مولا ہے۔ یہ ارشاد بھی ہے کہ اے

ایمان والو! تم کو تمام امتوں پر اس لئے فضیلت دی گئی ہے کہ تم نیکیوں کا حکم کرتے اور برائیوں، بری رسموں کو مٹاتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔ آپ کو عرب کے معاشرہ کی خرابی کا تو پورا علم ہے کہ تمام دنیا سے زیادہ ظلم وستم عورتوں کی بے قدری تھی۔ لوگ جوان اور حسین عورتوں سے نکاح تو رچا لیتے تھے مگر اپنے جذباتِ حیوانی کو پورا کرنے کے بعد ان کو نہایت ذلت سے نکال دیتے تھے۔ جیسا کہ آجکل کے مغربی معاشرہ میں اکثر وبیشتر ہوتا ہے کہ اُن کے ہاں تو عورتوں اور مردوں میں یہ باتیں عام نظر آتی ہیں۔ آپ نے یہ بھی پڑھا یا سنا ہوگا۔ کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت تو سب سے ہی اچھی تھی کیونکہ آپؐ کے اخلاق وعادات اور برتاؤ اور اسلامی مساوات کی خوبیاں گویا حُسنِ سیرت بھی زمانے سے انوکھا ہی تھا کہ گئے گزرے بداخلاق معاشرہ کی ماری ہوئی عورتیں دل وجان سے چاہتی تھیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت کا شرف حاصل کریں اور اصلاحِ معاشرہ میں ان کے ساتھ تعاون کریں۔ اسی غرض سے حضورِ اکرمؐ نیک اور خدائے تعالیٰ کے دین کے پھیلانے والے لوگوں کی درخواستیں قبول فرما کر اُن کی بچیوں سے نکاح کر لیتے تھے۔ مگر آپؐ کو ایسی عورتوں کی طرف زیادہ رغبت اور توجہ مبذول کرنی پڑتی تھی جو عرب میں اسلامی معاشرہ کا ذریعہ بن سکیں، اور عرب والوں کے جاہلانہ رسم ورواج کو ہٹا کر اسلامی نظریات ذہن نشین کرا سکیں۔ اور اسی اصلاح کو اکثر صحابہؓ

اور اہلِ بیتؑ نے ہمیشہ مقدم سمجھا۔ عوام مسلمانوں کے لئے مساوات اور
سب بیویوں کے حقوق ادا کرنے کی قابلیت ہونے پر چار بیویاں رکھنے
کی اجازت تھی۔ اور انھوں نے چار چار بیویاں رکھ کر اُن میں اسلامی
نظریات اور معاشرہ کی تشکیل کے جذبات بھر دیئے۔ پھر بیویوں کے
رشتہ دار جب حضور اکرمؐ کے اخلاق اور عادات حضور اکرمؐ کی بیویوں
سے سنتے تو وہ بھی گرویدہ ہو کر بُری رسمیں مٹانے اور اسلامی طریقے
جاری کرنے کی کوشش کرتے۔ تب ہی تو اس قدر گندہ معاشرہ
تھوڑی ہی مدت میں نفاست اور پاکی کے مبارک اوصاف حاصل
کر سکا۔ چونکہ عربوں میں یہ بھی ایک خاصہ تھا کہ وہ افادیت اور اچھائی
کو سمجھ لیتے تو دوسروں میں بھی اس کو بڑی دلیری اور بہادری سے جاری
کر دیتے تھے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت حسنؑ نے جب بہت سے
نکاح کئے اور ان میں سے چند عورتوں کو طلاقیں دیدیں تو حضرت علی علیہ السلام
نے کوفہ والوں سے فرمایا کہ تم لوگ حسنؑ کے ساتھ اپنی بچیوں کی شادیاں
مت کیا کرو۔ وہ طلاق دینے میں بہت بے باک ہیں۔ تو ہمدان کے
ایک شخص نے کھڑے ہو کر حضرت علیؑ سے درخواست کی کہ خدا کی
قسم ہم حضرت حسنؑ سے اپنی بچیوں کی شادیاں ضرور کریں گے!!
انہیں اختیار ہے جس کو چاہیں اپنے پاس رکھیں اور جس کو چاہیں
طلاق دے دیں۔ (تاریخ الخلفا صفحہ ۱۹۰) آخر لوگوں کو اپنی بچیوں، بہنوں،
اور کنبے کی لڑکیوں کا خود خیال تھا۔ کوئی بھی اپنی بہن اور بچی کا نکاح

کرنا ایسے آدمی سے طبعاً پسند نہیں کرتا۔ جو طلاق دیدے۔ لیکن حضرت حسنؑ کی اس صفت مشہورہ کے دیکھتے ہوئے بھی اُن سے بیبیاں کو بیاہنا بہتر سمجھتے تھے۔ احادیث اور روایات میں اس کی دو وجوہ بیان کی گئی ہیں:۔ نمبر ۱:۔ تو یہ کہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت فاطمہ زہراؑ اور حضرت علیؑ سے اپنی رشتہ داری پر فخر سمجھتے تھے۔ نمبر ۲:۔ چونکہ معاشرہ کی اصلاح اور عورتوں میں اسلامی نظریات پھیلانے کا یہ بہترین طریقہ تھا۔ جس طرح حضور اکرمؐ نے کئی بیویاں رکھیں اور اسلام کی بہترین مبلغات، قوم اور معاشرہ کی مصلحات ثابت ہوئیں۔ اسی لئے بعض صحابہؓ کبار کے بھی کئی کئی بیویاں تھیں کہ ان کے ذریعے اُن کے نجی اور صحیح معاملات قوم میں پھیلتے رہے۔ اسی غرض سے حضرت امام حسن علیہ السلام سے جن عورتوں کے بھی نکاح ہوئے انھوں نے حضرت امام عالی مقام کی شریعت کی پابندی اور معاملات کی خوبیاں دیکھ کر پسند کیں اور پھر اپنے تمام رشتے داروں سے بیان کرتی رہتی تھیں۔ اور اسی وجہ سے عرب اور عراق اور قرب وجوار کے معاشروں کی اصلاح ہوتی گئی۔ اچھائی ایسی چیز نہیں کہ لوگ اس کو جانتے ہوئے بھی اختیار نہ کریں۔ عرب والوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی برکت سے خودداری اور اچھائیوں کے اپنانے کی ایسی پیاری عادت پیدا ہو گئی تھی کہ وہ اُن کو پھیلانے کے لئے بڑی سے بڑی قربانی سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ جب حضور اکرمؐ اور ان

کے صحابہ رضؓ اور خاندانوں کی زوجیت کا شرف بہترین مبلغ بننے کا ذریعہ تھا تو پھر وہ اس سے محروم کس طرح رہنے؟ یزید اور دوسرے مالدار بھی تھے اور وہ بھی بعض عورتوں کے لئے پیغام دیتے تھے۔ لیکن ان کے والدین یادہ خود حضرت حسنؓ کی زوجیت میں آنے کو زیادہ پسند کرتی تھیں۔ (تاریخ الخلفا کے صہ ۱۹۰) پر یہ جملہ موجود ہے۔ قل امراۃ تتزوجہا الا احبتہ وصبت بہ۔ یعنی یہ بات بہت ہی کم ہوئی کہ حضرت حسنؓ نے جس عورت سے نکاح کیا ہو وہ آپ سے خوش نہ ہو۔ اور آپ کو دل وجان سے نہ چاہتی ہو۔ بعض معترضین کہتے ہیں کہ حضرت حسنؓ نے بعض نکاح ایسے بھی کئے کہ شام کو نکاح کیا اور صبح کو طلاق دیدی۔ یہ بات بالکل جھوٹی ہے۔ عورت یا عورت کے رشتہ دار کبھی ایسے آدمی سے راضی نہیں رہ سکتے جو ایسا کرتا ہو۔ اور تاریخ الخلفاء کے صہ ۱۸۹ پر یہ عبارت بھی ہے۔ کان الحسن مطلقاً للنساء وکان لا یفارق امراۃ الا وھی تحبہ واحصن تسعین امراۃ۔ یعنی حضرت امام حسنؓ بہت زیادہ طلاق دیتے تھے۔ اور جس بی بی کو آپ طلاق دیتے وہ آپ سے انتہائی محبت کرتی تھیں۔ اور حضرت نے نوے بیبیوں کے پورے حقوق ادا فرمائے۔ اسلام سے پہلے بھی تو عورتوں کے حقوق مردوں پر نہیں مانے جاتے تھے۔ اسلام ہی نے عورتوں کے حقوق واجب الادا قرار دیئے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک وقت ۹ یا ۱۲۔ ازواجِ مطہرات کے حقوق اس

طرح ادا فرمائے کہ دنیا کی عورتوں کی آزادی اور دلیری کا دروازہ کھل گیا۔ اور بعض غیرمذہبی غیر مسلم ممالک میں بھی عورتوں کو اپنا خداداد مرتبہ معلوم ہوگیا۔ اور ان میں اپنے خداداد حقوق کے حصول کی جدوجہد کے جذبات جوش مارنے لگے۔ لیکن تمام ملکوں کی تاریخیں بتاتی ہیں کہ مسلمان جس ملک میں بھی سیاح یا تاجر کی حیثیت سے پہنچے اس ملک کی عورتوں نے ان کے ساتھ شادیاں کیں اور ان کی زوجیت میں آنے کو فخر سمجھا۔ ہمارے لئے باعث فخر حضرت ابن بطوطہ بھی ہیں کہ انھوں نے اس دشوار سفر زمانے میں تمام ملکوں کی سیاحت کی جبکہ آمد و رفت کے وسائل بھی نہایت تکلیف دہ اور کم تھے۔ اور جس ملک میں تشریف لے گئے آپ اپنی قابلیت، اخلاق و عادات اور اسلامی عدل و انصاف کی وجہ سے بلا امتیاز مذہب ہر ملک میں معزز مہمان کی حیثیت سے بادشاہوں، رجواڑوں کے مہمان رہے اور بعض میزبانوں نے خود اپنی بچیوں یا بہنوں کے نکاح ان سے کر دیئے۔

میری تحقیق تو یہ ہے کہ انھوں نے بری اور بحری راستوں کے ذریعے اکثر ممالک عالم کی سیاحت کی اور جہاں گئے حکومت کی طرف سے بڑے عہدے پر سرفراز ہوئے اور شاہی خاندان کی عورت سے نکاح کیا اور ان کو اسلامی معاشرہ کی کرامات دکھائیں اور چلتے وقت طلاق دیدی۔ بعض ملکوں میں تو ان کی اولاد بھی اپنی ماؤں کے

ساتھ ہی مسلمان کی مبلغ اسلام ہونے کی حیثیت سے موجود رہیں۔ اور اس مبارک طرح کثرتِ ازدواج کے ذریعے انھوں نے اسلام کی تبلیغ کا فریضہ انجام دیا۔ کبھی ان کے کسی ملک کے سفرنامہ اور حالاتِ سیاحت میں یہ نہیں پڑھا کہ آپ کے رخصت ہوتے وقت آپ کی بیویاں یا سسرال والے رنجیدہ ہوئے ہوں۔ ہاں آپ کی جدائی اور مفارقت کا صدمہ تو فطری چیز تھی۔ پھر امام عالی مقام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیادہ نکاح اور طلاقیں قابلِ اعتراض کس طرح ہو سکتے ہیں۔ نیکی اور خاص کر اللہ تعالیٰ کی رضامندی پر دانا اور عاقبت اندیش انسان کے نزدیک بہادر لیتی ہیں۔ جن کی صحبت اور معیت میں یہ حاصل ہوں۔ یقیناً وہ تمام اہلِ دانش کے نزدیک قابلِ عزت ہیں۔

مجھ کو ان مسلمانوں پر تعجب ہے کہ وہ یورپی اور امریکی مصنفین، اور معترضین کی خبط الحواسی کی تحریروں اور تقریروں کو دیکھ کر اسلام کے ان اصول و ضوابط سے کیوں ناراض ہوتے ہیں جو انسانیت کو بامِ عروج پر پہنچانے کے بہترین ذرائع ہیں۔ کیا یہ مسلمان بھائی ان مغربیوں یا مغرب زدوں سے یہ نہیں منوا سکتے کہ دراصل احکاماتِ خداوندی، اور انسانی شرافت کے تقاضوں کے بدترین دشمن تو آپ ہی لوگ ہیں کہ آپ کے جنسی اور ازدواجی معاملات حیوانوں سے بھی بارہا بدترین ہیں۔ مجھ کو تو یورپ جانے کا اتفاق نہیں

ہوا۔ لیکن وہاں کے آنے جانے اور گٹ پٹ کی بڑی بڑی ڈگریوں والوں سے سنا ہے کہ وہاں عورتوں مردوں کے تعلقات میں کسی قانون اور قاعدے کو دخل نہیں ہے۔ جناب آپ تو پاکستانی ہی کہلاتے ہیں اور پاکستان کے دستور کی اساس اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ حاکمیت ہے۔ مگر اس مغربی قانون کی نحوست نے پاکستان کو بالکل بجستان بنا رکھا ہے۔ یہاں اور مسلمان کہلانے والے مسلمانوں کے بچوں کے ذریعے یہ قانون جاری اور نافذ ہے کہ عورت جس مرد سے راضی ہو اس کے ساتھ رہ سکتی ہے۔ اسی طرح مرد جتنی عورتوں سے تعلقات رکھنا چاہے آزاد ہے۔ لیکن نکاح صرف ایک ہی سے ہو سکتا ہے۔ ابھی اسی ماہ جون ۶۹ء میں کسی مسلمان کہلانے والے جج صاحب کی عدالت میں کسی مرد کو کسی لڑکی سے بداخلاقی کرنے کا مقدمہ پیش ہوا۔ تو لڑکی نے کہا کہ میں اپنی خوشی سے آمادہ تھی اور میں نے بہت مدت سے اپنا وتیرہ ہی بداخلاقی یعنی زنا کو بنا رکھا ہے۔ تو جج صاحب بہادر نے اس لڑکے کو بری فرما دیا۔ گویا اپنے نزدیک عدل کا ثبوت فرمایا ہے۔ مگر یہ زنا کرانے کی عادی لڑکی کسی دفعہ کے تحت بھی قابلِ گرفت نہیں مانی گئی۔ کیا کوئی سمجھدار اور ملک والوں کو انسانیت کے احترام کا پابند کرنے والی حکومت کے قاضی یا جج میں اس قسم کی مُردہ ضمیری کی مثال مل سکتی ہے؟ آج یہ مسلمانوں کے بچے اسی مغربی اقوام کے جاہلانہ اعتراض پر اپنے اسلاف و بزرگانِ دین سے

بدگمانی ہوکر ان کی شان میں رکیک الفاظ استعمال کرتے ہیں۔
جسٹس کارنیلیس صاحب تو ابھی چند ماہ ہوئے یورپ کے دورے سے آئے ہیں۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ وہاں تو انسانیت ختم ہو چکی ہے حیوانوں سے بھی بدتر کردار کے مظاہرات عام ہیں۔ مگر یہ یورپ زدہ مسلمان اسی مغربیت پر ایمان لاتے ہوئے اپنی جہالت پر غرا رہا ہے۔

یاد رکھئے کہ اگر بزرگانِ دین صحابہؓ اور اہلِ بیتؑ متعدد نکاح نہ کرتے تو عرب سے جہالت کی رسمیں مٹانی آسان نہیں تھیں۔ پھر وہ بیویاں جن کو صحابیات اور تابعات کے مبارک القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ کفر و شرک اور رسوماتِ بد کو مٹا کر مجاہدینِ اسلام کے ساتھ کفار کے معرکوں میں بھی شریک ہوتی تھیں۔ اور تاریخ بینوں اور یورپ کے قریبا سے محفوظ حضرات پر یہ بھی پوشیدہ نہیں کہ ان مبارک بیویوں نے اپنے بچوں اور دوسرے مجاہدینِ اسلام کو اسلامی نظریات کی حفاظت پر اپنی جوشیلی تقریروں اور رجزوں کے ذریعے آمادہ کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ خدائے تعالیٰ کے فضل سے ان صحابیات اور تابعات کے کارنامے دنیا سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ ان کے مبارک حالات اور اسلام پر جاں نثاری کی عربی فارسی بلکہ اردو میں بھی بڑی بڑی کتابیں موجود ہیں۔ اور قرآنِ حکیم اور احادیثِ نبوی رؤف الرحیمؐ میں بھی اُن کے فضائل موجود ہیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے مُسْلِمَاتٍ مُّؤْمِنَاتٍ قَانِتَاتٍ تَائِبَاتٍ عَابِدَاتٍ سَائِحَاتٍ

ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا (پ۲۸ سورۂ تحریم) یعنی وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نہایت فرمانبردار اسلامی عقائد و اعمال و نظریات پر یقین کامل رکھنے والی نہایت اطاعت گزار۔ اپنی غلطیوں پر توبہ کرنے والی عبادت گزار۔ روزہ رکھنے اور برائیوں سے پرہیز کرنے والی ہیں۔ ان میں بعض تو بیوہ یا مطلقہ ہیں اور بعض کنواری ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور عورتوں کی اس طرح بھی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ، وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا (پ۲۲ سورۂ احزاب)۔ یقیناً مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایمان لانے والے مرد اور عورتیں کامل اطاعت کرنے والے مرد اور عورتیں۔ اور راست باز (سچے) مرد اور سچی عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور عورتیں، اور اللہ تعالیٰ سے کامل طور سے ڈرنے یا گریہ وزاری کرنے والے مرد اور عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور عورتیں اور روزہ رکھنے والے اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں جن اعضاء کا چھپانا لازم ہے ان کو چھپانے والے مرد اور عورتیں اور

اور اللہ تعالیٰ کو زیادہ پیار کرنے والے مرد اور عورتیں ہی وہ ہیں جن کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے بخشش کے خزانے کھول دیئے ہیں اور ان کے لئے بہت ہی بڑا اجر ہے۔ یہی مرد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر والے اور آپؐ سے سچی محبت کرنے والے تھے۔ یعنی تمام مہاجرین و انصار مرد و عورتیں وہی تھے جن کی یہ تعریف ہے۔ انہیں کے ذریعہ سے عرب کیا تمام دنیا کی اصلاح ہوئی اور ہوتی رہے گی۔ ان کی کثرت تو یقیناً اسلام کی ترقی کی پیش خیمہ ہے ان پر کسی قسم کا اعتراض کرنا اپنی بدترین جہالت کا ثبوت دینا ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے غالباً اٹھارہ بیٹے تھے۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے تیس ۳۰ بیٹے تھے۔ اسی طرح حضرت حسن علیہ السلام کے جتنے بیٹے بھی تھے سب کے سب بہترین مجاہد اور مبلغ اسلام تھے۔ اگر یہ مجاہدین اسلام نہ ہوتے تو عرب سے ظلم و ستم کفر و شرک اور جاہلانہ رسوم کا مٹنا ناممکن تھا۔ صحابہ اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کی اور ان کے فرمانبرداروں کی تعریفیں تو قرآن حکیم سے پہلے بیان کردی گئی ہیں۔ آپ اپنے ملک پاکستان ہی میں ان کے نمونے اللہ تعالیٰ کے فضل سے دیکھتے ہوں گے جن کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ مردوں کا کچھ تھوڑا سا ذکر تو مثالوں کے طور پر میں نے کر دیا ہے۔ آپ کے شہر لاہور ہی میں ان بزرگان دین خصوصاً امہات المومنین

اور صحابیات اور تابعات کی یاد تازہ کرنے والی تھیں اور ہم ۔ بلکہ باعثِ فخر ہستی بھی گزری ہیں ۔

مرحومہ و مغفورہ خدیجہ فیروز الدین : اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس عطا فرمائے ۔ یہ ہمارے ، خصوصاً ہماری پاکستانی بہنوں ، بچیوں اور ماؤں کے لیے نمونہ تھیں ۔ میں نے ایک بار گول باغ میں کسی جلسہ کی کارروائی پڑھی ، جو بیگماتِ پاکستان کے اہتمام سے ہوا تھا ۔ اس میں خدیجہ فیروز الدین رحمت اللہ علیہا غالباً صدر تھیں ۔ ان کے برقعے کی تصویر تو میں نے دیکھی ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کپڑے کا بہت بڑا تھان کسی کو چھپانے کا فرض انجام دے رہا ہے ۔ کیا مجال اس میں جسم کے کسی عضو کا نشان بھی معلوم ہو ۔ شاید میری ان بہنوں بچیوں میں سے بھی بہت سی بیگمات اس جلسہ میں شریک ہو کر مرحومہ کے وجود سے برکت حاصل کر چکی ہوں جو آج کل بازاروں اور سڑکوں پر ایسا کسا ہوا لباس زیب تن کر کے سیر و گشت کرتی ہیں جس کو اعضائے نسوانی کی نمود و نمائش میں کمال حاصل ہوتا ہے ۔ کیا ان بہنوں کو کوئی دانا بھی اسلامی نقطۂ نظر سے کسی حیثیت سے شائستہ تصور کر سکتا ہے ۔ میں چونکہ فین روڈ ، سمن آباد کے قریب فاطمہ گرلز ہائی سکول میں درسِ قرآنِ کریم کی خدمت انجام دیتا ہوں اور ڈاکٹر تصدق حسین صاحب مشہور مجاہد ادیب ان کی بیگم محترمہ سلمیٰ تصدق حسین کی ملکی اور قومی خدمات کی بنا پر کبھی کبھی زیارت

کرتا رہتا ہوں۔ جس روز میں نے مرحومہ خدیجہ فیروز کی جلسہ والی صدارت
سُنی اور پڑھی تو جی چاہا کہ ان کی زیارت کا شرف حاصل کروں۔ میں نے
بیگم تصدق حسین صاحب سے کہا کہ میں پہلے ٹیلی فون پر ان کی شریعت
کی پابندی کی بہاریں بادتو دیکھ لوں۔ انھوں نے کہا مس خدیجہ فیروز نامحرم
سے بات بھی نہیں کرتیں۔ میں حیران رہ گیا اور میں نے کہا کہ وہ انگریزی
کی بھی پڑھی ہوئی ہیں؟ بیگم صاحبہ نے کہا جی ہاں۔ مغربی اور مشرقی علوم
میں ان کو بہت بڑی قابلیت ہے۔ مجھ کو بہت ہی تعجب ہے کہ میری تعلیم
یافتہ بہنیں اور بچیاں خود اپنے لاہور میں ایسی مثال کے نمایاں ہوتے ہوئے
بھی مغربی تہذیب پر فریفتہ ہیں۔ میں نے معتبر بہنوں اور اپنی ایم۔ اے پڑھی
لکھی کئی شاگرد بچیوں سے بھی سنا ہے کہ مس خدیجہ فیروز کی شاگرد بچیاں بھی
اکثر نماز اور دوسرے فرائض اسلامی کی پابند ہیں اور برقع پہن کر باہر
نکلتی ہیں۔ پھر یورپ زدوں کی طرح سُرخی پوڈر اور نمائشی ٹیم ٹام سے
بھی نفرت کرتی ہیں۔ اور اسلامی نظریات کی ترویج کے لئے بھی جدوجہد
کرتی رہتی ہیں۔ میں لکھی پڑھی بہنوں اور بچیوں سے پوچھتا ہوں کہ
جب آپ امہات المومنین اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی لخت جگر
حضرت خاتون جنت علیہن السلام کے کاموں اور طریقوں کی تعریف کرتی
ہیں اور اُن کی پیروی کرنے والی مخدرات کی بھی تعریف کرتی ہیں تو پھر
آپ اُن کی اتباع اور پیروی سے گریز کا راستہ کیوں اختیار کرتی ہیں؟
عقل مندوں کا تو ہمیشہ یہی دستور رہا ہے کہ وہ جن باتوں اور طریقوں کی

قادیت پر یقین رکھتے ہیں ان کو اپنا لیتے ہیں۔ آپ کو اپنی دانائی اور عقل مندی کے ثبوت پیش کرنے میں عار کیوں ہے؟

اسلامی انصاف کا تقاضا: تو یہی ہے کہ ہر مسلمان اپنے اسلامی یا نوعی بھائی کے لئے وہی چیز پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے وقت جبکہ آپ بفضلہٖ تعالیٰ سیاہ سفید کے مالک اور پورے حکمران کی حیثیت سے تشریف فرما تھے اور آپ کے اردگرد اکثر وہی اہلِ مکہ تھے جنھوں نے حضورِ اکرمؐ کی ایذا رسانی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ مگر رحمت اللعالمینؐ نے فرمایا کہ مجھ کو آپ کی طرف سے کوئی شکایت نہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کی حکومتِ عالیہ میں بالکل محفوظ ہیں۔ اور آپ کے باغات، زمین، مکانات اور تمام املاک آپ ہی کے ہیں۔ ان میں سے آپ وہی واجباتِ خداوندی ادا کرتے رہیں جو ہم ادا کرتے ہیں۔ اور آپ کی جان، مال اور تمام چیزوں کی حفاظت ہمارے ذمے ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے احکام اور مخلوق کے حقوق کی ادائیگی میں پوری کوشش کیجئے۔ اور بندگانِ خدائے تعالیٰ کے ساتھ وہی برتاؤ کیجئے جو آپ دوسروں سے چاہتے ہیں۔

اگر انسان اپنی جان و مال و آبرو و عزت کی حفاظت کرنا لازم سمجھتا ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے طرف والوں کی جان و مال اور ضروریاتِ شرافت کی حفاظت کرے۔ اگرچہ یہ کام بظاہر

تعاون سے بھی ہو سکتا ہے کہ ہر محلہ، گاؤں اور انسانوں کی اجتماعی بستی کے رہنے والے اپنے پاس کے لوگوں کی اصلاح کے لئے انجمن یا کمیٹی بنالیں اور وہ محلہ کی تمام خرابیاں دور کرتی رہے اور محلے والوں میں اسلامی نظریات، رسم و رواج کو پھیلاتی رہے۔ اس کے ذریعے ہر قسم کے جرائم اور معاشرہ کو گندہ اور بد اخلاق بنانے والے کام بھی ختم کئے جا سکتے ہیں۔ اور اسلامی فرائض اور واجبات کی ترویج بھی کی جا سکتی ہے اور باہمی ایسے معاملات جن میں دو آدمی آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں بڑی خوش اسلوبی سے طے کرائے جا سکتے ہیں۔ چونکہ کسی جگہ پر دو آدمیوں کی باہمی مخالفت اور جھگڑا محلہ کی تشویش اور بدنامی کا ذریعہ بھی بن سکتی ہے۔ یہ اجتماعی اصلاح کی صورت نہایت سہل العمل ہے اس کی برکت سے باہمی معاملات اور مقدمات میں پھنسنے والوں کا بہت سا روپیہ اور وقت بھی بچتا ہے۔ اور دشمنی کا دائرہ بھی تنگ ہو جاتا ہے۔ محلے والے اگر مسلمان کامل ہوں اور وہ احکام خداوندی ہی کو اپنے حال و مستقبل کے سدھار کا ذریعہ سمجھتے ہوں تو اس اجتماعی نظام ہی کی بدولت پاکستان سے گداگری، بیکاری اور قوم و ملک کے خراب کرنے والے منصوبوں کا قلع قمع بھی ہو سکتا ہے۔ یہ اسلامی نظام کی بہترین صورت ہے اس کے عمل میں لانے سے ہر آدمی پورے طور پر اطمینان حاصل کر سکتا ہے۔ چونکہ اس اسلامی

نظام سے ہر شخص کو دوسرے بھائی بہنوں کی حفاظت اور عزت
کی اہمیت دل نشین ہو جائیگی اور ہر شخص کو اپنی تمام زندگی میں جذبات
اخوت سے مجبور سمجھ کر اپنے آپ کو قوم کا ایک ایسا جزو لاینفک
سمجھنے لگے گا۔ کہ جس کی حفاظت قوم کا فرض ہو جاتی ہے۔۔۔ یہی
بہترین نظام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جاری فرمایا
اس میں مسرت و سرور اور غم و الم میں ہر فرد برابر کا شریک ہوتا
ہے۔ یہی اسلامی انصاف ہے جس کے ذریعے تمام انسان اطمینان
حاصل کر سکتے ہیں۔ ہاں یہ بھی مانی ہوئی بات ہے کہ بعض طبیعتیں
خراب اپنے اور ملک و قوم کے فائدے و نقصان سے لاپرواہ
ہو کر اسلامی نظریات سے سرتابی کرتی ہیں تو پھر ان کے لئے تعزیرات
یعنی سزاؤں کا اجراء و نفاذ لازمی ہے۔ اگرچہ یہ بھی اسلامی کہلانے
والے معاشرہ کی اجتماعی صورت سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ یعنی
ہر محلہ اور گاؤں اور علاقے کے رہنے والے اسلام دشمنی معاشرہ
کو گندہ کرنے والوں کو سزائیں بھی دے سکتے ہیں۔ لیکن اگر باہمی
اور اجتماعی نظام اتنا قوی نہ ہو تو حکومت ایسی ہونی لازم ہے جو
اسلام کے مبارک احکام سے سرتابی خصوصاً معاشرہ کے لئے تباہ کن
تمام اعمال سے روک سکے۔ اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک
کہ حکومت چلانے والے اسلامی نظام کے پابند اور اس کی
پابندی کو ہر فرد بشر کے لئے ضروری سمجھنے والے حضرات

نہ ہوں۔ اسلام میں مذہب، ملت کے دینی عقائد اور مذہبی اعمال اور اپنے اپنے طریقوں پر عبادات کی عام اجازت ہوتی ہے۔ لیکن ایسے عقائد اور اعمال کو روکنا ضروری ہوتا ہے جو ملکی سلامتی اور اہلِ ملک کی جان و مال عزت و آبرو کے مٹانے والے یا نقصان دینے والے ہوں۔ اہلِ ملک کی اصلاح اور درستی کے احکام آسمانی تمام کتابوں میں موجود ہیں۔ اور کسی معقول آدمی کے نکالے ہوئے یا مقرر کئے ہوئے طریقوں میں بھی ملک کو تباہ کرنے والے اعمال کی اجازت نہیں ہو سکتی۔ اسلامی حکومت میں بڑے سے بڑا افسر اور احکام خداوندی کا جاری کرنے والا اور بڑے بڑے عہدیدار اور معمولی ملازمین اور پبلک تمام افراد برابر ہوتے ہیں۔ یعنی سب اللہ تعالیٰ کے احکام کے پابند ہوتے ہیں اور ملکی انتظامی اور فلاحی کاموں میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ اس خداوندی نظام میں الیکشن اور حزب اختلاف کی بھی گنجائش نہیں اور نہ اس نظام کے لئے انتخابات کی لعنت کی ضرورت ہے۔

۳۴ برس پاکستان میں سیاسی جرائم کے مشوروں سے اسمبلیوں والی حکومت رہی لیکن اسلامی نظریات اور عدل و انصاف کی بدترین توہین اور پاکستان میں بے دینی اور غیر اسلامی نظریات کی ترویج ہی رہی۔ کیونکہ یہ سیاسی جماعتیں جن کے لیڈر اپنی اپنی جماعتوں کے ووٹوں سے پارلیمان یا اسمبلی کے ممبر بنتے ہیں۔ اکثر و بیشتر اسلامی نظریات کی مخالف ہوتی ہیں۔

انھوں نے اپنے اپنے ذاتی مفاد کی خاطر ایسے ایسے خود غرض اور جاہ طلب لوگوں کو چھانٹ لیا ہے جو اُن کے من مانے کام کرتے ہیں۔ ان سیاسی لیڈروں میں اکثریت ایسے ہی لوگوں کی ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کے نفاذ کے بدترین مخالف ہوتے ہیں۔ نہ خود اسلامی رنگ میں رہنا چاہتے ہیں اور نہ ملک والوں پر یہ رنگ چڑھنے دیتے ہیں۔ اگر ان سیاست کے مدعیوں کو اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ حاکمیت گوارہ ہو تو یہ اسلامی نظام کی کوشش کریں لیکن اسلامی نظام شخصیت پرستی کی مطلق نفی ہے۔ اس لئے یہ نہیں چاہتے۔ ان میں زیادہ تر تعداد ایسے خود غرضوں کی ہوتی ہے جو اپنے اپنے مطلب نکالنے ہی کو اپنی کامیابی سمجھتے ہیں۔ چونکہ انگریزوں اور جاہ طلبوں نے اپنے اُلّو سیدھا کرنے کے لئے ہی حزبِ اختلاف اور الیکشن اور جمہوریت کے پُر فریب الفاظ گھڑ لئے ہیں۔ حقیقت میں جمہوری نظام وہی کہلا سکتا ہے جس میں اعلیٰ اور ادنیٰ سب کے مفاد کے دروازے کھلے ہوں۔ یہ سیاسی جرائم والے ممالک بندگانِ خدا کو فتنوں میں پھنسا کر ملک والوں اور ملک کی تخریب ہی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ بس نیک طینتی کی علامت یہی صرف اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ حاکمیت کا عقیدہ رکھ کر اس کے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا ہے۔ مسلمان اور ایماندار کی تو یہی علامت ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ (پ ۲۲ سورۂ احزاب) یعنی ایماندار مرد اور ایماندار عورت کو یہ اختیار نہیں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ

اور اس کے رسولؐ کا حکم ہو جائے تو اس میں دیر کریں یا عمل کرنے کو اپنی عقل و سمجھ پر موقوف رکھیں۔ مطلب صاف ہے کہ مسلمان کی تو شان یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کی فرمانبرداری میں لیت و لعل نہیں کرتا۔ اب آپ خود فیصلہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو دوسروں کی رایوں یا مشوروں پر موقوف کرنے پر مسلمان کس طرح رہ سکتے ہیں؟ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قائم کیا ہوا نظام موجود ہے تو پھر یورپ اور مغربی ملکوں کی تقلید یا یورپ زدوں کی رایوں کی محتاجی کیوں ہے؟ کیا ان لوگوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے قائم کئے ہوئے نظام سے ان سیاسی جرائم اور خود غرض نمائندوں اور انتخاب میں کامیاب ہونے والوں کے نظام کی زیادہ قدر ہے؟ یاد رکھئے کہ جن ملکوں نے اللہ تعالیٰ کے نظام کو پس پشت ڈال کر مغربی جمہوریت۔ الیکشن والے نظام کو ایمان دھرم سمجھ لیا ہے۔ ان میں صرف ملک اور ملک کی تخریبی کارروائیاں۔ ہمیشہ کشت و خون ہوتے رہتے ہیں چونکہ سرمایہ دار بڑے بڑے دولت مند انتخاب یا الیکشن کی جنگ زرگری میں کود پڑتے ہیں۔ اور وہ اپنی اپنی زر خرید جماعتوں سے ووٹ لے کر برسر اقتدار آنے کے لئے کسی بھی تخریبی اور ملک میں فتنہ و فساد پھیلانے کے بد سے بد طریقوں سے بھی باز نہیں آتے۔ جیسا کہ آپ نے ایوب خان صدارت کے آخری ایام میں غنڈہ گردی کے مظاہرات خود دیکھے

ہیں۔ کیا دُنیا کا کوئی عقل مند بھی اِس غنڈہ گردی کے زمانہ کی لُوٹ مار قتل و غارت، توڑ پھوڑ اور آتش زنی کی بدکرداریوں کو ملک یا مُلک والوں کے لئے مفید یا ہمدردی کی علامت کہہ سکتا ہے؟ یہ گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا ہوتی ہے۔ اس کے بہترین نظام سے سرتابی کی۔

آزادی کیا چیز ہے؟ اللہ اللہ اس نوع کو انسان کہا جا سکتا ہے جو اپنے خالق اور مالک اللہ تعالیٰ کے قانون اور ضابطوں سے آزادی کو پسند کرتی ہے اور اپنے حیوانی اور نفسانیت کے بالکل خلاف بلکہ اس کو تباہ کرنے والی خواہشات کے پورا کرتے رہنے کو آزادی کہتی اور اس آزادی کو تمام آدم زادوں، آدمیوں کے لئے عام کرنا چاہتی ہے۔ مگر اس آزادی کو بڑی نعمت سمجھنے والی قوم سے کوئی پوچھے کہ پھر دنیا میں حکومت کی ضرورت کیا ہے؟ اگر ہر آدمی کو آزادی سے اپنی خواہشوں کو پورا کرنا ہی آپ کے نزدیک آزادی اور قابلِ قدر چیز ہے تو پھر اپنی حکومتوں کے ایوان کیوں کھڑے کئے ہوئے ہیں؟ ہر آدمی جو کچھ چاہے آزادی سے کرتا رہے۔ تو یہ لوگ جواب دیتے ہیں کہ اگر ایسا ہی رہے تو ہر قوت والا کمزور کو فنا کر دیگا۔ اور دنیا لڑائی جھگڑوں کا بازار بن جائے گی۔ اس لئے آدمیوں کو قبضے اور کنٹرول میں رکھنے کی ضرورت ہے اور یہ کام حکومتیں ہی کر سکتی ہیں۔ یہ طلب اور ضرورتِ حکومت ہی بتاتی ہے کہ مطلق العنانی اور کامل

آزادی دنیا کے امن وامان میں خلل انداز ہو سکتی ہے۔ تو پھر آج کل ہر ملک کے خود غرضوں میں جمہوریت اور بنیادی حقوق کی رٹ کیوں لگائی جا رہی ہے؟ مگر ان ملکوں کی حالت بتاتی ہے کہ یہ اُس آزادی کے خواہاں ہیں جو ان کی حکومتوں کے قیام کا ذریعہ ہو۔ اور ملکوں کی تمام دولتیں اور سرمائے ان کے قدموں میں آپڑیں۔ ہم دنیا کو اسی لئے یہ کہتے ہوئے سُنتے ہیں کہ جرمنی، روس، امریکہ، برطانیہ اور دوسرے مغربی ملکوں میں ظاہرہ مال و دولت کی فراوانیاں ہیں، اور ان کو اچھی حکومتوں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ جملہ ممالک صرف اس قسم کی آزادی کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں جس سے تمام دنیا والے اُن کے غلام ہو جائیں۔ حکومتوں کی غرض اولین کمزوروں پر طاقت ور قوموں غالب آکر جبر و تشدد کا شکار نہ بنا سکیں۔ ہم کو تو ان حکومتوں کے کردار میں نظر نہیں آتی۔ امریکہ، برطانیہ اور مغربی ممالک نے یہود جیسی بدترین ظالم قوم کو حکومت کیوں دلواتے جس نے اپنی حکومت ظالمانہ کے تلے بوڑھے ہم عربوں کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ پھر امریکہ خود ویت نام والوں کو کئی برسوں سے فنا کرنے کے ہتھکنڈے جاری کئے ہوئے رہے ہے۔

اور تو اور مسلمانان ہند جنھوں نے ایک ہزار سال تک بھارت کو اپنی بندہ اور کنیز بنا رکھا تھا اس کو امریکہ اور روس ایسے آلات اور اسباب دیتے ہی رہتے ہیں جن کے ذریعہ وہ کشمیر کے مسلمانوں کو اپنا غلام بنانے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے۔ پھر امریکہ اور برطانیہ

والے ہی سوڈان اور دوسری سیاہ فام اقوام کو اپنا غلام بنائے رکھنے کے لئے ظلم وستم کا شکار بنا رہے ہیں!! پھر ان آزادی کے پرستاروں نے ظالموں اور سفاکوں کی حکومتیں قائم کرنے کے لئے ایسا لعنتی طریقہ اختیار کیا ہے جو فتنہ وفساد اور ملک والوں میں بغض عناد اور بدترین دشمنی پیدا کرنے کا بدترین سبب ہوتا ہے جس کو آج کل کے خود غرضوں اور جاہ طلبوں کی بولی میں الیکشن یا عام انتخابات کہتے ہیں۔ اکثر وبیشتر اس لعنتی طریقوں کے حامی ملکوں میں لوٹ مار قتل وغارت اور آتش زنی کے ظالمانہ مظاہرے ہوتے رہتے ہیں۔ کیا الیکشن اور انتخابات کی لعنت والا کوئی ایسا ملک بھی ہے جہاں تباہی کے مظاہرات نہ ہوتے ہوں۔ ہمارا تو تجربہ یہ ہے کہ الیکشن والی حکومتوں میں چونکہ حزب اختلاف کا بھوت سر پر سوار رہتا ہے۔ اس کے طفیل اگر کوئی جماعت ووٹوں سے برسر اقتدار آجاتی ہے تو کمزور اور الیکشن میں ناکامی کا شکار ہونے والی جماعتیں اس میں فتنہ وفساد پھیلانے اور ان سے اقتدار چھین نے ہی کی فکر اور کوشش میں مبتلا رہتی ہیں۔ پاکستان ہی کو دیکھ لیجئے کہ جب سے ووٹوں کے ذریعے حکومتیں شروع ہوئی ہیں اس وقت سے اکثر وبیشتر صاحبان اقتدار اپنی اور اپنے خاندان والوں اور دوست احباب کی مرادیں پوری کرنی ہی اپنی حکومت کی کامیابی سمجھتے رہے ہیں۔ لیکن ابھی تک اس خرافاتی نظام کے قیام کے لئے سیاسی جماعتیں کوشاں ہیں، اور انتخابات اور الیکشن ہے

تقاضے کر رہی ہیں۔ میں نے موجودہ صدرِ پاکستان آغا محمد یحییٰ خاں صاحب کے گوش گزار کر دیا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اگر تعلق رکھتے اور ان کے اہلِ بیت علیہم السلام کے قدر دان ہیں تو اسلامی نظام قائم اور فوراً نافذ کر دیجئے۔ اس کی برکت سے ملک والوں کی تخریبی حالتوں کا پورا انسداد اور ہر فرد و بشر کی سچی تعمیری حالتیں متیقن ہو جائیں گی اور آپ کی حکومت تمام پاکستانیوں کے دلوں پر آپ کی مبارک تمام زندگی میں قائم رہے گی۔ اور دنیا کی تاریخ میں آپ کی یہ مبارک خدمت سنہری حروف سے لکھی جائے گی۔ اور دنیا کی اسلامی کہلانے والی اور مسلمانوں کی اکثریت والی حکومتیں آپ اور آپ کے شرکائے کار کی ہمیشہ ممنون و مشکور رہیں گی۔ چونکہ ہر سچے مسلمان کے لئے صرف اللہ تعالیٰ کے مبارک احکام کی پابندی اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سچی پیروی ہی دونوں جہان کی سرخروئی بلکہ برتری کا بہترین ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مبارک ارادہ میں آپ کو یقیناً کامیاب فرمائے گا۔ اور خود غرض جاہ طلب مغربی سیاست کے مارے ہوؤں کو بھی نئی اسلامی زندگی نصیب ہوگی۔ مجھ کو ان کی اسلام دوستی اور احکام خداوندی کی قدر و منزلت کے جذبات سے اسی کی قوی ترین امید ہے۔ کیونکہ آغا صاحب مغربی ملکوں کی بے راہ روی اور انسانیت سوز بد عملی سے بھی بخوبی واقف ہوں گے جو آزادی اور جمہوریت کے ذریعہ

جاری ہے۔ نہ تو وہاں کے مرد اپنے معاشی اور اقتصادی نظام سے مطمئن ہیں اور نہ عورتیں۔ یہاں تک کہ بچیاں بھی اپنی ملنے والی چند روزہ زیست کے اسباب کی فراہمی کے لئے پریشان ہی نظر آتی ہیں۔ خدائی یعنی اسلامی نظام میں نہ تو مردوں کو اپنے حال و مستقبل کی فکروں سے پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ نہ عورتوں کو۔ کیونکہ مردوں کو معاشی اور اقتصادی مسائل میں حکومت کا پورا تعاون حاصل ہوتا ہے اور عورتوں کی ضروریات زندگی کی کفالت مردوں کے ذمے ہوتی ہے۔ اسلامی حکومت میں اخلاق و عادات اکثر و بیشتر اشخاص کے قابل ستائش ہوتے ہیں اور اس مغربی جمہوریت اور طرزِ حکومت میں عورت مرد سب ہی اپنی اپنی فکر میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ پھر پہلے زمانوں کے نبیوں خصوصاً حضرت مسیح علیہ السلام نے جس حکومت کے افراد کو پاکبازی کے بھوکے پیاسے اور عدل و انصاف اور انسانوں میں اتفاق و اتحاد کا بہترین ذریعہ سمجھ کر مبارکبادیاں دی ہیں اُن کی مستحق صرف اللہ تعالیٰ کی حکومت آسمانی بادشاہت ہی کے لوگ ہو سکتے ہیں۔ چونکہ حضرت رحمت اللعالمین اور اُن کے جانشینوں ہی کی رحمتِ عامہ اور اتحاد کلی کے جلوے نظر آتے ہیں اور اکثر سیاسی جماعتیں اپنی ذاتی اغراض کی تکمیل کے لئے ایسے ظالمانہ و جاہلانہ طریقے اختیار کرنے سے بھی گریز نہیں کرتیں۔ جن کو انسانیت کے لئے لعنت سمجھا جاتا ہے۔

ضابطۂ اخلاق وعادات: آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات کے لئے زندگی گزارنے کے طریقے مقرر فرما دئیے ہیں۔ اُن کی پابندی کی برکت سے دنیا کا نظام قائم ہے۔ جب تمام انسانی مخلوق کی کامیاب زندگی کا انحصار اللہ تعالیٰ کے مبارک ضوابط کی پابندی ہی ہے۔ تو انسان جو اشرف المخلوق ہے۔ اُس کی خدائی قوانین سے سرتابی کر کے عزت و حرمت کس طرح قائم رکھ سکتی ہے۔ آپ نے غالباً صدر پاکستان آغا محمد یحییٰ خاں صاحب کا یہ اعلیٰ منشور اور ہدایت نامہ بھی پڑھا یا سنا ہو گا جو انھوں نے سیاسی جماعتوں کو انسانی اخلاق کی پابندی کے حکم کے طور پر جاری فرمایا تھا کہ یہ سب سیاسی پارٹیاں ضابطہ اخلاق کی پابند رہیں اور اپنی تخریب ملک اور قوم کی برسی عادتوں سے باز رہیں۔ آپ انصاف کیجئے کہ جن سیاسی پارٹیوں میں انسانی شریفانہ اخلاق وعادات بھی نہ پائے جاتے ہوں، وہ قوم، ملک اور اہلِ ملک کی اصلاح اور درستی کے کام کس طرح انجام دے سکتی ہیں؟ کیا عقلمندوں کے لئے سیاسی جماعتوں سے بیزاری اور نفرت کے لئے اس سے بہتر بھی کوئی طریقہ ہو سکتا ہے کہ خود ملک اور ملک والوں کا ایسا محافظ اور بہی خواہ صدر آغا محمد یحییٰ خاں جیسا صدر ذی قدر اپنی ایک ہی بہادرانہ اور حکیمانہ آواز سے سیاسی جراثیم کی مہلک شورش سے روک دے۔ اور ان کی تخریبی سکیموں کو ملیا میٹ کر دے اور ان کو آدمیت کے اخلاق کے اختیار کرنے کا حکم فرما دے!!

اے میرے بھائی بہنو! آپ نے قرآنِ حکیم بھی پڑھا ہوگا کہ حضرت آدم اور
اُن کی بیوی حضرت حوا علیہما السلام کے رہنے کے لئے جنت دے دی جو تمام
قسم کی بے نظیر نعمتوں سے پُر تھی اور ساتھ ہی فرما دیا۔ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا
مِنَ الظَّالِمِينَ۔ یعنی اے آدم اور حوا آپ دونوں ہماری جنت میں
ہمارے احکام کے پابند ہو کر آرام کیجئے۔ اور خبردار آپ دونوں میاں بیوی اس
درخت کے پاس نہ جانا ورنہ ظالم ہو جاؤ گے!! یہ ہے آدمی کا بنیادی اور
پیدائشی حق کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند ہو کر اس کی نعمتیں استعمال کرے
اور اسی طرح فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ جنہوں نے سجدہ کیا وہ
فرمانبردار مانے گئے اور جس نے سجدہ نہیں کیا وہ مردود مقہور ہو کر لعنت
میں گرفتار ہوا۔ انسان یعنی اولادِ آدم کو پیدا کر کے لاقانونیت کے لئے تو
نہیں بھیجا اس کے لئے ضابطے اور اصول مقرر کر دیئے۔ پھر ان اصولوں کے
بیان کرنے بلکہ سکھانے کے لئے نبیوں کو بھیجا اور اپنی کتابوں میں اوامر و
نواہی کا پورا بیان فرمایا۔ اب اگر کوئی آدمی یہ کہتا ہے کہ بنیادی حق ہر آدمی کی
آزادی ہے کہ جو چاہے کرے وہ یقیناً احکامِ خداوندی سے مطلق جاہل
اور اپنے کو قانونِ الٰہیہ سے باغی کرنے والا مجرم ہے۔ بھلا یہ کسی انسان
کے نزدیک بھی ماننے کی بات ہو سکتی ہے کہ سب کا پیدائشی حق آزادی
اور من مانی کارروائیاں کرنے کی چھٹی ہے؟ قرآنِ حکیم تمام مسلمانانِ عالم کے
یک احکامِ خداوندی کا مکمل مجموعہ ہے اور تمام انسانوں کے لئے ضابطۂ اخلاق
اس سے سرتابی تو آدمی کو شرفِ آدمیت سے محروم کر کے حیوانوں
ہے۔ اب آپ سیاسی جرائم کی حالت کا اندازہ خود کیجئے۔ اکثر
و قانونِ خداوندی سے محروم کرنے کے لئے ہر آدمی کی آزادی ہے
سے حکومت کے ناپاک منصوبے بناتے پھرتے ہیں۔ آزادی

جو خدائے تعالیٰ کے ضابطوں کا پابند ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ۔ یعنی اے نبی کریم آپ ایماندار مردوں سے فرما دیجئے کہ اپنی آنکھیں نیچی کرکے چلیں۔ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ۔ اور ایمان والی عورتوں سے فرما دیجئے کہ آنکھیں جھکا کر چلا کریں۔ یہاں آنکھوں کی آزادی کی نفی ہے کہ جہاں چاہیں پڑیں۔ بلکہ اُن کے لئے بنانے والے خالق و مالک کا یہ ضابطہ ہے۔ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اور اپنے حسن و جمال، بناؤ سنگار کو ظاہر نہ کریں۔ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا۔ مگر جس کا کھلا رہنا ضروری ہو۔ یعنی آنکھیں اور ہاتھ منہ پاؤں۔ کہ اگر ان کو بند کر دیا جائے تو پھر چلنا پھرنا ہی ناممکن ہے۔ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ اور اپنے دوپٹوں کو اپنے سینوں پر ڈالے رکھیں۔ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ۔ (پ ۱۸ ع ۱۰ سورۂ نور۔ یعنی اور عورتوں کو حکم دیجئے کہ زور سے پاؤں مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ ان کے پوشیدہ زیور یا بناؤ سنگار ظاہر ہوں۔

اور اللہ تعالیٰ نے ہی عورتوں خصوصاً امہات المومنین ازواجِ رحمت اللعالمین سے فرمایا۔ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى۔ یعنی اے بیبیو! تم اپنے مکانوں میں رہو اور پہلے جہالت کے زمانے کی طرح نہ پھرو۔ پھر اسی طرح مردوں اور عورتوں کو بہت سے کام کرنے کا حکم فرمایا اور بہت سی چیزوں کی ممانعت فرمائی بہت باتوں

اب بتایئے وہ یورپ زدوں کی سی آزادی پیدا کرنی حق

پس انسان اور جن کی پیدائش صرف عبادت اور اطاعت کے لئے ہے اور

ان کا پیدا کرنی حق ہے کہ ہر عمل اور کام میں احکام خدا کے پابند رہیں۔ نہ کسی کو ملک میں فتنہ و فساد پھیلانے دے!!

اجازت ہے اور نہ کسی آدمی کی عزت و آبرو کے خلاف بات چیت کرنے کی اجازت ہے۔ خود اللہ تعالیٰ ہی نے یہاں تک فرمادیا کہ وقولوا قولاً سدیداً۔ یعنی راستی اور سچائی تہذیب کی باتیں کیا کرو۔ گالیاں دینے، غیبت کرنے اور کسی کی توہین کے الفاظ کہنے کی اجازت نہیں ہے۔ ان باتوں سے ثابت ہوا کہ آدمی کو آزاد نہیں بنایا بلکہ اس کے تمام اعضاء کو اعمالِ حسنہ کا پابند کر دیا گیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں تک فرمادیا کہ فاحفظوا ... سکم۔ یعنی اپنے سروں کی حفاظت کرو کہ ان میں احکامِ خداوندی کی خلاف ورزی کے خیالات نہ آسکیں۔ جو لوگ آزادی کے نعرے لگاکر بدکردار اور بدمعاشوں کو بے گناہوں کے مال و متاع لوٹنے، قتل و غارت کرنے اور آگیں لگانے اور توڑپھوڑ کی آزادی کے خواہاں ہیں وہ شرعاً اور قانوناً بدترین مجرم ملک اور ملک والوں کے بدترین دشمن ہیں۔ ان کی دست برد سے ملک کو نجات دلوانا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک قرب کا بہترین سبب ہے۔ اس کا علاج صرف اسلامی نظام ہی کا اجراء اور نفاذ ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان مدعیانِ اسلام کو اسی نظام کے جاری کرنے کرانے کی توفیقِ رفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین!

عدل کسے کہتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے پہلے بھی تمام نبیوں اور رسولوں کے ذریعے سے دنیا میں عدل کے احکام جاری فرمائے تھے۔ لیکن حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام نبیوں کے سردار اور قیامت تک آنے والوں کے لئے خاتم الانبیاء بن کر تشریف لائے تاکہ آپ کی شریعت کامل اور کامل دین کہلائے۔ آپ نے خود اپنی تمام مبارک ... عدل کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق گزاری۔ آپ ... کہ عدل اس معاوضہ کو کہتے ہیں جو کسی قابل چیز کے عوض اور ... لے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت کا مرتبہ عطا ہوا بہت ہی ... کے عوض اور بدلے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حقوق پورے

کئے اور دوسروں کو بھی اسی طرح حقوق ادا کرنے کی ترغیب دی۔ آخر تمام انسان اور جن اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے انعامات سے سرفراز ہیں۔ آدمی سب سے بڑا ہونے کی حیثیت سے زیادہ عدل کرنے کا مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا۔ یعنی اے انسانو، جنو! تم سب کو اللہ عزوجل حکم دیتا ہے کہ جن کی امانتیں تمہارے پاس ہیں ان کے سپرد کر دیا کرو۔ یاد رکھئے کہ حکم عام ہے۔ جن کی امانتیں بھی آپ کے پاس ہیں ان کا ادا کرنا ضروری ہے۔ بندگانِ خدائے تعالیٰ کے حقوق بھی امانتیں ہیں ان کو ادا کرنا لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضرت شیخ عزیز احمد صاحب مشہور [illegible] کمپنی کے مالک جو شاہ عالم بازار میں ہے۔ ان کے اور کمپنی کے منیجر علی احمد خانصاحب کے متعلق کہی ہے معلوم ہوا کہ سب کے حقوق ادا کرتے ہیں۔ اور ہمارے اجسام اور ان کے اعضا بھی اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہی ہیں اُن سے وہی کام کرنے ضروری ہیں جن کے لئے وہ بنائے گئے ہیں۔ امانت میں صرف اسی تصرف کی اجازت ہے جو امانت رکھنے والے کی اجازت سے ہو۔ اس کلیہ کے تحت ہر دانا کو وہی اعمال زیبا اور مناسب ہیں جنکی اللہ تعالیٰ نے اجازت عطا فرمادی۔ اس کے خلاف جو طریقہ بھی ہوگا وہ امانت میں خیانت ہی کہلائے گا۔ اس اعتبار سے وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین خائن ہیں جو عملی ہی قانونِ الٰہیہ سے سرتابی کرتے ہیں وہ ایسے ہی مقام پر کھڑے ہو جائیں گے۔ جہاں قرض ادا کرنے والے اور لوگوں کے حقوق اور واجبات ادا کرنے والے ہوں گے۔ ہمارا بدن اور اس کی قوتیں روح اور اس کے تمام اختیارات یہ سب اللہ تعالیٰ کی امانتیں جبتک ہوں ہمارے پاس ہیں ہم کو صحیح تصرف کرنا لازم ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ ان امانتوں کو ہم سے لینا چاہے تو بھی ہم کو اس کا شکر کرنا چاہئے کہ ہم کو اس نے امانتداری کا شرف بخشا [illegible] خودکشی کی [illegible] پر صبر کرنا چاہئے۔ [illegible] اپنے جسم یا جسم کے [illegible] کر دے اور یہی وہ [illegible] حرام ہے۔ [illegible] کسی وجہ سے جو کہ استعمال کرے یا اپنے [illegible] دے!!

مارنا، کاٹ ڈالنا اور [illegible] دینا بھی [illegible] حرام ہے [illegible]

اسلامی دین اور حکومت میں خودکشی حرام اور بدترین جرم ہے۔ ہاں خدائے تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے یا اس کے دین کے پھیلانے اور اس کے احکام کی مخالفت کرنیکے، خیالات اور جذبات پھیلانے والوں سے جہاد کرنا فرض عین ہے۔ ان مبارک خدمات دینی میں اگر آدمی مارا جائے تو وہ شہید ہے۔ یعنی یہ امانت گزار ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی امانت کے طور پر دئے ہوئے جان و مال اور قوتوں کو اس کی خدمات میں صرف کر دیا۔ اس سے مرنے کے بعد بھی حساب کتاب اور باز پرس نہیں ہوگی۔ مگر ایسے فرمانبرداران خدائے تعالیٰ کو لازم ہے کہ وہ خدائے قدوس کے بندوں کے نزدیک بھی خائن نہ رہیں۔ چونکہ بعض صحیح حدیثوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی موجود ہے کہ جو آدمی طاقت رکھتے ہوئے بندوں کے حقوق ادا نہیں کرتا اس کی روح علیین کی طرف نہیں جاتی۔ ہاں اگر کسی آدمی میں بندوں کے حقوق ادا کرنے کی جد وجہد کے جذبات ہوں مگر وہ مجبوراً ادا نہ کر سکے نہ ان سے معافی ہی مانگ سکے تو امید ہے کہ ان کے معاملات کو اپنے رحم و کرم سے درست فرما دے اور ان کے بدلے اور واجبات وہ خود چکا دے گا۔ اس تحریر سے ناظرین کو معلوم ہوگا کہ بھوک ہڑتالیں یا اپنے ہاتھ پاؤں سکھا لینا اور اپنے مرنے کی ترکیبیں اور طریقے اختیار کرنا یا خدائے تعالیٰ کے دئے ہوئے بدن کو کسی آدمی کے غم و الم میں زخمی یا ہلاک کرنا مطلق حرام ہے اور امانت میں خیانت ہے۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ۔ اپنے خدا داد جسم یا روح کو کسی طرح کی اذیت پہنچانا بھی شرعاً حرام ہے۔

...ل و انصاف کے معنی ہیں: فرمایا اللہ تعالیٰ نے وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا ... نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ ط اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیْعًام ... ۵۸) یعنی جب تم انسانوں میں فیصلے کرنے پر مقرر۔ حاکم ...ناف سے فیصلے کیا کرو۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا حکم تمہارے

لئے بہت مفید ہے۔ اور یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے فیصلے سننے والا اور تمہارے
وہ حالات دیکھنے والا ہے جو فیصلہ طلبوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔

بھائیو! یہ اللہ تعالیٰ کا ایسا پیارا حکم اور حکومت کرنیوالوں کے لئے مفید ضابطہ
کلی ہے جس میں حکم کرنے اور فیصلہ دینے اور فیصلہ کرانے والوں سب کی
بھلائی قدر و منزلت اور عزت و احترام کی حفاظت ہے۔ سلطنت اور
حکومت کا اولین فرض ہے کہ وہ ملک میں کامل امن و امان قائم رکھنے کے لئے ایسے
احکام اور قوانین جاری کرے جس میں ملک کے معاون تمام طبقات خوش
و خرم رہیں اور جرائم اور عوام دشمن بدکرداریوں کا پورا انسداد ہو۔ اگر کسی حاکم
شخص یا جماعت کو یہ طریقہ معلوم نہیں اور وہ ملک والوں کے اطمینان و
سکون کی زندگی میں کامل معاونت نہ کر سکے۔ اور ایسے افراد اور جماعتوں
کو اعمال بد سے روک نہ سکے جو ملک والوں کی جان مال، آبرو عزت کے
لئے خطرہ ثابت ہو سکتے ہوں تو بحسب احکام خداوندی اور انسانی سیاست
کی رو سے وہ حکومت بالکل نااہل بلکہ ملک کی تباہی کا ذریعہ ہی کہی جائے گی۔
اور اس پر حکومت کا لفظ اطلاق نہیں کر سکے گا۔ وہ شخص یا جماعت جو
صرف اپنے یا اپنے ان معاونوں کے لئے آرام اور فوقیت کی طالب ہو،
جو اس کے خودغرضی والے نظام میں شریک ہوں تو وہ شخص یا حکومت
بدترین ظالم اور ملک کی سلامتی اور ملکیوں کے سکون کی دشمن سمجھی جائیگی۔

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد
سید القوم خادمہم!

[illegible] دونوں مقولوں کی رو سے وہ کسی قسم کی خدمت اور [illegible]
چونکہ جو حکام ملک والوں کے سکون و اطمینان کا ذریعہ [illegible] کر دے اور
کے دل ان کے لئے جھک جاتے اور ان کی خدمت [illegible] دے!!
سمجھتے ہیں۔ جو لوگ اپنی حکمرانی کے زمانے میں اپنی عزت